تخلیقِ الاوّل

مصنّفہ

حفیظ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

خدا تعالیٰ کی ہزاروں برکات نازل ہوں ان بزرگوں پر جن کے علمی خزائن کی روشنی میں عاجزہ نے یہ کتاب ترتیب دی۔ اس ناچیز سعی میں صاحبِ لولاک فخر الاوّلین والآخرین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی و مدنی زندگی کے چیدہ چیدہ منتخب پہلے واقعات انہیں بزرگوں کے علمی خزائن ہی سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ واقعات کی کسوٹی پر کھ انہیں ہستیوں کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حاشیہ میں جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں وہ مطابقت کے بعد پیش کئے گئے ہیں ؛

اللہ تعالیٰ کے حضور دستِ بدعا ہوں کہ وہ میری اس حقیر سعی کو قبول فرمائے۔ ہستیوں کی راہنمائی کا موجب ہو اور میری بخشش کا واسطہ بنے۔ آمین ؛

طالبۂ دعا

حفیظۃ الرحمٰن

بیگم میر مبارک احمد تالپور

انتساب

اپنے ابّا جان سیّد حافظ عبد الرحمٰن مرحوم کے نام جن کے عشقِ رسولؐ نے مجھے یہ کتاب لکھنے کا شوق دیا ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ⁂ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فہرست

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ	صفحہ نمبر
	بعد از نبوت		
١٥	٦١٠ء بعمر ٤٠ سال ایک دن (١٢ سال قبل ہجرت۔ ربیع الاول)	پہلی وحی	٤٧ ٤٩
١٦	" " " "	پہلے تصدیق کرنے والا شخص	٥٢
١٧	٦١٠ء سہ شنبہ ربیع الاول	پہلا مسلمان مرد (٥٧٢ء تا ٦٣٤ء)	٥٥
١٨	٦١٠ء سہ شنبہ ١١ ربیع الاول (١٢ سال قبل ہجرت)	پہلا مسلمان بچہ	٦٢
١٩		پہلا مسلمان خادم	٧٠
٢٠		پہلی پیشکش و اعلانیہ تبلیغ	٧٢
٢١	٤ سنہ نبوی	پہلا دار التبلیغ	٧٤
٢٢	بعمر ٤٣ سال ٥ سنہ نبوی	عبداللہ بن مسعود (پہلی جہری تلاوت)	٧٧
٢٣	٦١٥ء بعمر ٤٥ سال ٤ ماہ ٥ سنہ نبوی (٧ سال قبل ہجرت)	پہلا مہاجر جوڑا	٨١
٢٤	" " "	پہلا مسلمان چچا	٨٦
٢٥	٦ سنہ نبوی	پہلی شہید عورت	٩٠
٢٦	٦١٧ء۔ ٦ سنہ نبوی بروز منگل بعمر ٤٦ سال ٩ ماہ ٢٣ دن	سوشل بائیکاٹ	٩٤
٢٧	٦٢٠ء ١٠ سنہ نبوی ٣ سال قبل ہجرت	سفر طائف	٩٨
٢٨	٦١٩ء بعمر ٤٩ سال ٦ ماہ ٢٢ دن ١٠ سنہ نبوی ٣ سال قبل ہجرت	پہلی باکرہ ام المومنین (نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رض)	١٠٢
٢٩	٦٢٠/٦٢١ء بعمر ٥٠ سال۔ ١٠ سنہ نبوی (٢ سال قبل ہجرت)	پہلی فرض شدہ عبادت	١٠٦

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعات عظیمہ	صفحہ نمبر
٣٠	٦٢٠/٦٢١ء بعمر ٥٠ سال۔ ١٢ سنہ نبوی (٢ سال قبل ہجرت)	پہلا مبلغ اسلام	١٠٩
٣١	" " " "	پہلا مسلمان شاعر	١١٥
٣٢	٦٢١ء بعمر ٥١ سال ٩ ماہ (١ سال قبل ہجرت)	پہلی بیعت	١١٧
٣٣	٦٢٢ء بعمر ٥٢ سال ١١ ماہ ربیع الاول شب جمعۃ المبارک	ہجرت نبوی	١٢٠
٣٤	١٤ بعثت نبوی بعمر ٥٢ سال ١١ ماہ ٢٣ دن۔	غلبہ	١٢٤
٣٥	" " " " "	پہلی مسجد	١٢٧
٣٦	" " " " "	پہلی نماز جمعہ	١٣٠
٣٧	بعمر ٥٣ سال ٤ دن۔ ١ سنہ ہجری	پہلا خطبہ	١٣٢
٣٨	٦٢٢ء تا ٦٢٣ء بعمر ٥٣/٥٤ سال ٧ ماہ	دار القیام	١٣٥
٣٩	" " " " "	اسلامی شہر	١٣٨
٤٠	٦٢٢ء بعمر ٥٣ سال ایک ماہ ربیع الاول	مسجد نبوی (پہلی درسگاہ)	١٤١
٤١	٦٢٣ء بعمر ٥٣ سال ½١ ماہ یکم ہجری	پہلا مؤذن	١٤٤
٤٢	٦٢٣ء بعمر ٥٣ سال ٢ ماہ یکم ہجری	پہلی مواخات	١٤٧
٤٣	" " " ٤ ماہ "	پہلا معاہدہ	١٤٩
٤٤	" " " ١١ ماہ ٢ سنہ ہجری	پہلی بار اجازت جہاد	١٥١
٤٥	٦٢٣ء بعمر ٥٤ سال ٥ ماہ ٧ دن (٢ سنہ ہجری)	رخ کعبہ کی پہلی نماز	١٥٥
٤٦	" " " " "	پہلا حکم روزہ	١٥٧

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعاتِ عظیمہ	صفحہ نمبر
۴۷	سنہ ۶۲۴ء جنوری بعمر ۵۴ سال ۶ ماہ بمطابق ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری	جنگ بدر	۱۶۰
۴۸	" " " "	یہودیوں میں پہلا مسلمان	۱۶۵
۴۹		پہلا واقف زندگی شہید	۱۶۸
۵۰	سنہ ۶۲۴ء ۲ ہجری	جنت البقیع کا پہلا مدفون	۱۷۱
۵۱	سنہ ۶۲۴ء - ۲ ہجری	غلاموں کی آزادی کا پہلا حکم	۱۷۵
۵۲	سنہ ۶۲۴ء - بمطابق ۲ ہجری	ہجرت کے بعد پہلا بچہ	۱۷۹
۵۳	" " ۳ ہجری	پہلا مقتول	۱۸۳
۵۴	" " "	حکم زکوٰۃ	۱۸۵
۵۵	سنہ ۶۲۵ء بعمر ۵۵ سال ۳ ہجری	نوحہ کی ممانعت	۱۸۹
۵۶	سنہ ۶۲۶ء بعمر ۵۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری	شراب کی حرمت	۱۹۲
۵۷	" " " " " " "	مدینہ کی پہلی مہاجر عورت سے نکاح	۱۹۵
۵۸	" " " " " "	پہلا امین الامت	۱۹۸
۵۹	" " " " " "	صلوٰۃ الخوف	۲۰۲
۶۰	" " " " " "	نقل مکانی	۲۰۴
۶۱	سنہ ۶۲۷ء بعمر ۵۷ سال ۸ ماہ شوال سنہ ۵ ہجری	آسمانی نکاح	۲۰۷
۶۲	سنہ ۶۲۶ء بعمر ۵۷ سال شعبان ۵ ہجری	پہلی عورت کی خدائی بریت (واقعہ افک)	۲۱۱
۶۳	" " " "	پہلا مرتد	۲۱۵
۶۴	" " "	پہلا منافق	۲۱۸
۶۵	سنہ ۶۲۷ء بعمر ۵۷ سال ۷ ماہ ۸ ذیقعدہ ۵ ہجری	پہلی عجمی تدبیر	۲۲۴

نمبر شمار	سن و عمر مبارک	واقعاتِ عظیمہ	صفحہ نمبر
۶۶	بمطابق ۵ ہجری	خندق کا پہلا شہید	۲۲۸
۶۷	" "	دشمنِ خدا شاعر	۲۳۱
۶۸	سنہ ۶۲۸ء بمطابق ۶ ہجری	حضرت جویریہؓ پہلی اسیر بیوی	۲۳۵
۶۹	۱۳ مارچ سنہ ۶۲۸ء مطابق ۶ ہجری بعمر ۵۸ سال ۷ ماہ ۲۳ دن	پہلی صلح (حدیبیہ)	۲۳۸
۷۰	سنہ ۶۲۸ء اواخر ۶ ہجری	بادشاہوں کے نام خطوط	۲۴۲
۷۱	سنہ ۶۲۸ء - یکم محرم سنہ ہجری	تصدیق کرنے والا بادشاہ	۲۴۵
۷۲	سنہ ۶۳۲ء - بعمر ۶۲ سال ۸ ماہ ۱۷ دن (سنہ ۱۰ ہجری)	پہلا و آخری حج	۲۴۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٭ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

هُوَالنَّاصِرُ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

تخلیق الاوّل

یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ تمام کائنات کو جس نے پیدا کیا ہے وہ ہمارا رب ہے۔ محبت۔ ربوبیّت۔ پیار۔ رحم۔ احسان۔ انصاف اور انعام یہ تمام صفاتِ اعلیٰ اور جامع طور پر صرف اور صرف ہمارے خالق میں ہی پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ لیکن "اَحَد" ہونے کے باوجود اس نے اپنی صفات کے مظہر دنیا میں پیدا کئے ہیں۔ اور اپنی ایک تخلیق کو ایسی صفات عطاء کیں کہ وہ رب العٰلمین کا پرتو بن گئی اور رحمۃٌ لِّلۡعَالَمِیۡن کہلانے لگی۔ وہ تخلیق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جو ۵۷۰ء میں ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰ اپریل بروز پیر بوقت صبح آمنہ مقدسہ کے گھر پیدا ہو کر مکّہ کی پاک زمین سے علیٰ وجہ التفصیل طلوع ہُوئے۔ جب خُدا تعالیٰ نے اپنا ظہور چاہا۔ تو اپنی ذات کا عکسی طور پر ایک نمونہ قریش خاندان کے ایک معزز گھرانے کو عطا کر دیا۔ یہ دنیا کا نجات دہندہ جب پیدا ہُوا تو باپ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہو چکے تھے۔ دادا نے آپؐ کا نام محمد[۲] رکھا۔ یہ نام الہامی تو نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کے دل پر تصرف فرما کر آپ کو القاء کیا تھا۔ چنانچہ وہی نام رکھا گیا۔ جو پیشگوئیوں میں موجود تھا۔

حضرت آمنہ جبکہ وہ خاوند کی بے وقت وفات پر گریہ وزاری اور آہ و بکا کرتی رہتی تھیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ جیسے تمام عالم میں گھپ اندھیرا ہے۔ نہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے نہ کچھ نظر آتا ہے۔ یکایک ان کے سینے سے ایک چمکتا ہوا

---

۲ :- شبلی نعمانی صفحہ ۱۷۳ ٭

نُور نکلا۔ جو پھیلتا پھیلتا ہر جگہ چھا گیا۔ آپ کی طبیعت پر اس خواب کا بھی اثر تھا۔ دوسر
دادا کی خواہش تھی کہ تعریف و توصیف میں میرے بیٹے کا کوئی ثانی نہ ہو۔ اور میرا پو
دُنیا بھر کی ستائش کا مستحق ہو اور ہر قسم کی بھلائی اس میں پائی جائے۔ دنیا بھر میں کسی ان
کی خواہش اتنی عمدگی سے پوری نہیں ہوئی ہو گی جیسی کہ حضرت عبد المطلب کی آرزو رنگ
لائی۔ آج تک جبکہ چودہ سو برس آپ کی وفات پر گزر چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ایک
دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس میں آپ کی تعریف دنیا کے کسی نہ کسی کونہ میں نہ ہوئی ہو۔

عرش پر خُدا، فرش پر انسان۔ آسمان پر فرشتے اور زمین پر جن و انس برا
رطب اللسان ہیں۔

پس کوئی سورج اتنی آب و تاب سے نہیں چمکا جتنا کہ آمنہ کا نُور اور کوئی دستر خو
اتنا وسیع و عریض نہیں پھیلا جتنا کہ محمدی مائدہ۔ غرض کسی ہادی، کسی رسُول اور کسی پیغ
کی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی کہ **احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفٰے** کی ہو
ہے اور ہوتی رہے گی۔

مؤرخین نے اس تخلیق الاوّل کی پیدائش کے متعلق ایسے واقعات لکھے ہیں۔
معجزہ کا رنگ رکھتے تھے۔ مثلاً کسریٰ کے محل میں سخت زلزلہ آیا۔ یہاں تک کہ اس
چودہ کنگرے ٹوٹ گئے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جو صدیوں سے برابر روشن چلا آ
تھا۔ دفعتاً بجھ گیا۔ اور چشمہ سادہ یکلخت خشک ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سچ یہ ہے کہ "ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم۔ شوکتِ روم۔ چین کے قصر ہا
فلک بوس گر پڑے۔ آتش کدہ ہی نہیں بلکہ جحیم وشر۔ آتشکدہ کفر اور آذر کدہ گمراہی
ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا اور نصرانیت
کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے[1]

عرب میں بُت پرستی کا بانی عمرو بن یحییٰ تھا۔ اس کا اصل نام ربیعہ بن حارث
عمرو بن یحییٰ نے چند بُت شامیوں سے لے کر کعبہ میں قائم کر دیئے۔ اور کعبہ چونکہ عرب
مرکز تھا۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ کعبہ کے حج پر آنے والا ہر شخص خاص و عام بت

[1] :- شبلی حصہ اوّل صـ ۱۲۲ ؛

عادی ہو گیا[1]

مؤرخین کے مطابق آپ کی پیدائش کے وقت تین سو ساٹھ بت کعبہ میں موجود تھے
یا قمری مہینوں کے لحاظ سے ہر دن کے لئے ایک علیحدہ بُت تھا۔ اور عرب کا بچہ بچہ
شرک میں مبتلاء تھا۔ شرک کی نوبت یہ آچکی تھی کہ قریب تھا کہ آسمان پھٹ کر گر جائے
زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر جائیں۔ جیسے کہ
اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں فرماتا ہے کہ:-

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ
الْجِبَالُ هَدًّا ۝

(مریم : ۹۱)

چونکہ شرک بُت پرستی صفاتِ الٰہیہ اور فطرت صحیحہ کے خلاف ہے اس لئے
آسمان جوش سے پھٹ جائے گا اور زمین کا سینہ اندرونی جوش سے
چاک ہو جائے گا۔

ایسے وقت میں خدا تعالیٰ خاموش نہیں رہتا بلکہ اس کی صفتِ رحمانیت جوش
آتی ہے اور جس طرح ظاہری عالم میں بغیر مانگے کے اس نے ہزاروں ہزار نعمتیں
اکر دی ہیں۔ اسی طرح روحانی عالم کی نعماء سے نوازتا رہتا ہے اور کسی نجات دہندہ
پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ شرک کی جڑھ کٹ جائے۔

ابرہہ ایک مسیحی اتنا بڑھ گیا کہ اس نے خُدا تعالیٰ کے مقدس گھر پر حملہ کر دیا تو ٹھیک
ان دن بعد خداوند عالم نے اس شرک کی بیخ کُنی کرنے اور توحید کو پھیلانے کے لئے
مکہ میں اپنی تخلیق اوّل کو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بنا کر پیدا کر دیا۔

پس یہ مظہر اتم الوُہیئت ۵۷۰ء میں بروز پیر ۱۲ ربیع الاوّل ان پیدا کردہ شخصیتوں
مٹانے کے لئے آیا جن کو کفّار نے خُدا بنا چھوڑا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ۔

[1] :- شبلی حصہ اوّل صـ ۱۲۰ ؛

پہلی مرضعہ

حضرت حلیمہ سعدیہؓ سلامتی کے شہزادے کی پہلی رضاعت کا شرف اگرچہ ثوبیہ[۱] کو حاصل ہے جنہوں نے آپؐ کو چند دن دودھ پلایا تھا۔
اور حضرت حمزہؓ بھی آپؐ کی اس رضاعت میں شامل تھے۔ دونوں چچا بھتیجے ایک ہی وقت ایک ہی عورت ابو لہب کی آزاد کردہ لونڈی کا دودھ پیتے تھے۔ اس لئے وہ آپؐ کے چچا بھی اور رضائی بھائی بھی تھے۔ ثوبیہ کے بعد تقریباً آٹھ یوم کے بعد ۲۸/۲۹ اپریل[۲] کو آپؐ کی مستقل رضاعت کی ذمہ داری حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ وہ وجود ہے جس کو قیامت تک نسلیں یاد رکھیں گی۔ جن کی گود شفقت میں آپؐ نے پانچ برس بسر کئے تھے۔

مکّہ کے شرفاء میں یہ دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلاتی تھیں بلکہ عام طور پر بچوں کو شہر سے باہر بدوی لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جنگل کی کھلی فضا میں بچے تندرست و توانا ہو جاتے تھے۔ اور زبان بھی چونکہ بدوی لوگ عمدہ اور صاف بولتے تھے اس لئے بچے فصاحت و تندرست زبان کے بھی ماہر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مکّہ کے اردگرد کے گاؤں کی عورتیں ایک خاص موسم میں مکّہ میں جمع ہو جاتی تھیں۔ تاکہ امیروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس سال بھی کچھ عورتیں مکّہ میں آئیں جن میں ایک دائی حلیمہ بھی تھی۔ حلیمہ کا خاندان غریب تھا۔ وہ قبیلہ بنو سعد کی ایک خاتون تھیں۔ اور کسی بچہ کی تلاش میں مکّہ آئی تھیں۔ امیر گھروں میں وہ گئیں لیکن انہوں نے اپنے بچے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ یہ سمجھ کر کہ یہ غریب عورت ہے بچے کو اچھی طرح پال نہیں سکتی۔ حلیمہ

۱ :- شبلی نعمانی ص ۱۷۳ ؛ ۲ :- حیات رسالت مآب ص ۶۲ ؛

سارا دن مکّہ کے گھروں میں پھرتی رہیں۔ اتفاق سے کوئی بچہ ان کو ہاتھ نہیں آیا[۳]۔ اُدھر مقصود کائنات پیارے آقا کی ماں بی بی آمنہ اپنے گھر کسی بچہ کی دایہ کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن کسی دایہ نے جھانکنا تک پسند نہ کیا۔ اس خیال سے کہ بیوہ کے بچے کا بدلہ کون دے گا۔

جب حلیمہ سارا دن مکّہ کے ہر گھر سے دھتکاری گئی تو اس نے خیال کیا کہ اگر میں بغیر بچے کے واپس گئی تو بدنام ہو جاؤں گی۔ چونکہ عرب میں یتیم بچہ منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے وہ ایک یتیم بچے کو لے جانے میں خوش تھی ہی نہیں۔ اُدھر آمنہ نے جب سُنا کہ دیہات سے عورتیں آئی ہوئی ہیں۔ لیکن میرا بچہ (کل کا شہنشاہ) بچہ غربت گھر میں ہی ہے تو آہ کھینچ کر رہ گئی۔ لیکن یہ آہ کام کر گئی۔ حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے کہا۔ بیکار سے بیگار بھلی آمنہ کا بچہ ہی کیوں نہ لے آؤں؟
حارث کی رضامندی پر حلیمہ دائی دُرِّ یتیم کو لینے آ گئی۔ لیکن وہ کیا جانے؟ کہ قسمت سامنے کھڑی مُسکرا رہی ہے اور فرشتے آسمان سے جھانک کر کہہ رہے ہیں۔ حلیمہ! کا تجھے بچہ نہیں بنی نوع انسان کا سردار اور اقلیم روحانیت کا تاجدار مل رہا ہے۔ حلیمہ! تو بچہ نہیں نور اللہ اپنے گھر لے جا رہی ہے[۴]۔

پس ساری دائیوں کا ردکردہ بچہ اُس دایہ نے لیا ہے جسے سب مکّہ والوں نے ردّ کر دیا تھا۔ اور اس طرح وہ پیشگوئی بھی پوری ہُوئی۔ جو صحفِ سابقہ میں آچکی تھی "جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا"[۵]۔ پس حلیمہؓ نے ننھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ جو کہ تو موجودات کی علّتِ غائی ہے اور سب سے پہلا نور ہے جو پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس نور کی برکت سے تمام چیزیں وجود میں آئیں اور اس میں ہر چیز کی بقا ہے۔

۳ :- شبلی نعمانی ص ۱۷۴ ؛ ۴ :- سیرۃ الحلبیہ جلد اوّل ص ۹۶ ؛
۵ :- متی باب ۲۱ آیت ۴۲ ؛

پانچ سال تک اپنے سایہ میں رکھا۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ حلیمہؓ کی
صاحبزادی تھیں جن کا نام شیماء تھا۔ اُن کو پیارے محمدؐ سے بہت پیار تھا۔ وہی
کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔[1]

ہر چھٹے مہینے حضرت آمنہ کو بچہ دکھا آتی تھیں اور واپس لے آتی تھیں۔
اس ننھے کے دم کرم سے اُس کا گھر خیر و برکت سے معمور ہو گیا تھا۔ دو برس کے
دونوں میاں بیوی گھبرائے کہ کیا کریں۔ کیونکہ وہ بچہ بموجب دستور وہ نہیں رکھ
تھے۔ نہ واپس دے آنے کو طبیعت چاہتی تھی۔ صرف محبّت و اُنس کی وجہ سے
نہیں بلکہ اس رحمت و برکت کی وجہ سے جو اس گھر کے در و دیوار سے ٹپکتی تھی۔ جب
آپؐ پرورش پا کر بڑے ہو رہے تھے۔ کہ اچانک مکّہ میں کچھ بیماریاں پھیل گئیں
جن کی بناء پر حضرت آمنہ نے یہی پسند فرمایا کہ حلیمہؓ بچہ کو چند سال اور قبیلہ
کے لڑکے لڑکیوں میں ہی کھیلتے رہنے دے۔ کیونکہ اس قبیلہ کی زبان خاص
پر فصیح اور صاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اُمّی بھی تھے لیکن فصاحت و بلاغت
میں آپؐ لاثانی تھے۔ حلیمہؓ سے رسولِ پاکؐ کو بہت اُنس تھا۔ آپؐ ہمیشہ انہیں عزت
توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ماں کا درجہ عطا کرتے تھے۔ جب ایک دفعہ آپؐ
حلیمہؓ کو آتے دیکھا تو اپنی چادر کندھوں سے اتار کر نیچے بچھا دی۔ اور اس پر حلیمہ
سعدیہ سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ کا نبی احسان مند وجود تھا۔ وہ
پانچ برسوں کا بدلہ جو بحیثیت معمار کے حلیمہؓ نے گزارا تھا۔ کسی احسان سے اتار
کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ غزوہ حنین میں حلیمہؓ کی قوم کے افراد قید ہوئے۔
مجبور ہو کر حلیمہؓ کے بچوں کے پاس گئے۔ کہ جاؤ "محمدؐ" رسول خدا کے سا
اپنی قوم کی سفارش کرو۔ محمدؐ رسول اللہ دیر تک انتظار کرتے رہے
تھے۔ آخر آپؐ نے مجبور ہو کر فوجیوں میں مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ صرف غلام
دیئے۔ کہ حلیمہؓ کی ایک بچی آپؐ کے پاس سفارش لے کر آ گئی۔ تو آپؐ نے ذرا
"میں نے تمہارا بہت انتظار کیا آخر تنگ آ کر مال تقسیم کر دیا۔ اب تم خود ہی پسند کر

[1]:۔ شبلی نعمانی ص ۱۷۵

حلیمہؓ کی مال واپس لے کر تم کو دوں یا قیدی چاہئیں۔ اُس نے قوم سے مشورہ کر کے
دیا کہ ہمیں قیدی چاہئیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکرِ اسلام
سامنے یہ معاملہ رکھا۔ انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہم خوشی سے اپنے اپنے قیدی
کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ اُسی وقت قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی رہا
کر دیئے گئے۔[2]

حضرت رسولِ پاکؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پرورش کے واقعہ سے ایک
بہت حاصل ہے۔ یہ کہ دونوں انبیاء کو کفالت ماں سے نہیں ملی۔ بلکہ حضرت
رسولِ خدا کو حلیمہؓ کی رضاعت حاصل ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بظاہر دوسری
عورت کی کفالت میسّر آئی۔ اگرچہ وہ حقیقتاً اُن کی ماں ہی تھی۔ لیکن کچھ اختلاف ہی
سو نما ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دودھ پلوانے کے لئے ان کی بہن نے کوشش
رسولِؐ خدا کو دودھ پلانے والی عورت کو خدا تعالیٰ خود پکڑ کر لایا۔ اور اس طرح
آپؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر برتری حاصل ہو گئی۔

آپؐ کی پہلی جرأت

قبیلہ ہوازن میں حلیمہ سعدیہؓ کے گاؤں میں ہی جب محمد صلعم پانچ سال کے ہوئے
تو ایک عجیب و غریب واقع پیش آیا جس میں آپؐ نے عظیم جرأت و دلیری کا ثبوت
دیا۔ آپؐ دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں جایا کرتے تھے۔ صبح کو جاتے
اور شام کو بکریاں واپس لے کر آجاتے تھے۔

ایک دن حسب معمول گاؤں کے بچے جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ ڈاکو
آن پڑے۔ جن کی خوفناک شکلیں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر تمام بچے بدحواسی کے
عالم میں گاؤں کی طرف بھاگے۔ صرف ایک بچہ ایسا تھا۔ جو نہ ڈرا اور نہ بھاگا۔ وہ
بچہ ہمارا پیارا رسولؐ تھا۔

[2]:۔ سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۱۴۰-۱۴۱

لٹیرے اس چھوٹے بچے کی موجودگی کا کیا خیال کرتے انہوں نے بکریاں اکٹ
اور چلنے لگے۔ لیکن ننھا بچہ آگے بڑھا اور کہا کہ یہ بکریاں گاؤں والوں نے ہمارے
بھیجی ہیں۔ تم پہلے گاؤں والوں سے اجازت لے لو۔ پھر انہیں ساتھ لے جا
ڈاکوؤں کو ننھے کی بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آئی اور چل پڑے۔ وہ بچہ اُلجھ
پریشان نہیں ہوا۔ بلکہ پھُرتی سے آگے بڑھا۔ اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا ڈ
کو بچے کی جرأت دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ انہوں نے کہا "ہٹ جاؤ اور ہمیں بکریاں
جانے دو"۔ بچے نے ننھے کندھوں پر بزرگ سر کا ثبوت دیتے ہُوئے کہا۔ "
کبھی نہیں"۔ مجھے مار ڈالو۔ اور بکریاں لے جانا۔ جب تک مَیں زندہ ہوں انکی ح
کروں گا۔

ڈاکو بولا! بے شک سردار قریش کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ننھے
میں تمہاری دلیری کی قدر کرتا ہُوں۔ تمہاری خاطر تمہاری بکریاں چھوڑے جاتا ہ
سارا عرب تم پر فخر کرے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ ننھے نے جواب دیا "محمدؐ
ڈاکو بے ساختہ بولا۔ محمدؐ بے شک محمدؐ عجیب اور کتنا پیارا نام ہے۔ ننھے
سلام تم پر سلام۔ یہ کہکر رخصت ہو گیا۔

شق الصدر
سینے کا چِیرنا

پہلی بار فرشتوں کا نزول

چونکہ آمنہ کا لال مقصودِ کائنات تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں تخلیق کائنات سے بھی پہلے اُس کا تصوّر تھا۔ اُس وقت بھی وہ "نُور" موجود تھا جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھا۔ لٰہذا ضوری تھا کہ اس کی عظمت و رفعت میں بھی یکتائی ہوتی۔ دوسرے صفاتِ الٰہیہ کے انعکاس کے لئے ایک نہایت صاف وشفاف اور وسیع آئینہ کی ضرورت تھی۔ چونکہ آپؐ سب سے اعلیٰ و اتم۔ افضل و اصفیٰ تھے اس لئے خداوندِ عالم نے آپؐ کے سینہ کو اپنے نُور سے ممسوح ومعطر کرنے کے لئے آپؐ پر فرشتہ ابتدائی عمر میں ہی نازل فرما دیا۔ فرشتہ نے سینہ کو چاک کر کے اُس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان وحکمت کے نُور سے بھر دیا۔

ہُوا یُوں کہ آپؐ ابھی پانچ برس کے ہی تھے کہ ایک دن حلیمہ کے ہاں سے ہی بچوں کے ساتھ جنگل میں کھیلنے کے لئے گئے۔ کوئی بڑا آدمی پاس نہیں تھا کھیل کے دَوران اچانک دوؔ سفید پوش آدمی نمودار ہُوئے اُن کی صورتیں بہت نورانی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی آپؐ کو پکڑ کر لٹا دیا۔ اور ایک تیز خنجر سے آپؐ کا سینہ چاک کر دیا۔ اور دل میں کسی چیز کی تلاش کر کے باہر پھینک دیا۔ اور دل کو باہر نکال کر ایک طشت میں رکھ کر نہایت شفاف پانی سے دھو دیا۔ دھوتے دھوتے جب دل چمک اُٹھا تو اُسے سینہ کے اندر رکھ کر پھر جوڑ دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر بچے خوفزدہ ہو گئے اور بھاگ کر حلیمہؓ اور حارثؓ کو اطلاع دی۔ حلیمہؓ کے بچے عبداللہ نے چونکہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے کانپ کانپ کر نڈھال ہو گیا۔ یہ واقعہ عبداللہ کی زبانی سنتے ہی دونوں میاں بیوی بھاگتے ہُوئے آئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ ننھا محمدؐ اکیلا کھڑا ہے۔ حلیمہؓ نے بھاگ کر معصوم بچے کو سینہ سے

لگالیا۔ اور پیشانی چوم کر ساری کیفیت دریافت کی۔ بیٹے نے سارا ماجرا من وعن بتادیا اور کہا کہ وہ کوئی چیز میرے سینے میں سے تلاش کر رہے تھے۔ نہ معلوم کیا جانے کہ وہ اسے نہایت اعلیٰ درجہ کا صیقل شدہ آئینہ بنانے کے لئے نُور کے پانی سے دھو رہے تھے۔ چنانچہ حلیمہؓ نے خیال کیا کہ نہ تو یہاں خُون گرا دکھائی دیتا ہے۔ نہ پانی اور نہ کسی کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ ہو نہ ہو یہ کسی جنّ یا بھُوت کا سایہ ہے۔

وہ آپؐ کو اپنے خیمہ میں لے گئیں۔ اور فوراً باہم مشورہ کیا کہ بچہ کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ آنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ اور یہ جنّات کا سایہ ہمارے لئے دائمی بے عزّتی کا موجب بن جائے۔ گو آپؐ کی جدائی ہم پر شاق ہے۔ لیکن اگر بچہ ضائع ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ وہ دہلتے ہُوئے دل اور کانپتے ہُوئے قدموں کے ساتھ حضرت آمنہ کے پاس گئیں۔ اور تمام واقع سُنا کر کہا کہ شاید یہ جنّات کا سایہ ہے جو رونما ہُوا ہے۔ یہ سُن کر حضرت آمنہ مُسکرائیں اور فرمانے لگیں۔ ایسا خیال نہ کرو۔ میرا بچہ ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ بڑی شان والا ہوگا۔ جب یہ بچہ پیدا ہُوا تھا تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے بدن سے نِکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ اس لئے یہ مافوق العادت باتیں بھی اسی کی کڑی ہیں۔ اور اُمید ہے کہ میرا بچہ ہرگز ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ اور نہ یہ واقع پریشانی کا موجب ہو سکتا ہے۔

سو یہ ہمارے آقاؐ کا پہلا کشف تھا جو آپؐ نے پانچ برس کی عمر میں دیکھا اور جو ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ دوسرے بچوں کو بھی نظر آگیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "بعض اوقات کشف اتنا اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کہ اردگرد کے لوگوں کو بھی وہ تفہیماً کچھ نظر آجاتا ہے"۔ [1]

سو یہ کشف جسے شق الصدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ایسا ہی بلند درجہ کا کشف تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

"لیکن سینہ کا پاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت

[1]:۔ روض الانف۔ جزو اوّل ❊

انوار ملکیہ کا رُوح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بُجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے۔ اس کے قبول کیلئے طبیعت کا آمادہ ہونا کشف ہے"۔ [1]

پس شاہِ دین کا سینہ کھول دیا جانا ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ خالی خولی سینہ دھو کر بند کر دیا۔ بلکہ اس سے یہی مقصود تھا۔ کہ آپؐ کے سینہ سے وہ علم و عرفان کے چشمے پھوٹیں گے اور ایسا ملکۂ ادراک بخشا جائے گا کہ آپؐ کا سینہ بمنزلۂ زرخیز زمین کے ہو جائے گا۔ اور اس واقعہ کی طرف "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" میں اشارہ ہے۔ پس رسُولِ خُداؐ کا سینہ بچپن میں ہی نیکیوں کے لئے کھل گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور ساری قوم سے آپؐ نے راستبازی کا خطاب لے لیا تھا۔ چونکہ آپؐ کا دل پہلے ہی پاک تھا۔ اس کو دھونے سے یہ مقصود نہیں تھا کہ دل پر کوئی سیاہی یا آلائش تھی جو صاف کرنی تھی۔ بلکہ اس کے یہ معنے تھے کہ نئی قابلیتیں اور نئی وسعتیں آپؐ کے اندر پیدا کر دی گئیں۔ اور آپؐ میں اس قدر قوتِ برداشت پیدا ہو گئی کہ دشمنوں سے سخت مقابلے اور سخت مظالم پر بھی آپؐ کے پائے استقلال میں کوئی جنبش پیدا نہ ہُوئی۔ سو یہ معجزات شق الصدر کے ہی تھے۔ جو مکّی اور مدنی زندگی میں صبح و شام ظاہر ہوتے رہے ❊

---

[1]:۔ حجۃ البالغہ جلد ۲ ص۱۵۴ ❊

قحط سالی میں بارش کیلئے بعمر نو سال

آپؐ کی پہلی دُعا

چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں بت پرستی اور شرک اپنے عروج پر تھا۔ اور خُدا تعالےٰ مشرکین کو ان کے گناہوں کی سزا میں آسمانی اور زمینی آفات دے کر جھنجھوڑا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی قحط سالی اور کبھی بے مقصد جنگ و جدال اہلِ عرب کو بیزار کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی تقریباً ۷۹-۵۷۸ء میں عرب میں شدید قحط پڑا اور مکّہ کی حالت ابتر ہو گئی۔ لوگ بارش کے قطرہ قطرہ کے لئے ترسنے لگے اور سخت پریشان و مضطرب ہو گئے۔

ان پریشان کن حالات میں حضرت ابوطالب کے دل میں اپنے ننھے بھتیجے کی بزرگی و معصومیّت کا خیال آیا۔ کیونکہ آپؐ کی عادتیں بچپن ہی سے ایسی اعلیٰ و پاکیزہ تھیں کہ تمام عزیز و اقارب آپؐ پر جان دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ابولہب جو بعد میں آپؐ کا بدترین دشمن ثابت ہُوا۔ آپؐ کی ولادت پر اتنا خوش ہُوا تھا کہ اُس نے اپنی اس لونڈی کو ہی آزاد کر دیا جو ولادت کی خوشخبری لے کر آئی تھی۔ اور حضرت ابوطالب کو تو اپنے مرحوم بھائی کی یادگار کچھ حد سے زیادہ ہی عزیز تھی۔ وہ اپنے بیٹوں سے زیادہ آپؐ کی نگہداشت کرتے۔ ان کے دل میں اپنے بھتیجے کی پاکیزگی کا سکّہ تو بیٹھا ہی ہوا تھا۔ جب مصائب کے وقت خدائے ذوالجلال کو پکارنے کا وقت آیا تو محمدؐ یاد آگیا۔ بھتیجے کو بلایا اور کہا۔ "میاں پانی کے بغیر ہم بے حد مضطرب ہیں۔ تمہارا دل معصوم اور زبان پاک ہے۔ مَیں دیکھ رہا ہُوں کہ تمہاری زندگی بڑی عجیب ہے۔ شہر والوں کو ساتھ لے چلو اور جنگل میں جا کر پانی کے لئے خدا تعالےٰ سے دُعا مانگو۔

بھتیجے نے کہا چچا! مَیں کیا اور میری دُعا کیا۔ یہ کام تو بڑے بزرگوں کا ہے۔ مَیں تو

بچہ ہی ہوں۔ ہاں آپ کے حکم کی تعمیل سے مجھے انکار نہیں۔ چلیئے! مَیں دُعا کرتا ہُوں۔ آپؐ کا دل خلقِ خُدا کے لئے بے چین پہلے ہی رہا کرتا تھا۔ آپؐ نے دُکھ سے نجات پانے کی پہلی ہی پیشکش قبول کر لی اور فرمایا:-

"کیا عجب اللہ تعالیٰ مجھ کمزور کی دُعا سُن لے اور قحط دُور ہو جائے"۔

چنانچہ آپؐ کی دُعا سے قحط سالی دُور ہوئی اور اہلِ مکّہ کے دلوں میں آپؐ کی عظمت بڑھ گئی ؂

وفات حضرت آمنہ بعمر ۶ سال بمطابق ۵۷۷ء

پہلا غم

ننھے محمدؐ ابھی چھ سال کے ہی تھے کہ والدہ محترمہ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کو ابتدائی عمر میں ہی یہ پہلا غم پہنچا۔ جب آپ مکّہ میں نہ تھے بلکہ اپنے ننہال اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کے ساتھ مدینہ گئے ہوئے تھے۔ چونکہ حضرت آمنہ کو مرحوم شوہر کا غم اتنا گہرا تھا کہ معصوم بیٹے کی پیدائش کے باوجود دُور نہ ہو سکا۔ بلکہ جب کبھی یتیم بچے پر نظر پڑتی تو طبیعت بے چین ہو کر مرحوم خاوند کی یاد ستانے لگتی۔ چنانچہ وہ اپنے لختِ جگر کو جبکہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی ساتھ لے کر مدینہ چلی گئیں۔ تاکہ قبر کی زیارت کر آئیں۔ جو کہ مدینہ منورہ میں نابغہ کے مقام پر تھی[1] وہ ہر روز شوہر کے مزار پر جاتیں اور دیر تک وہاں بیٹھی رہتی تھیں۔ وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں انہوں نے تقریباً ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران میں محمدؐ (صلعم) نے تیراکی بھی سیکھ لی۔ آپؐ بعد میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے وہ زمانہ یاد ہے۔ جب بنی نجار کی گڑھی کے سامنے ہم کھیلا کرتے تھے۔ گڑھی پر کوئی چڑیا آکر بیٹھتی تو اُسے اُڑانا ہمارا محبوب مشغلہ ہوتا تھا۔ ہم عمر لوگوں میں انیسہ نام کی ایک لڑکی بھی شریک

[1] حیات رسالت مآبؐ ص ۶۵

رہا کرتی تھی۔ آپ اس تالاب کا بھی ذکر فرماتے تھے جس میں تیرا کی سیکھی تھی۔ چنانچہ ایک ماہ کے قیام کے بعد واپسی پر ایک قافلہ کی معیت میں مکّہ کی طرف چل پڑیں۔ لیکن جب قافلہ الِابواء کے مقام پر پہنچا تو دفعتہً حضرت آمنہ بیمار ہوگئیں۔ بیماری اس شدت کی آئی کہ زندگی کی آس تک جاتی رہی۔ آخر وہ وقت آگیا کہ اپنے خُدا سے جا ملیں۔ آخری وقت میں انہوں نے مسرت سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو غم کی تصویر بنے کھڑا تھا۔ ماں نے اشارہ سے پاس بلایا تو بھاگ کر چھاتی سے جا چمٹا۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گِرنے لگے اور بیٹا بھی بے قابو ہوگیا۔ اور اُسی آن معصوم لال کو تنہا چھوڑ کر پردیس میں ہی داغِ مفارقت دے گئیں اور ہمیشہ کے لئے جُدا ہوگئیں۔

یہ وہ پہلا صدمہ تھا جو آپؐ کو بہت چھوٹی عمر میں پہنچا۔ لیکن بعد میں جبکہ آپؐ نو برس کے تھے کہ دادا حضرت عبدالمطلب بھی فوت ہوگئے تو چچا کی کفالت نصیب ہُوئی۔ یہی وہ حالات تھے جو آقائے دو جہاں کو پیش آئے اور آپؐ کے دل کو اتنا حلیم اور نرم بنا گئے کہ آپؐ کسی کی وفات پر آنسوؤں کی عقیدت ضرور پیش فرماتے تھے۔ آپؐ کو یہ صدمہ اتنی چھوٹی عمر میں پہنچا کہ آپؐ بے پرسان حال ہوگئے۔ دوسرے جو حالات پیش آئے وہ یقینًا دل آزار مناظر پیش کرتے ہیں۔ کِس طرح آپ ایک ماں کا سہارا لے کر مکّہ سے رخصت ہوتے ہیں۔ ماں کے سوا کوئی خونی قربت دار میلوں تک نظر نہیں آتا۔ ابواء کا جنگل ہے۔ ایسے میں چھ سال کی جان اپنی ماں کی نعش پر حیران و پریشان کھڑی ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور کسی مددگار کی انتظار کئے بغیر یتیم لال ماں کو بھی الوداع کہہ رہا ہے۔ موت یہ کب سوچتی ہے کہ اس لق و دق صحراء میں غریب الوطن لال پر کیا گزرے گی۔ موت جس نے بادشاہوں کی بھی کبھی رعایت نہیں کی۔ چھ سال کے بچہ سے اس کا آخری سہارا چھین کر حسرتوں اور امنگوں کے صحراء میں چھوڑ گئی۔ پس یہ صدمہ حضور پُرنور کو یتیم کی پوری پوری حالت میں پہنچا گیا تھا۔ اور آپؐ کی طبیعت پر مستقل اور گہرا اثر ڈال گیا تھا۔ بے شک یہ ٹھیک ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی آپؐ رحمۃٌ للعالمین تھے مگر بظاہر اسباب کا بھی کچھ دخل تھا۔ اور

ان ظاہری اسباب کی بناء پر آپؐ کی طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ غرباء کے لئے محبّت و ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے آپؐ کو حسنِ اخلاق کا مجسمہ بنایا تھا۔ لیکن مصیبت زدوں کے لئے غیر معمولی شفقت آپؐ کا امتیازی خلق تھا۔ چنانچہ زمانۂ نبوت میں حضرت جعفر بن ابی طالب جب شہید ہُوئے تو آپؐ بنفسِ نفیس خود حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو سلام کہا۔ اور کچھ بتلائے بغیر بچوں کو شفقت اور پیار کرنے لگے۔ بچے کھیل رہے تھے ان کی خوشی ملحوظ رکھتے ہُوئے یہ غمزدہ خبر زبان پر نہ لائے آپؐ پُرنم آنکھوں سے سب حال خود کہہ دیا اور حضرت جعفرؓ کی زوجہ بھانپ گئی اور پوچھنے پر آپؐ نے رقّت بھری آواز میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر دی۔

پس بادشاہوں کا بادشاہ اس آسمان کے نیچے بے وارثوں کی سی زندگی بسر کرتا رہا۔ اگرچہ حضرت ابو طالب نے بچپن سے لے کر جوانی تک آپؐ کی نگہداشت نہایت دیانت اور خوبی سے کی۔ تاہم آپؐ کی زندگی میں یتیم کا تأثر تا دیر باقی رہا۔ یتیم اور بیوہ کے لئے آپؐ کے دل میں حلم اور رحم پیدا ہوتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں آپؐ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے :

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ
وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ
وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

بصرہ کے مقام پر درختوں
اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا

پہلا معجزہ ۔ پہلا سفر

آپؐ کی عمر بارہ برس دو ماہ تھی ۔ جبکہ مطابق ۵۸۳ء آپؐ کا پہلا معجزہ ظہور میں آیا ۔ (معجزہ کا لفظ نہ تو قرآن کریم میں استعمال ہُوا ہے اور نہ ہی حدیث میں کہیں ملتا ہے) یہ ایک لفظ ہے جو نشاناتِ الٰہیہ کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ ایک طاقت کا اظہار کرتا ہے ۔

معجزات کی کئی قسمیں ہیں ۔ کچھ ہدایت دینے کے لئے اور لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ہوتے ہیں ۔ اور کچھ معجزے تقویت ایمان کے لئے ہوتے ہیں ۔ اُن میں رنج و غم کا پہلو پایا جاتا ہے ۔

حضورؐ کا پہلا معجزہ بھی بصریٰ کے مقام پر درختوں اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا ایک خارق عادت معجزہ تھا ۔ جو ہدایت دینے اور تقویت ایمان کے لئے تھا ۔ ایک دفعہ رسُولِ خُداؐ کی انگلیوں کے درمیان سوراخوں سے پانی پھوٹ کر نکلا اور ایک لوٹا پانی کا بہت سے لوگوں کی ضروریات کے لئے پُورا ہو گیا ۔

تھوڑا سا کھانا تھا جو بہت سے لوگوں نے کھایا ۔ تو یہ اپنی اپنی جگہ معجزات ہیں ۔ اور تائید الٰہی کی مثالیں ہیں ۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا ۔ آپؐ محبت کے مقام پر فائز تھے ۔ لہٰذا جب پہلا معجزہ رونما ہُوا تو آپؐ ایک معصوم بچہ تھے ۔ لڑکپن کی اس عمر میں آپؐ کے چچا ابوطالب بغرض تجارت شام کی طرف جا رہے تھے ۔ آپؐ کا یہ پہلا سفر تھا ۔

چونکہ قریش کا پیشہ تجارت تھا ۔ اس لئے وہ ہر سال بغرض تجارت شام، فلسطین ۔ مصر اور عراق قافلوں کی صورت میں جاتے تھے ۔ تجارت میں اُون اور

کھالیں ہوتی تھیں ۔ سونا ۔ چاندی تو ان کے لئے نہایت کم یاب جنس تھا ۔ تاہم ایک دوسرے کو لُوٹ لینا وہ اپنا قومی حق تصوّر کرتے تھے ۔ چونکہ قریش شروع سے ہی قابلِ تعظیم خیال کئے جاتے تھے ۔ کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے ۔ اس لئے تجارت میں بھی انہیں کچھ سہولتیں میسّر تھیں ۔ اگرچہ آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے جانے کے لئے راضی نہ تھے ۔ تاہم تنہا چھوڑ کر جانے سے بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا ۔ چنانچہ آپؐ روانگی کے وقت ابوطالب سے لپٹ گئے ! اور آنسوؤں سے جانے کی خواہش ظاہر کی چونکہ ابوطالب کو آپؐ کی دل شکنی گوارا نہ تھی اس لئے آپؐ کو ساتھ لے لیا ۔ اُونٹ پر آگے بٹھا کر روانہ ہو گئے ۔

جب بصریٰ پہنچے تو ایک عجیب و غریب واقع پیش آیا ۔ بصریٰ میں ایک خانقاہ تھی ۔ جس کا راہب ایک عیسائی تھا ۔ جب یہ قافلہ حضورؐ کے بابرکت وجود کے ساتھ خانقاہ کے پاس پہنچا تو عیسائی راہب بحیرہ جس کا اصلی نام جرجیسؑ تھا نے دیکھا کہ درخت اور تمام پتھر سجدہ میں گر گئے ہیں ۔ اس نے جھٹ قیافہ لگا لیا کہ اس قافلہ میں وہ نبی ضرور موجود ہے ۔ جس کی آمد کی خبر پہلے نوشتوں نے دے رکھی تھی ۔ چنانچہ اس نے اپنی دُوربین نگاہ سے آپ کو پہچان لیا ۔ اور کہا "کہ یہ سیّد المرسلینؐ ہے ۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جسقدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جُھک گئے ۔ حضرت ابوطالب کو سجدہ ریزی کی اطلاع دی گئی ۔ اور نصیحتاً بھی آگاہ کیا ۔ کہ ایک وقت آئے گا ۔ آپؐ نبوت کا دعویٰ کریں گے اور دُنیا آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گی خصوصاً اہلِ کتاب ۔ پس ایسے وقت میں آپؐ سے درخواست ہے کہ اہل کتاب کے شر سے آپؐ کو محفوظ رکھا جائے ۔

بحیرہ نے آگے بڑھ کر بمطابق پیشگوئی جسمِ اطہر پر وہ نشان بھی دیکھا یعنی آپؐ کی پشت مُبارک پر دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ۔ پختہ یقین کے ساتھ وہ مؤدب ہُوا ۔ اور کہا کہ سیّد المرسلینؐ کی حفاظت آپ کے ذمّہ ہے ۔[۵]

---

۵ ۔ حیاتِ رسالت مآبؐ ص۳۷ ۔

پہلا معاہدہ

حلف الفضول[1]

بعمر ۱۵ سال ۸ ماہ جولائی ۵۸۶ء

عرب قوم جس کا طرۂ امتیاز ہی جنگ ہؤا کرتا تھا۔ بات بات پر لڑنے مارنے پر آمادہ ہو جایا کرتے تھے۔ بڑی بڑی قسمیں کھاتے اور قصاص کے بغیر پیچھے نہ ہٹتے تھے جنگجو قوم چنداں غیر مہذب بھی تھی۔ یہ وہی قوم ہے جس کے بچے ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیتے تھے اور بھیڑیئے کا دودھ پی کر پلتے تھے جن میں ابن حجّاج کی شخصیّت نمایاں ہے۔ چنانچہ ایسی قوم جب کبھی قصاص کا موقعہ ملتا تو خون کے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھاتے کہ لڑ کر مر جائیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ ایسی خصلتوں کی وجہ سے عرب کے لوگ سال کے بیشتر مہینے جنگ وجدال میں ہی گزارتے۔ جب مستقل جنگ وجدال نے ہزاروں کا صفایا کر دیا اور چاروں طرف موت دھاڑنے لگی تو کچھ صحیح الدماغ لوگ ان تباہیوں کے اسباب اور روک تھام پر غور کرنے لگے۔ بنی قیس کو ہار ماننی پڑی۔ اور انہوں نے قصاص سے دست بردار ہو کر خون بہا پر اکتفا کر لیا۔ اور صلح کر لی۔ یہی امن پسندی کا پہلا قدم تھا۔ بعض اشخاص کو یہ خیال پیدا ہؤا کہ باہم مل کر یہ عہد کیا جاوے کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ اور ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور قوی کو ضعیف پر ہاتھ اٹھانے سے باز رکھیں گے۔ چنانچہ کچھ ذی اثر اور صاحب اقتدار لوگ د اتفاق سے جن کے نام فضل سے شروع ہوتے ہیں، آگے بڑھے اور ایک انجمن بنائی۔ جس کے ممبروں نے قسمیں کھائیں اور ظلم کے خلاف ایک مستقل تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک کے محرکوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

فضیل[1] بن حارث۔ فضل[2] بن دواعہ۔ مفضّل[3] بن فضالہ وغیرہ وغیرہ۔

[1] :۔ حیات رسالت مآبؐ ص۳۳

یہ تحریک چند نکات پر مشتمل تھی۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ وہ مظلوموں کی مدد کریں گے اور ان کے حق ان کو دلائیں گے۔ جب تک کہ سمندر میں ایک قطرہ پانی کا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے تو وہ خود اپنے پاس سے مظلوم کا حق دیں گے۔

بعدہٗ حرب فجار کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس حلف کو از سرِ نو تازہ کیا جاوے۔ چنانچہ ان کی تحریک پر عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر سب نے یہ قسم کھائی کہ مظلوموں کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ حضرت نبی کریمؐ بھی اس موقعہ پر موجود تھے اور شریک معاہدہ تھے۔

باقی افراد تو وقت کے ساتھ ساتھ اس معاہدہ سے بے نیاز ہو گئے۔ لیکن سردارِ کائنات ہمیشہ پہلے معاہدہ پر قائم رہے اور اس کی قطعی پاسداری فرمائی۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "یہ تحریک جو مظلوموں کی امداد کے لئے تھی اور غرباء کے حقوق کے لئے جاری کی گئی تھی۔ مجھے ایسی پیاری تھی کہ اگر آج بھی کوئی شخص مجھے اس کی طرف بلائے تو مَیں شامل ہونے کو تیار ہوں۔ گویا غرباء کی امداد کے لئے دوسروں کی ماتحتی بھی آپؐ کو قبول تھی۔ ایک دفعہ بعد از نبوت کا واقعہ ہے کہ آپؐ کے سب سے زیادہ مخالف ابو جہل نے (جس نے مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور جس کی روحانیت مُردہ ہو چکی تھی) کسی سے قرضہ لے رکھا تھا۔ اور قرض خواہ کو تنگ کرتا تھا اور قرض کی ادائیگی سے صاف انکار کر چکا تھا۔ شریروں کو حضرت رسولِ خُدا کو تنگ کرنے کے لئے بہانہ درکار تھا۔ اس شخص کو محمدؐ رسُول اللہ کے پاس حلف الفضول کے مطابق امداد لینے کے لئے روانہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ۔ آپؐ ابو جہل کی خصوصی مخالفت کی بناء پر معاونت سے انکار کر دیں گے تو تحریک حلف الفضول کے خلاف جائیں گے۔ اور اگر ہمت کر کے ابو جہل کے گھر حق دلوانے جائیں گے اور وہ ذلیل کر کے گھر سے نکال دے گا تو تمسخر کا ایک اور موقع ہاتھ لگے گا۔ لیکن خُدا تعالےٰ

کے سچّے نبی کی حفاظت پر خُدا تعالیٰ کے فرشتے معمُور ہوتے ہیں۔ جو آپؐ کو ہر کس و ناکس بچاتے ہیں۔ اسی طرح جب ابوجہل کے خلاف شکایت لے کر وہ شخص آیا تو آ مظلوم کا حق دلوانے کے لئے بلا تامّل اُس کے ساتھ چل دیئے۔ اور ابوجہل دروازے پر دستک دے دی۔ ابوجہل جب باہر آیا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ مح رسُولِ خُدا خود قرض خواہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آپؐ نے اُس کو توجہ دلائی کہ:۔

”تم نے اس شخص کا حق دینا ہے۔ ادا کرو“۔

ابوجہل نے بلا چون و چرا اس کا حق دے دیا۔ اور جب شہر کے دوسرے رؤسا ابوجہل کو ملامت کی کہ بجائے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو ذلیل کرنے کے تم نے اس عزّت قائم کر دی۔ تو ابوجہل نے کہا:۔

”خُدا کی قسم اگر تم میری جگہ ہوتے تو یہی کرتے۔ مَیں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دائیں، بائیں ۲ دو مست اُونٹ کھڑے ہیں۔ جو میری گردن مروڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے مَیں مجبُوراً بلا حیل و حجت حق دینے پر رضا مند ہو گیا“۔

طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ رسُولِ خُدا نے فرمایا کہ عبداللہ جدعان کے معاہدہ کے وقت مَیں موجود تھا۔ اس کے معاوضہ میں بہت سے سُرخ اونٹ کے ملنے کو بھی مَیں پسند نہ کروں گا۔ اگر اس معاہدہ کی رُو سے اسلام میں بھی کوئی مجھے بلا تو اسے ضرور قبول کروں گا۔[1]

پس اس طرح ہر معاملہ میں حلف الفضول کی تحریک پر آپؐ تاحیات عمل فرما رہے۔ پندرہ سال کی عمر میں غرباء اور مظلوموں کی آواز پر لبیک کہنے والا وجود رحمۃٌ للعالمین ہے۔

---

[1] :۔ سیرۃ النبیؐ کامل ص۱۳۱ باب ۲۴۔

سیّدِ وُلدِ آدم کی پہلی بیوی

حضرت خدیجۃُ الکبریٰ

خویلد کی بیٹی حضرت خدیجہؓ وہ پہلی مسلمان عورت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کی اُمّ المؤمنین قرار دیا۔ اُن کی نسل کو قیامت تک کے لئے مکرم و معزز بنا دیا۔ وہ اتنی خوش نصیب عورت تھیں کہ جب خُدا کے رسُولؐ کے عقد میں آئیں تو ایک صاحبِ جمال مالدار بیوہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن جب ایک غریب نوجوان صادق و امین کی رفاقت میں رہیں تو انوار کا ایک مجسمہ بن گئیں۔ آپؐ کے چمکتے ہُوئے انوار سے جو غیر معمولی انعامات انہیں نصیب ہوئے ان میں سے ایک یہ شرف بھی ہے کہ سادات کی نسل آپؓ سے جاری ہو گئی۔

حضرت خدیجہؓ جن کا لقب طاہرہ تھا۔ قصی بن کلاب کی پڑپوتی تھیں۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی جدّی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد ضعیفی کے باعث جب محنت کے قابل نہ رہے اور تجارت کے بکھیڑوں سے گھبرا گئے تو تمام دنیا کے کاروبار حضرت خدیجہؓ کے سپُرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے اور اس طرح حضرت خدیجہؓ بہت مشہُور تاجرہ بن گئیں تھیں۔ ان کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ پہلے پہل یہ شریف النفس عرب کی تاجرہ اپنا مال رسُولِؐ خُدا کو بغرض تجارت دیتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ نفع انہیں ہوتا تھا۔ اگر کسی چیز میں نقص ہوتا تھا تو آپؐ خود ہی اس کو ظاہر کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ گاہک تلاش کر کے آپؐ سے ہی مال خریدتا اسی طرح کی تجارت میں جب آپؐ کی غیر معمولی دیانتداری اور برکت سے بہت فائدہ ہُوا۔ تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے اخلاق سنے متأثر ہو کر خود ہی آپؐ کو نکاح کا پیغام پہنچا دیا۔

نفیسہ ایک قابلِ اعتماد لونڈی تھی۔ جو یہ پیغام لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ اور کہنے لگی۔ "میاں! شادی کے متعلق آپؐ کا کیا خیال ہے؟ جتنی عمر آپؐ کی ہے اتنی عمر میں لوگ کئی بچوں کے باپ ہوتے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "بات یہ ہے کہ میں غریب آدمی ہوں کون مجھے بیٹی دے گا۔

نفیسہؓ نے سُن کر کہا۔ "میاں کسی دولتمند سے شادی کر لو۔" آپؐ نے ہنس کر فرمایا۔ مجھ غریب کو کوئی امیر اپنی بیٹی کیوں دے گا؟ نفیسہ نے جب اپنی مالکہ کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضرت خدیجہؓ کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپؐ نے اپنے چچا کی رائے تک انتظار کرنے کو کہا۔ اور چچا کی اجازت کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

یہ تقریب مبارک تھوڑے سے دنوں میں عمل میں آگئی۔ اور پانچ سَو درہم مہر پر حضرت ابوطالب نے آپؐ کا نکاح پڑھا دیا۔ آپؐ کی عمر اس وقت پچیس[۲۵] سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ چالیس[۴۰] کی تھیں۔ یہ شادی پاکیزگی اور طہارت کی بہترین مثال تھی۔ جو حسنِ نیّت کے نتیجہ میں انتہائی طور پر بابرکت ثابت ہوئی۔

پہلی مسلمان عورت حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری عمر اپنے عظیم المرتبت شوہر کی خدمت میں گزار دی۔ اور اس میں فخر محسوس کیا۔ کہ اپنا مال و جان سب کچھ اللہ تعالےٰ کی راہ پر خرچ کر دیا جائے۔ ان کی قربانی بھی حقیقی تھی۔ اوّل جب بیاہ کر آئیں۔ تو اپنی دُور اندیشی سے اندازہ لگا لیا۔ کہ مال و متاع اپنے رفیق حیات کے قدموں میں ڈال دینے میں ہی سعادت مندی ہے۔ اِس طرح انہیں قربانی کا موقعہ ملا۔ اور رسُولِ خُدا نے وہ تمام مال لے کر حاجتمندوں اور غرباء میں تقسیم کر دیا۔ اور تمام غلام آزاد کر دیئے۔

حضرت خدیجہؓ حق الیقین کے ساتھ اس حقیقت تک پہنچ گئیں کہ میرے شوہر گناہ سے اتنے دُور ہیں جیسے مشرق سے مغرب۔ چنانچہ ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی۔ حضورؐ کے سرد گرم زمانہ میں جان و مال سے ساتھ دیا۔ غارِ حرا میں حضورؐ کو

لہ :- حیات رسالت مآبؐ ص۸۳ ؎

کھانا آپؓ ہی پہنچایا کرتی تھیں۔ حلم و صبر کا پیکر تھیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام نے حضورؐ سے کہا۔ "خدیجہ برتن میں کچھ لا رہی ہیں۔ ان کو خدا تعالےٰ کا اور میرا اسلام پہنچا دیں۔

سبحان اللہ! یہ اُمّ فاطمہؓ ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کا سلام آیا ہے۔ آپؓ نے نکاح کے پچیس برس بعد ۱۱ رمضان المبارک ۱۰ھ نبوی کو، ہجرت سے تین سال قبل انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ[۶۶] سال چھ[۶] ماہ تھی۔ نمازِ جنازہ چونکہ ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس لئے بغیر جنازہ دفن کر دی گئیں۔ لحد میں حضورؐ نے خود اُتارا تھا۔

شعب ابی طالب میں متواتر تین سال کی سختیاں ان کی نحیف و نازک طبیعت برداشت نہ کر سکی اور مکّہ کی متموّل ترین عورت مصائب اور حرارت کے ان ایّام میں صبر آزما حالات سے گزرتے ہُوئے اس حال کو پہنچ گئیں کہ چند دن بعد اپنی جان خدا تعالےٰ کے سپُرد کر دی۔ اور اپنے محبُوب آقا کو تنہا چھوڑ گئیں۔ اس طرح ربع صدی کے بعد یہ پیار و محبّت۔ ایثار و قربانی کا پیوند خدا تعالےٰ کے حکم سے ٹوٹ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

خُدا کے رسُولؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بے حد پیار تھا۔ کہ وفات کے کئی سال بعد ایک دفعہ آپؐ اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت خدیجہؓ کی بہن ھالہؓ آپؐ سے ملنے آئیں۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ہالہؓ کی آواز چونکہ اپنی بہن خدیجہؓ جیسی تھی۔ اس لئے آپؐ کے کان میں پڑتے ہی آپ بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "آہ میرے خُدا یہ تو خدیجہ کی آواز معلوم ہوتی ہے"۔

سرورِ کائنات کے پیار کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضرت خدیجہؓ کا ذکر آتا آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔

جنگ بدر میں جب رسُول خُدا کے داماد ابوالعاص (جو ابھی مشرک تھے) قید ہو کر آئے تو آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے فدیہ کے طور پر اپنے گلے کا ہار اتار کر بھیج دیا۔ یہ وہ ہار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ خُدا کے رسولؐ

نے اس ہار کو دیکھا تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں ۔ آپؐ کی آنکھیں پُر نم ہوگئیں ۔ آپؐ
نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا ۔ اگر چاہو تو خدیجہؓ کی یادگار اس کی بیٹی کے پاس محفوظ رہنے دو
صحابہ کرامؓ نے عرض کی ۔ یا رسُول اللہ! اس سے زیادہ ہمارے لئے کیا خوشی ہے کہ وہ
واپس کر دیا جائے [1]

حضرت ام المؤمنین خدیجہؓ کی قربانیوں کا اثر آپؐ کی طبیعت پر اتنا تھا کہ آپؐ ان
کی نیکیوں کا ذکر اپنی دوسری بیویوں کے سامنے فرماتے ۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ
فرماتی ہیں ۔ "یا رسُول اللہ! آپؐ اس بوڑھی عورت کا ذکر کرتے ہیں کہ مجھے رشک آنے
لگتا ہے" آپؐ نے فرمایا "عائشہ! اس نے مجھے اس وقت قبول کیا جب لوگوں نے
مجھے ترک کر دیا تھا اور اس وقت سہارا دیا جب کوئی میرا پُرسان حال نہ تھا"

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک عظیم احسان ہے کہ ابراہیمؓ کے سوا جو حضرت ماریہؓ کے بطن
سے پیدا ہوئے تھے ۔ رسُولِ خُدا کی باقی اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی
آپؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں ۔ جن میں سے چاروں بیٹیاں حضرت زینبؓ
حضرت اُمّ کلثومؓ ۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں ۔

الغرض وہ آپؐ کی پہلی بیوی ام المؤمنین بہت عظیمہ تھیں ۔ جن کے لئے رسُول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔

"نہیں خُدا کی قسم نہیں ۔ مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی ۔ وہ اس
وقت ایمان لائیں ۔ جب سب کافر تھے ۔ انہوں نے میری اس
وقت تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا ۔ اس نے اس وقت مال
سے میری مدد کی جب .... اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے
اولاد دی" [2]

---

[1] :۔ سیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ ؛ [2] :۔ حیات رسالت مآبؐ صفحہ ۸۶ ؛

پہلا خطاب

صادق و امین

هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدُ اَمِيْنُ ۔ اَمِيْنُ

یہ وہ الفاظ تھے جو ایک بہادر جنگجو قوم نے چلّا کر یک زبان ہو کر کہے ۔ یہ وہ
خطاب ہے جس سے اہل مکّہ نے ایک غریب نوجوان مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
کو نوازا ۔ جبکہ وہ عمر کے اس حصّہ میں تھا جس میں لوگ عموماً راستبازی اور صدق
کو برائے نام ہی جانتے تھے ۔ لیکن یہ نوجوان وہ تھا جس نے صداقتوں کو مانا اور
ان پر عمل کیا ۔ صرف یہی نہیں کہ سچ ٹھیک ہے ۔ بلکہ سچ بولا بھی ۔ یہی نہیں کہ
امانت اچھی بات ہے بلکہ اَمِیْن بن کر دکھایا بھی ۔ ساری قوم نے اس شخص کو
بلاشک وشبہ اَمین قرار دیا ۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اُس کی اصلی جگہ پر
رکھنے کے متعلق قبائلِ قریش میں شدید اختلاف تھا ۔ اور ہر ایک مرنے مارنے
پر آمادہ تھا ۔ اُسی اَمین نوجوان کو جھگڑا نپٹانے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ جب
لوگوں نے اُسے آتے دیکھا تو بے ساختہ بولے ۔ هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدُ
...... اَمِيْنُ اَمِيْنُ ۔ آپؐ نے تمام سرداران سے کہا کہ چادر کے کونے اُٹھا کر
حجرِ اَسْوَدْ کو اپنی جگہ پر لے جائیں ۔ جب چادر دیوار کے اس مقام تک پہنچ گئی تو فخرِ
بنو ہاشم نے اپنے دستِ مُبارک سے پتھر کو اُٹھایا اور اُس کی جگہ پر رکھدیا ۔ پس حجرِ
اَسْوَدْ کے متعلق حَکَم بن کر پہلا پبلک فیصلہ اس بات کی دلیل تھا کہ نبوت کی عمارت کے
کونے کا پتھر آپؐ کے وجود سے اپنی جگہ پر قائم ہوگا ۔ اور اس عظیم الشان فیصلے سے
آپؐ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی مسلّم ہو گئی ۔

اس مقدس انسان نے نہ کبھی جھوٹ بولا ۔ نہ کبھی کوئی لغو کام کیا ۔ اس کا معاملہ
ہمیشہ کھرا ہوتا ۔ جب آپ کسی سے سودا کرتے تو خوش اسلوبی سے اور جب کسی پر

ظلم ہوتا دیکھتے تو تن من دھن سے مظلوموں کی مدد کرتے ۔ جس کا حق ناحق چھینا گیا اس کا حق دلواتے ۔ امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بچپن سے ہی جم چکا تھا ۔ لوگ آپؐ کو مقدس و بزرگ بچہ تصوّر کرتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کو دُعا کیلئے قوم نے استدعا کی تھی ۔ آپؐ کا مقام سچائی میں اس قدر بلند تھا کہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کا نام صِدّیق رکھ دیا تھا ۔ آپؐ کی صداقت کے متعلق ایک بدترین دشمن کی گواہی بھی موجود ہے ۔ اہلِ مکّہ کو یہ خیال پیدا ہؤا ۔ کہ حج کے موقعہ پر لوگ جمع ہوں گے تو عین ممکن ہے کہ آپؐ ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ ملالیں ۔ اس طرح وہ آپؐ سے بدظن کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے ۔ کسی نے کہا ” یہ شاعر ہے “ کسی نے کہا ۔” یہ مجنون ہے “ لیکن ایک نے کہا کہ ہم کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان میں سے ایک مخالف نضر بن حارث بڑے جوش سے کھڑا ہو گیا ۔ اور کہنے لگا مُحَمَّد (صلّی اللہ علیہ وسلم) تمہارے درمیان جوان ہؤا ۔ اس کے اخلاص تم سب سے اچھے تھے ۔ وہ تم سب سے زیادہ راستباز تھا ۔ وہ تم سب سے زیادہ امین تھا ۔ مگر جب تم نے اس کی کنپٹیوں میں سفید بال دیکھے اور وہ تمہارے پاس وہ تعلیم لے کر آیا جس کا تم انکار کر رہے ہو تو تم نے کہہ دیا کہ وہ جھوٹا ہے ” خُدا کی قسم وہ ہرگز جھوٹا نہیں “۔ یہ تھی گواہی جو النضر بن الحارث نے آپؐ کی صداقت پر دی ۔

پس وہ شخص اخلاقِ حسنہ کا منبع تھا ۔ اپنے تجارت کے پیشہ میں بھی امتیازی طور پر سب پر حاوی ہو گیا ۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی امانت و دیانت سے متاثر ہو کر خود رشتہ کی فرمائش کی ۔ آپؐ صداقت و امانت کے اتنے اعلیٰ مقام پر کھڑے تھے کہ آپؐ نے جب ایک دفعہ پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اگر مَیں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے ۔ تو کیا تم یقین کر لو گے ؟ ۔ سب نے کہا ” ہاں ہم مان لیں گے “۔ ایسی حالت میں آپؐ کی بات ماننے کے صاف معنے ہیں کہ وہ اپنی

آنکھوں کو جھوٹا خیال کرتے ۔ حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی لشکر نہیں ہے ۔ لیکن وہ سب اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھنے کے لئے تیار تھے ۔ مگر (نعوذ باللہ) آپؐ کو جھوٹا خیال کرنا ناممکن تھا ۔ آپؐ نے فرمایا :۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ [۱]

کہ مَیں نے تم میں ایک لمبی عمر گزاری ہے ۔ کیا اس وقت میری پاکی ۔ میری نیکی ۔ میری دیانت کے متعلق تمہیں کوئی شبہ ہؤا ؟

اور اب جب مَیں نے اپنی جوانی ایسی پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ تمہارے اندر گزاری ہے ۔ تو کیا مَیں اب بوڑھا ہو کر خُدا تعالیٰ پر جھوٹ بولوں گا ؟ ۔ کیا تم میں اتنی معمولی بات کے سمجھنے کی عقل نہیں ۔

پس آپؐ صادق القول اور صادق العمل تھے ۔ اور وہ خطاب جو قوم نے جوانی میں دیئے وہی حقیقی خطاب تھے ۔ اور وہی آپؐ کی حقیقت تھی ، کیونکہ آپؐ تو اخلاقِ حسنہ کا منبع تھے ۔ اور آپؐ کا سینہ تو بچپن میں ہی نیکیوں کے لئے کھل گیا تھا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے ۔ اور ساری قوم سے راستبازی کا خطاب وصول کر چکے تھے ؛

---

[۱] :۔ سورۃ یونس آیت ۱۷ ؛

پہلا پبلک فیصلہ

حجرِ اَسوَدْ کا نصب کرنا بعمر ۳۵ سال

خانہ کعبہ کی عمارت بوجہ سیلاب بہت حد تک شکستہ ہو گئی تھی۔ اور کچھ حصّہ قریب تھا کہ گر جائے۔ آخر کار فیصلہ ہؤا کہ خانہ کعبہ کو مسمار و تباہ ہونے سے بچانے کے لئے ضروری تعمیر و مرمت کر لینی چاہیئے۔ لیکن کعبہ کو مقدس عمارت خیال کرتے ہوئے ڈھانے کے لئے تیار کوئی نہ تھا۔ اور سب کا عقیدہ تھا کہ جو بھی خانہ کعبہ کو ڈھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے اس فرسودہ عقیدہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی آگے بڑھ کر اس کام کو شروع نہیں کرتا تھا۔

حضرت خالدؓ سیف اللہ کے والد ولید بن مغیرہ نے جو کہ قریش کے معزز سردار تھے آگے بڑھ کر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ چونکہ وہ بہت زیادہ بوڑھے تھے۔ اُن کی رضا کارانہ دلیری دیکھ کر سب خوش ہوئے چنانچہ عمارت کو ڈھانے کا کام مکمل ہو گیا۔ تو قریش مکہ نے مل کر ساری عمارت نئی بنیادوں پر استوار کی۔ تمام سردارانِ قریش اور معزز شہری اس کام کو مقدس خیال کرتے ہوئے اس کی تعمیر کی سعادت میں حصّہ لیتے رہے۔ جب حجرِ اَسوَدْ کو اپنی اصلی جگہ پہ نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ اب ہر قبیلہ یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا کہ حجرِ اَسوَدْ کو وہ نصب کرے۔ ہر سردار نے کہا کہ اس متبرک پتھر کو مَیں اس کی جگہ نصب کروں گا۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ یہ اعزاز مجھ سے چھین لے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر قبیلہ شیر کی طرح بپھر گیا۔ اور جہاں سردارانِ مکہ کے ہاتھ عمارتی پتھر پہ تھے وہ آن کی آن میں تلوار بکف ہو گئے۔ ہر قبیلہ بھول گیا کہ اُس نے حلف الفضول پر دستخط کئے ہیں۔ اور اس عظیم معاہدہ میں شمولیت کوئی معنے نہ رکھتی

تھی۔ آج وہ جنگجو آزاد غیر مہذب قوم پھر خول سے باہر آ گئی۔ جو حلف الفضول نے ان پر رنگ چڑھایا تھا پیالے میں خون بھر کر انگلیاں ڈبونے کا منظر پیش کرنے لگی۔ اور انہوں نے قسمیں کھائیں یا تو اپنا حق لیں گے یا ہمارا بچہ بچہ کٹ کر مر جائیگا۔ بنی عدی بن کعب بن لوئی نے سب سے پہلے عہد کیا۔ چنانچہ ان کا نام "نعقة الدم" یعنی خون چاٹنے والا رکھ دیا گیا۔

قریب تھا کہ کعبہ کی بنیادیں لاشوں سے پٹ جائیں اور دیواریں خون سے رنگین ہو جائیں۔ لیکن ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص کل صبح سویرے خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حقدار ہے۔ اور اس کا فیصلہ سب کو قبول کرنا پڑے گا۔ سب ہی اس تجویز پر متفق ہو گئے اور اگلی صبح کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ تصرف الٰہی دیکھئے سب سے پہلا شخص جو خانہ کعبہ میں داخل ہؤا وہ عبد المطلب سردار قریش کا پوتا اور ابو طالب کا بھتیجا امین و صادق محمدؐ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سب بے ساختہ بول اُٹھے۔ "یہ صادق ہے۔ یہ امین ہے"۔ ہمیں اس کا فیصلہ منظور ہے۔ آپؐ کو آج ساری قوم نے بلاشک و شبہ امین قرار دیا اور منصف جان کر تمام باہمی اختلاف مٹا کر فیصلہ کے منتظر ہو گئے۔ هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ ...... اَمِيْنٌ اَمِيْنٌ کہکر انہوں نے اپنا تمام تر حق اس نوجوان امین کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ مردِ کامل آگے بڑھا اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ دیا کہ یہ چادر ہے تمام سردارانِ قریش چادر کے کونے پکڑ کر حجرِ اَسوَدْ کو اپنی اصلی جگہ لے جائیں جہاں نصب کرنا ہے۔ جب تمام سردار اُسے دیوار کے اس مقام تک لے گئے جہاں نصب کرنا تھا۔ تو فخرِ بنو ہاشم نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر اُٹھایا اور اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پس آج سب کو انصاف دیکر جنگ سے بچانے والے صدیق نے منصفِ اعلیٰ بن کر پبلک کو پہلا فیصلہ دیا۔ اور اسی پہلے فیصلے سے آپؐ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی مسلّم ہو گئی۔

آپؐ کا پہلا دوست

حضرت ابوبکرؓ عبداللہ بن قحافہ

بچپن سے لے کر جوانی تک ہم آپؐ کو دوست کے لحاظ سے دیکھتے ہیں تو آپؐ کا حلقۂ احباب بہت ہی مختصر ہے۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپؐ کی طبیعت تنہائی پسند تھی اور جلوت کی بجائے خلوت کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ اگر کسی میں کمزوری ہوتی تھی تو اُس کو عمدگی کے ساتھ پردہ پوشی سے نصیحت فرماتے تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ خُدا کے رسُولؐ نے فرمایا:۔

نیک دوست اور نیک مجلس نیز بُد دوست اور بَد مجلس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص مُشک اُٹھائے پھر رہا ہو۔ مُشک اٹھانے والا اُس کو کھائے گا تو بھی فائدہ اُٹھائے گا۔ اور اگر رکھ چھوڑے تو بھی خوشبو حاصل کرے گا۔ جس کے ہم مجلس بَد ہُوں گے اس کی مثال ایسے ہے جیسے بھٹی کی آگ میں پھونک مارنا۔ وہ اتنی ہی اُمید رکھ سکتا ہے کہ کوئی چنگاری اُڑ کر اُس کے کپڑوں کو جلا دے یا کوئلوں کی بَدبُو اُس کا دماغ خراب کر دے۔"

مکہ والے سب راگ و رنگ کے دلدادہ تھے اور شاعری کو تو خصوصی توجہ دی جاتی تھی گویا وہ قومی لیڈر خیال کئے جاتے تھے۔ لوگ مشاعروں میں جانا فخر کی علامت خیال کیا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے اوقات شعر و سخن کی محفلوں میں گزارتے تھے۔ لیکن مقدّس نوجوانؐ ہمیشہ ان محفلوں سے بیزاری کا اظہار فرماتا تھا۔

ایسے شغلوں سے ابدی نفرت آپؐ کو غارِ حرا میں لے گئی۔ تاہم انسانی زندگی میں کچھ دوست و احباب کی رفاقت ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نوجوان مُحَمّدؐ کا دوست اچھا اور پہلا حضرت ابوبکرؓ تھے۔ یعنی عبداللہ بن قحافہ جو برسوں آپؐ کے شریکِ صحبت رہے۔

دوسرے دوست حزامؓ بن حکیم تھے جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے بھائی تھے۔ وہ قریش کے بہت معزز انسان تھے۔ حرم کا منصب افادہ انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے۔ اور مخیّر طبیعت کے مالک تھے۔ امیر معاویہ کے پاس دارالندوہ پہنچ کر ساری رقم خیرات کر دی۔[1]

بچپن کا یہ پہلا دوست وہ پہلا آدمی ہے جو بغیر تشریح و تفصیل کے نبوت کی تصدیق کر کے صدیق کا لقب پا گیا۔ آپؐ نے بعثت کے بعد اپنے بچپن کے دوست کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے کچھ تشریح وحی کرنا چاہی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ "کیا آپؐ نے یہ اعلان کیا ہے کہ خُدا تعالےٰ کے فرشتے آپؐ کے پاس آئے اور اُنہوں نے آپؐ سے باتیں کیں؟ اس سوال کا جواب دیجئے اور کچھ نہ کہئے۔ جب آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو ابوبکرؓ نے کہا۔ "گواہ رہیئے میں آپ پر ایمان لاتا ہُوں۔ یا رسُول اللہ آپ تو دلیل دے کر میرے ایمان کو کمزور کرنے لگے تھے۔

"آج حضرت ابوبکرؓ پہلے مسلمان مرد آپؐ کے زیرِ سایہ آ گئے اور مسلّمہ طور پر مقدم اور سابق الایمان قرار پائے۔ آپؐ کو خُدا تعالےٰ نے یارِ غار بھی بنایا۔ نامساعد حالات نے جہاں بھی طول کھینچا حضرت ابُوبکرؓ رسُولِ خدا کے ساتھ سایہ کی طرح نظر آئے۔ صدیق دوست نے جب مالی قربانی کا وقت آیا تو سارا مال لاکر اپنے آقاؐ کے حضور ڈھیر کر دیا۔ اور فخر سے گردن جھکا کر یہی کہا کہ میرے آقا! میرے گھر میں باقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کا نام ہے جو میرے خاندان کے لئے کافی ہے۔"

جب جسمانی قربانی کی ضرورت پڑی تو سانپ جیسے موذی کے ڈسنے پر بھی حرکت نہ کی کہ میرا پیارا دوست بے آرام ہوگا۔ آپ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں شروع شروع میں جو لوگ مسلمان ہُوئے وہ ایسے جلیل القدر اور عالی مرتبہ اصحابؓ نکلے کہ چوٹی کے صحابہؓ میں شمار ہونے لگے۔ ان میں سے حضرت عثمانؓ بن عفان جو بعد میں خلیفہ ثالث ہُوئے

[1]: ۔شبلی ص۱۹۹ باب ۲۰۰

عبدالرحمانؓ بن عوف ۔ سعدؓ بن ابی وقاص اور زبیرؓ بن العوام یہ سب عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ۔ جنہیں حضورؐ نبی پاک نے اپنی زبان مُبارک سے ہی جنّت کی بشارت دے دی تھی ۔ اور آخر میں نہایت جامع اور مکمل عبارت پر اس باب کو ختم کرتے ہیں کہ :۔

" حضرت ابوبکرؓ عارفِ کامل عادۃً حلیم اور فطرتاً رحیم تھے ۔ خاکساری اور انکساری ان کا شیوہ تھا ۔ عفو اور شفقت و رافت ان کا معمول تھا ۔ اور آپؓ کی پیشانی سے نُور ٹپکتا تھا ۔ آپؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ان کی رُوح آپ کی روح سے متحد ہو چکی تھی اور ان پر انہی انوار کا نزول ہوتا تھا جو رسول پاکؐ کے شاملِ حال تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و فیوضِ عظیمہ اُن پر محیط تھے ۔ فہم قرآن اور محبّت نبوی میں انہیں سب لوگوں سے ممتاز طور پر حصّۂ وافر ملا تھا ۔ جب عشقِ حقیقی آپ کے رگ و ریشہ میں اور ہر ذرۂ وجود میں جاگزیں ہو گیا ۔ اور اس کے انوار آپ کے افعال و اقوال ، نشست و برخواست میں نمایاں طور پر نظر آنے لگا ۔ تو آپؓ کو صدیق کا نام دیا گیا ۔ جس کے نتیجہ میں صدق آپؓ کی فطرت میں داخل ہو گیا ۔ اور حق تو یہ ہے کہ آپؓ کا وجود کتابِ نبوت کا ایک اجمالی نسخہ تھا ۔ اور آپؓ اربابِ فضل و کمال کے پیشوا اور انبیاء کی پاک سرشت سے بہرہ یاب تھے " ؎

20/10/91

پہلی عبادت گاہ

غارِ حرا

چھٹی صدی عیسوی میں مکّہ میں یہ حالت تھی کہ بُت پرستی عروج پر تھی اور گرد و پیش سارے کا سارا کفر و شرک سے بھرا ہوُا تھا ۔ تین قومیں جو آباد تھیں وہ اپنی اپنی جگہ شرک و بت پرستی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہی تھیں ۔ عیسائی تو خدا کا بیٹا ہی بنا چکے تھے ۔ تین خدا بنا کر شرک کی زنجیروں میں جکڑے گئے تھے ۔ یہودی بھی " عزیر ابن اللہ " کہہ کر شرک میں شامل ہو چکے تھے ۔ اور کفّارِ مکّہ نے تو خُدا کے گھر کو بتوں سے بھر دیا ہوُا تھا ۔ آپؐ ایسی قوم میں پیدا ہوُئے جس کا کوئی مذہب نہ تھا ۔ کوئی وحی نہ تھی اور کوئی شریعت نہ تھی ۔ وید ۔ تورات اور انجیل ان کے نزدیک کوئی الہامی کتاب نہ تھی ۔

محمدؐ رسولِ خُدا کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آپؐ کے پاکیزہ و مطہر قلب میں بدی کے مقابلہ کی اس قدر تڑپ دکھائی دیتی ہے کہ جس کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی ۔ آپؐ ابھی نبوت کے مقام پر فائز نہیں تھے کہ آپؐ کے دل میں دنیا کی بے چینی اور گناہ آلود زندگی سے شدید نفرت پیدا ہو گئی ۔ اور آپؐ نجات کے متلاشی رہنے لگے ۔ آپؐ نے فطری جذبہ کے مطابق اس رستہ کی تلاش شروع کر دی ۔

چونکہ توحید سے محبت اور شرک سے نفرت آپؐ کے اندر ہی موجود تھی اس لئے آپؐ نے لوگوں کی مجالس میں شرکت سے پرہیز شروع کر دیا ۔ جو دن رات بتوں کی پرستش کرتے تھے ۔ ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ آپؐ کسی تنہا جگہ تشریف لے جائیں اور خُدائے واحد سے مدد طلب کریں ۔ تاکہ اُس کی طرف سے ہدایت کے سامان پیدا ہوں ۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے جو مکّہ سے تین میل دُور ہے ۔

غارِ حرا وہ بابرکت غار ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس مقدس جگہ پر آپؐ کی فطرت کے پاک نور پر ایک نور نازل ہوا۔ جس سے آپؐ نہایت درجہ روشن اور نورٌ علیٰ نورٌ ہو گئے۔ آپؐ کا وجود مبارک مجمع الانوار بن گیا۔ اسی غار میں آقائے دوجہاں اپنے پیدا کرنے والے خدائے یگانہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور سنّتِ ابراہیمی علیہ السلام کو زندہ رکھتے۔ کئی کئی دن خدا کی یاد میں صرف کر دیتے۔ روح کی ارتقائی منزلیں آپؐ نے اسی غار میں طے کیں۔ آپؐ کی ہمدرد و غمگسار بیوی بھی آپؐ کے پاس جاتی تھیں۔ چند ایّام کا کھانا۔ ستّو۔ کھجوریں اور سوکھا گوشت لے جاتی تھیں۔ جس دن آپؐ کو رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اس دن حضرت خدیجہؓ آپؐ کے ساتھ نہ تھیں۔

آپؐ اتنا تو جانتے تھے کہ خُدا ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہیئے۔ لیکن خُدا تک پہنچنے اور معرفت کے حصول کا رستہ کونسا ہے۔ یہ آپؐ کو معلوم نہ تھا۔ لہٰذا اس کی تلاش میں وہ ایک دُکھی۔ بے چین دل لے کر تنہا کوہِ حرا پر چلے جاتے وہاں جاکر صرف آپؐ سوچتے ہی نہیں رہتے تھے۔ بلکہ سنّتِ ابراہیمی کے خدائے واحد کو پکارتے تھے اس سے راہنمائی طلب کرتے تھے۔ پس وہ پیدا کرنے والا خالقِ حقیقی آپؐ کو یہاں غارِ حرا میں ایک دن مل گیا۔ خُدا کا چہرہ دیکھتے ہُوئے نبوت کی پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھا۔ اور آفتاب ہدایت کی ضیاء باریوں سے منور ہو کر اس مقدس غار میں سے نکلے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آیا اور اقلیم روحانیت کا تاج آپؐ کے حوالے کیا۔ یہ وہ تخت ہے جہاں روحانیت کا تاجدار پہلے دن بیٹھا تھا اور چالیس سال میں کئی سال مہینے، ہفتے اور دن بیٹھا رہتا تھا۔ سبحان اللہ آج جب آپؐ غار میں تشریف لائے تو محمدؐ بن عبداللہ تھے۔ لیکن جب غار سے باہر نکلے تو مُحَمَّد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مقصود کائنات تھے۔

پہلی عبادتِ ابراہیمی

ابراہیمی سنّت کو زندہ رکھنا

رسُول خُدا پیدا تو ایک مشرک گھرانے میں ہی ہوئے تھے۔ اور پرورش بھی آپؐ نے ایک مشرک گھرانے میں ہی پائی تھی لیکن شرک سے بیزاری و نفرت آپؐ کے اندر موجود تھی۔ اس لئے توحید سے پیار اور شرک سے آپؐ کو قطعی نفرت تھی۔ آپؐ کی فطرت یہ کہتی تھی کہ اس کارخانۂ عالم کو پیدا کرنے والا ایک خُدا ضرور ہے۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی رازق ضرور ہے۔ کوئی مالک ضرور ہے اور کوئی خالق بھی ضرور ہے لیکن ہے کہاں یہ انہیں معلوم نہ تھا؟ اس کے لئے وصال کا کیا ذریعہ ہے؟ کس راستہ سے چل کر اس مالکِ ارض وسماء سے ملوں۔ اس تڑپ نے آپ کو بے چین و مضطرب کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے چچا زید بن عمرو جنھوں نے زمانۂ جاہلیت میں ہی شرک چھوڑ دیا تھا جو اپنے آپ کو شرک کے خلاف ایک بڑے مقام پر سمجھتے تھے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے گفتگو کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "آؤ کھانا کھاؤ"۔ زید نے کہا "مَیں مشرکوں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا کرتا"۔ یہ سُنکر آپؐ نے فرمایا۔ "مَیں نے بھی شرک کبھی نہیں کیا"۔ اور یہ بات پیدائشی طور پر آپؐ میں تھی۔ اور یہی تڑپ آپ کو خلوت کی وادی میں لے گئی۔ یہی تڑپ اور جستجو آپؐ کو کئی کئی دن بیدار اور بھوکا رکھتی تھی۔ آخر آپؐ نے غارِ حرا میں آنکھوں کے آنسوؤں سے اپنی قوم کی اخلاقی اور عائلی کوتاہیوں کو دھو ڈالا۔ بلکہ ساری دُنیا کی تباہی و بربادی کا علاج تلاش کر لیا۔

گو عرب کی سرزمین میں اور بھی خدا تعالےٰ کے کچھ بندے تھے جو اپنے رب کی محبّت میں اور اس کے پیار کے لئے تڑپ رہے تھے۔ وہ بھی آرزو رکھتے تھے۔ کہ ہمارا خُدا ہم سے ملے۔ اس کا وصال ہمیں میسّر آجائے۔ اس کی محبّت کی گود میں

جا بیٹھیں۔ اُس کی پیاری آواز ہمارے کانوں میں آئے۔ لیکن وہ بے بس تھے۔ کوئی راستہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ان میں تڑپ تو موجود تھی مگر تڑپ کا علاج مفقود تھا۔ لوگ جو اپنی اپنی جگہوں پر خُدا کی رضاء میں ٹملا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی ابوبکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ کوئی عثمانؓ تھا اور کوئی علیؓ تھا۔ کوئی زیدؓ تھا اور کوئی طلحہ تھا۔ اور زبیرؓ تھا۔ یہ سب لوگ خُدا کی محبت میں گلے جا رہے تھے۔ ان کے دل بریاں اور ان کی آنکھیں گریاں تھیں اس لیئے کہ ان کا محبُوب انہیں مل جائے لیکن خدا تعالیٰ نے جو ہیرا چُننا تھا وہ چُن لیا۔

مکہ میں عیسائی بھی موجود تھے۔ یہودی بھی موجود تھے۔ اور یہ دونوں قومیں وہ ہیں جن کے پاس خُدا کا کلام تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ تھی۔ اور محمدؐ رسولِ خُدا کی یہ حالت تھی۔ کہ آپؐ کے پاس خدا کا کلام نہ تھا۔ لیکن خُدا کے عشق میں گھلے جا رہے تھے۔ جب خُدا تعالٰے نے دیکھا کہ میرا بندہ میرے قریب ہونا چاہتا ہے۔ مگر اسے قرب و وصال کے راستوں کا علم نہیں تو خدا تعالٰے نے آپؐ پر شریعت نازل فرما دی۔ اور اس طرح وہ تمام راستے آپؐ پر منکشف ہوگئے جو وصالِ خدا کے تھے۔ اور اس طرح شریعت رکھنے والا وجود خاتم النبیّین بن گیا۔ اور اکملت لکم دینکم...... کہکر خدا نے شریعت آپؐ پر ختم کردی۔ اور قیامت تک بند کردی۔

اقرأ وربّك الاکرم کہہ کر فرمایا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ اور خدا تعالیٰ کا حق اسے دلا دے۔ دنیا نے اللہ تعالےٰ کی شان کو نہیں پہچانا۔ اس نے خدا کا حق کچھ بتوں کو دے دیا۔ کچھ انسانوں کو۔ اب تیرا یہ کام ہے کہ تو دنیا پر خُدا کے اکرام ہونے کی شان کو ظاہر کرے۔ تا آستانۂ الوہیئت سے بھولی بھٹکی مخلوق پھر اس کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور اس کی شان تسلیم ہونے لگے۔ آمین یا ربّ العٰلمین

بعد از نبوّت

پہلی وحی

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ط

پہلے اور سچے بول یہ ہیں جن کے ذریعے خالق و مخلوق کا تعلق آپس میں قائم ہُوا۔ اور انہی آیات کے ذریعہ انسانی پیدائش کا مقصد پُورا ہُوا۔ اور انسان کو اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہُوا۔ اور انہی آیات کے ذریعہ وہ قیامت تک ہدایت پاتی رہے گی۔ جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر میں مقصودِ کائنات پر نازل ہوئی تھیں۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں جو وحی نازل ہوئی وہ رویاء صادقہ کی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے وہ ایسے واضح رنگ میں پُوری ہو جاتی جیسے فجر طلوع ہوتا ہے۔ اِس کے بعد رسولِ خُدا کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ آپؐ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ رسولِ خُدا کو خلوت میں عبادت کرنے سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ بے چین و بے قرار دل دنیا کی گناہ آلود زندگی سے نالاں کئی کئی راتیں اور کئی کئی ہفتے غارِ حرا میں عبادت میں گزار دیتا کہ شاید دنیا کے لئے نجات حاصل ہو جائے۔

اس غار میں ایک دن آپؐ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ یکایک بجلی کی مانند ایک تیز روشنی نے آنکھوں کو چندھیا لیا۔ وہ شاہِ کونین جنہوں نے اپنے پیارے وجود کو اور اس کی تمام طاقتوں اور کمالات کو خُدا کے سپُرد کر دیا ہُوا تھا۔ ایک غیر مانوس ہستی کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپؐ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان نورانی پیکر

زمین و آسمان کے درمیان نُور کے تخت پر متمکن ہے۔ اس نُورانی ہستی کے بغیر اس کے کوئی تحریر پیش کرے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اِقْرَأْ۔ اِقْرَأْ یعنے پڑھ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔ مَیں تو پڑھ نہیں سکتا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اس نے مجھے پکڑا اور بھینچنا شروع کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ اس نے مجھے بھینچا اتنا بھینچا کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہو گئی۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھ۔ مَیں نے کہا کہ مَیں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے تیسری بار مجھے بھینچا اور یہاں تک کہ میری طاقت ختم ہو گئی اور اس نے کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ ..... عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔

پس پہلے دن ہی پہلی وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت کا اعلان کر دیا۔ اس میں وہ تمام مفہوم آ گیا جو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں بیان کیا گیا ہے۔

"یعنی اُٹھ اور اعلان کر دے کہ مَیں اس خدائے واحد کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہُوں۔ جس کا علم مجھے حاصل ہے اور جو صحیح اور سچّا علم ہے۔ میں اُس کے نام پر تمہیں اُس کی واحدانیت پر ایمان لانے کا پیغام دیتا ہُوں۔ اگر تم میری بات کو نہیں مانو گے تو اللہ تعالیٰ کے حضور مجرم و گنہگار قرار پاؤ گے۔ کیونکہ میں اُس کا رسول ہُوں اور اس کے نام پر کھڑا ہوا ہُوں۔ مجھے کہا گیا ہے کہ مَیں اس تعلیم کو چھپا کر نہ رکھوں بلکہ دنیا میں پھیلاؤں اور ہر فرد کے کان تک اس کی آواز کو پہنچاؤں"۔

درحقیقت رب ایک ایسی ذات ہے جس کو مشرک بھی جانتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی اس کے متعلق ایمان رکھتے ہیں۔ مگر وہ سب اپنے رب کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے۔ مثلاً مشرکین یہ کہتے تھے کہ لات و مناۃ اپنے اندر خدائی طاقتیں رکھتے ہیں۔ عیسائی تو عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ہی قرار دے کر بیٹھ گئے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے غارِ حرا کی عبادت سوز و گداز تڑپ اور اضطراب کے جواب میں شرک کو رد کرتے ہُوئے حقیقی رب کا چہرا دکھا دیا۔ اور فرمایا کہ بیشک وہ خدا جس کی حقیقت کو تُو نے سمجھا ہے خالقِ حقیقی ہے

پس پہلی وحی رحمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور پہلی نعمت ہے جس سے انہیں حصہ عطا فرمایا۔ یہ آیات قرآن کریم کے لئے بمنزلہ بیج اور گھٹی کے ہیں۔ ان کی عظمت و اہمیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ یہ آسمانی فرشتہ جسے رُوح القدس بھی کہتے ہیں۔ یہ آیات پڑھتا رہا۔ اور آپ سرورِ کائنات سخت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں ساتھ ساتھ پڑھتے رہے۔ فرشتہ غائب ہو گیا۔ مگر رسُولِ خُدا کا دل تڑپ رہا تھا۔ واللہ اعلم۔ یہ کیا معاملہ ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (مجھ پر کپڑا ڈال دو) حضرت خدیجہؓ اپنے محبوب خاوند کی یہ حالت دیکھ کر گھبرائیں اور جلدی سے اپنے جسم سے چادر اتار کر آپ کو اڑھا دی اور آپ لیٹ گئے۔ جب ذرا قدرے سکون ہُوا تو آپ نے سارا واقعہ سنایا۔ اور فرمایا "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ" یعنے مَیں اپنے نفس کے متعلق ڈرتا ہُوں۔ مَیں ڈرتا ہُوں کہ اتنا عظیم کام مَیں سرانجام دے سکوں گا یا نہیں؟ حضرت خدیجہؓ بولیں میرے محترم! نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خُدا کی قسم خُدا آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ آپ متردد نہ ہوں خدا تعالےٰ آپ کو رُسوا نہیں کریگا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صادق القول ہیں اور لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں اور حق کی باتوں میں لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں۔ وہ قطعی مطمئن تھیں کیونکہ وہ حضورؐ کے محامد کو دیکھتیں اور دل میں خوش ہُوا کرتی تھیں۔ کہ خدا نے کیسا بے نظیر انسان پیدا کیا ہے۔ جو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہے۔ اس لئے ایسے موقعہ پر حراساں نہ ہوئیں بلکہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل نے جب ساری کیفیت سُنی تو کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ اور اس طرح انہوں نے نبوت کی تصدیق کر دی[1]۔

درحقیقت ان پہلی آیات مبارکہ میں ہی خُدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ ہی خاتم النبیین کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے والے ہیں۔ اور روحانی نکتۂ نگاہ سے آپ کے اندر ایسی کامل قوتیں رکھی گئی ہیں جو اس سے پہلے نہ کسی نبی کو ملی تھیں اور نہ ملیں گی۔

---

[1]: شبلی حصہ اوّل صفحہ ۲۰۶

پہلا تصدیق کرنیوالا شخص

ورقہ بن نوفل

ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ رضؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ جو شرک و بُت پرستی سے بیزار ہو کر عیسا
ہو چکا تھا۔ بظاہر اسے عیسائیت میں ہی شرک سے دُوری نظر آئی۔ کیونکہ عیسائی اہل کتاب ت
گو وہ الہامی کتاب کی طرف مائل نہیں تھے۔ اور ایک خُدا کے سوا تثلیث کے قائل ہو چکے
تھے۔ تاہم وہ بت پرست نہیں تھے۔ ایسی صورت میں جہاں بھی روشنی نظر آ
سعید طبائع حق کی تلاش وہیں سے شروع کر دیتیں۔ گو کہ راستہ بعض اوقا
غلط اختیار کر لیتیں۔ کچھ ایسا ہی حال ورقہ بن نوفل کا تھا۔ وہ صحفِ انبیا
سے بخوبی واقف تھا۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ بت پرستی اور عناصر پرستی کی اندھیر
راتوں سے تنگ آکر آفتابِ ہدایت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس نے خواب
غفلت سے بیدار ہو کر جو دیکھا۔ تو پتھر کے بت محض لاشے تھے جن میں وہ گھر
ہوا تھا۔ وہ بیزار ہوا اور عیسائیت کا پرچار بھی شروع کر دیا۔

ادہر غارِ حرا میں جب اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے اور سوز و گداز میں رات
دن بسر کرتے ہوئے حق کے متلاشی کو خالقِ حقیقی کا سراغ مل گیا۔ اور رسالت کی
بھاری ذمہ داری خداوندِ عالم خالقِ حقیقی نے آپؐ کے کندھوں پر ڈال دی۔ ذمہ دا
کے خوف سے آپؐ کا وجود کانپنے لگا۔ آپؐ گھر تشریف لے گئے۔ اور حضرت خدیج
سے کچھ توقف کے بعد سارا واقعہ بیان فرمایا۔ سننے کے بعد انہوں نے آپؐ کو
تسلّی دی۔ اور کہا کہ

"اے عظیم الشّان اوصاف رکھنے والے مردِ کامل! خُدا تجھے ضائع نہیں
کرے گا"!

اور مزید تسلّی و تشفی کے لئے وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تا کہ

وہ اپنے علم کی روشنی میں کچھ حقیقتِ حال سے آگاہ کرے۔ ورقہ بن نوفل سے
حضرت خدیجہ رضؓ مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ بھائی! آج تمہارے بھتیجے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔ ذرا سُن کر تفصیلی طور پر آگہی کرو۔
ورقہ بن نوفل بہت فہم و ذکا کا مالک تھا۔ اُس نے رسُولِ خُدا سرورِ کائنات سے
خود سارا واقعہ سُنانے کو کہا۔

"آپ نے فرمایا کہ آج جبکہ مَیں غارِ حرا میں بیٹھا خُدا کی یاد میں محو تھا۔ مَیں
نے ایک عظیم الشّان نورانی وجود دیکھا۔ جو آسمان و زمین کے درمیان معلق
تھا۔ ابھی میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نیچے اترا اور تین مرتبہ مجھے
اپنے سینے سے بھینچ کر کہنے لگا۔ کہ "پڑھ" جس کا مَیں نے بار بار یہی
جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ لیکن اس نے پھر کہا کہ "پڑھ اس
خُدا کا نام لے کر جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا ہے"...... بعدہٗ
وہ گم ہو گیا۔

تو بوڑھے فاضل نے بھانپ لیا۔ کہ یہ فرشتہ وہی ہے جو موسیٰؑ پر ظاہر ہوا تھا۔
اور کہنے لگا۔ "محمدؐ تم اس زمانہ کے زیادہ خوش نصیب انسان ہو۔ مَیں تمہیں نبوت و
رسالت کی مبارکباد دیتا ہُوں۔ جو نورانی پیکر تمہیں دکھائی دیا ہے وہی ناموس اکبر
ہے۔ اور جو کلمات اس فرشتے نے تمہیں سکھائے ہیں۔ خدا کی قسم وہ خدا کے مُنہ
سے نکلی ہُوئی باتیں ہیں۔ اے میرے بھتیجے! کاش مَیں اس وقت زندہ ہوتا جب
تم کو تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکال دے گی۔ تو مَیں اس مصیبت میں ضرور تمہاری
مدد کرتا۔ گو بظاہر حالات پُر امید نہیں ہیں۔ کیونکہ مَیں بوڑھا ہو گیا ہُوں! ہاتھ
پاؤں شل ہو چکے ہیں۔ بصارت جواب دے چکی ہے۔ شاید چھ مہینے برس میں
مرجاؤں۔

سیّد وُلد آدم نے حیران ہو کر پُوچھا اَوَ مُخْرِجِی ھُمْ (کیا میری قوم مجھے
نکال دے گی؟) مَیں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ سارے مکّہ میں ایک بھی ایسا نہیں

جو میرا مخالف و دشمن ہو پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میری قوم ایسا کیوں کرے گی
ورقہ بن نوفل! زمانہ شناس انسان مسکرایا اور کہنے لگا "ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ جب کسی انسان نے ایسی بات کہی جیسی تم کہہ رہے ہو۔ تو اُن کی قوم نے ضرور اس سے دشمنی مول لی۔ اور سخت سے سخت تکلیفیں دیں اور بالآخر اسے اور اس کے ماننے والوں کو وطن سے نکال دیا۔ اچھا خدا حافظ خُدا تعالیٰ تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے"۔

پس ورقہ کا تصدیق شدہ انکشاف رسالتِ حضرت رسُولِ کریم اور حضرت خدیجہؓ کے لئے مبارکباد اور پریشانی کے دو دھارے تھے۔ جو ایک ساتھ ان کے دل میں چلے گئے۔ ذمہ داری کی فکر و پریشانی نے آپ کو غمگین کر دیا۔ کیونکہ ورقہ بن نوفل علم دوست اور زمانہ شناس انسان تھا۔ گو کہ وہ نابینا تھا مگر روحانی بصارت ضرور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کیسے عمل میں آئی۔ عیسیٰ علیہ السّلام کو مہاجر ہونا پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام مہاجر نبی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام ہجرت پر مجبُور کئے گئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو وطن سے دھکیل کر سمندر کی موجوں کی نذر کر دیا گیا تھا۔ الغرض ہر نبی کی زندگی اس کے سامنے تھی۔ ان کے مصائب و قربانیاں بھی اس کے علم میں تھیں۔ اس لئے اس نے رسُولِ خُدا محمدؐ کی ذات پر نُور کا نزول سُنا تو اسے الٰہی پیغام کی عظمت سے آپؐ کے لئے مصائب و تکالیف کا اندازہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ جتنا بڑا عظیم پیغام تھا اتنا ہی بڑا مصائب کا پہاڑ تھا۔ جو ایسے لاثانی وجود کے لئے مقدر تھا۔

پس ورقہ بن نوفل ہی پہلا شخص تھا جس نے پہلی وحی سے رسالت کا پیغام پڑھ لیا۔ اور آپ کو خوشخبری دی۔ کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور مقصودِ کائنات ہیں ؛

پہلا مُسلمان مرد

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ
۵۷۲ء تا ۶۳۴ء

خود ایک غار میں رہ کر خلق خُدا کے لئے روشنی تلاش کرنے والی عظیم ہستی جب نورِ ایمان لے کر مخلوق کی طرف آئی تو سب سے پہلا مرد جس نے اس روشنی کو اپنے دامن میں سمیٹا وہ حضرت ابو بکرؓ تھے۔ حضرت ابو بکر ممتاز قبیلہ بنی تمیم کے ایک امیر و کبیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اصلی نام عبداللہ تھا اور کنیت ابو بکر لقب عتیق تھا۔ عمر کے لحاظ سے وہ رسولِ خُداؐ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ نیک طینت و پاک سیرت کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا شرف ان کو حاصل ہو گیا تھا۔ حضور کی بعثت سے پہلے ہی یہ وجود ان اشخاص میں کھڑا تھا جو شرک سے نفرت کرتے تھے۔ جن میں پیدائشی طور پر نیکی و تقویٰ موجود تھی۔ وہ بھی آرزومند تھے کہ ہمارا خُدا ہم سے مل جائے۔ ہمیں بھی اُس کا وصال میسّر آ جائے۔ لیکن وہ سب بے بس تھے۔ کوئی راستہ ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنے کی خواہش تو ان میں موجود تھی۔ لیکن اس خواہش کا علاج انہیں معلوم نہ تھا۔ اس خواہش کی تڑپ رکھنے والوں میں کوئی حضرت ابو بکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ اور کوئی عبیدہؓ تھا۔ کوئی علیؓ تھا اور کوئی طلحہؓ و زبیرؓ تھا۔ اور کوئی زیدؓ و بلالؓ تھا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ کی تڑپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے نواز لیا۔ اور جب وہ ایک دن مکّہ کے ایک رئیس کے گھرانے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لونڈی نے آکر کہا کہ مُحَمَّدؐ کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایک نبیؐ اور اچنبا سی بات کہتے ہیں۔ محمدؐ کی بیوی اپنے رشتہ داروں کو یوں بتا رہی تھی "میرے شوہر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے نبی ہیں ۔ جیسے کہ حضرت مُوسیٰ علیہ السَّلام تھے ۔" وہ لونڈی یہ بجھارت سمجھ بیٹھی اور ازراہ حیرت حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھاگی بھاگی آئی اور استفسار کیا کہ اے ابوبکرؓ تمہارے دوست کا کیا ماجرا ہے ؟ حضرت ابوبکرؓ حضرت رسولِ خُدا کی طبیعت سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اس لئے سیدھے وہاں سے اُٹھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہ آ دستک دی ۔ خُدا کے سچّے رسولؐ نے دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا ۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پوچھا ۔ کیا آپؐ نے کوئی دعویٰ کیا ہے ؟ ۔ آپؐ چونکہ نکتہ رس تھے فوراً چاہا کہ دلیل دے کر ایک لطیف پیرایہ میں اپنی بات بیان فرمائیں تاآنکہ سُننے والے شخص کو اجنبیّت معلوم نہ ہو آپؐ چاہتے تھے کہ کہیں دوست شک میں اُلجھ نہ جائے ۔ مگر دوست چونکہ صدیق تھا تصدیق کرنے کے لئے ہی آیا تھا ۔ بیقراری سے کہا میرے سچے دوست خُدا کے لئے مجھے دلیل نہ دیں ۔ میرا امتحان نہ لیں بلکہ فقط یہ فرمائیں کہ آپؐ نے ایسا دعویٰ کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ! اللہ تعالےٰ نے مجھے دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور شرک مٹانے کا حکم دیا ہے ۔ اس رُوئے زمین پر پہلے مسلمان مرد خدا تعالیٰ کی پہلی وحی پر ایمان لانے والے اور ایک سے دو کرنے والے نے باآواز بلند پکار کر کہا :۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

آج خُدائے واحد ولاشریک کو ماننے والے ایک سے دو ہو گئے ۔

موتی تو دونوں ایک ہی صدف کے تھے ۔ مگر مقام خدا تعالیٰ کی جناب میں الگ الگ تھا ۔ اگر ایک دنیا کا نجات دہندہ تھا تو دوسرا آپؐ کا پکا دستِ راست تھا ۔ حقیقت میں جو کام رسولِ خدا کے سپرد تھا وہ اتنا مشکل تھا کہ اکیلا شخص اُٹھانے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا ۔ ساری دنیا کی اصلاح کرنا ۔ ساری دنیا کو اسلام میں داخل کرنا اور ساری دنیا کے عیوب کا قلع قمع کرنا ۔ یہ سب اتنے دشوار کام تھے کہ خدا تعالےٰ نے دنیوی اسباب میں سے ایک راستباز دوست ۔ عظیم مشیر ۔

جانثار ، متبع اور سچّا غمخوار بھی ساتھ ساتھ ہی عطا فرما دیا ۔ جب غارِ حرا میں سے آپؐ اکیلے نورِ ایمان لے کر باہر تشریف لائے تو جو سایہ ایک مسلمان مرد کا زمین پر پڑا وہ سایہ بڑھ کر ایک سچی مونس و غمخوار محبُوب رفیقۂ حیات تک جا پہنچا ۔ پھر وہ سایہ قربانی و ایثار کی تصویر سے آگے بڑھا اور اتنا لمبا ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ تک جا پہنچا ۔ اور اس طرح وہ سایہ بڑھتا ہی چلا گیا ۔ یہاں تک کہ آج ہمیں بھی اسی سایہ نے اپنے دامن میں جگہ دی ۔ الحمدللہ ۔

حضرت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت ابوبکرؓ سے بہت زیادہ محبت تھی آپؐ ہمیشہ اِن کی دوستی اور قربت کو پسند فرماتے تھے ۔ اور آپؐ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ خیال کرتے تھے ۔ وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا ۔ اس میں فرمایا ۔" مَیں خدا تعالےٰ کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہُوں کہ تم میں سے کوئی میرا دوست ہو کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا دوست بنا لیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے اپنا دوست بنا لیا تھا ۔ اگر مَیں اپنی امّت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا ۔

صحابہ کرامؓ نے ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا تھا یا رسُول اللہ ! آپؐ کو دنیا میں سب سے زیادہ کس سے پیار ہے ؟ آپؐ نے فرمایا ۔ عائشہ سے "۔ صحابہ کرامؓ نے پھر عرض کیا ۔ یا رسُول اللہ مردوں میں سے ۔ تو جواب دیا ۔ اَبُوْهَا یعنی ان کے باپ سے ۔ سُبحان اللہ ! کیسی بے پایاں محبت نصیب تھی ، حضرت ابوبکرؓ کو کہ اس سے پہلے کسی امتی کو نصیب نہیں ہوئی ۔

حضرت ابوبکرؓ بہادر بھی بہت تھے ۔ انہوں نے ہمیشہ کٹھن گھڑی میں اپنے محبُوب دوست کا پہرہ دیا اور ہمیشہ ایک دلیر اور جرّی کی طرح مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت حضرت ابراہیمؑ سے ملتی جلتی تھی اور سوز و گداز کا مادہ آپؓ میں بہت تھا ۔ آپؓ اکثر و بیشتر تلاوت قرآن مجید خوش الحانی اور سوز سے کیا کرتے تھے ۔ جب صبح اُٹھتے تو جہری تلاوت نہایت رقّت سے کرتے جبکہ

آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ۔ عورتیں اور بچے اس نظارہ کو دیکھتے تو اکٹھے ہو جاتے اور بہت توجہ اور انہماک سے سنتے کہ ابوبکرؓ کیا پڑھ رہے ہیں ۔ ایک طرف وہ حضرت ابوبکرؓ کی گریہ وزاری اور آنسوؤں کو دیکھتے اور دوسری طرف اس پاک قرآنی تعلیم پر غور کرتے تو بے اختیار ان کے دل وزبان کہہ اُٹھتے کہ سبحان اللہ کیسا ارفع کلام ہے اور یہ تأثر روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا ۔ نازک طبائع تو قرآن مجید کے سوز سے ہی متأثر ہو جاتی تھیں ۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا اندازِ تلاوت اپنے اندر ایک سوز ایک عشق اور ایک ترنم رکھتا تھا ۔ یہانتک کہ مکّہ والے خائف ہو گئے کہ ہماری عورتیں اور بچے حضرت ابوبکرؓ کے قرآن کی تلاوت سے مائل بہ اسلام ہو جائیں گے ۔

حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت میں اغنیاء اور سیر ی بھی جس حد تک تھی اس کی مثال ہی تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں صرف اللہ اور اُس کے رسُولؐ کا نام باقی رکھ آتا تھا ۔ باقی تمام مال ومتاع لاکر اپنے آقاؐ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا تھا ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے مال سے بڑھ کر مَیں نے کسی کے مال سے فائدہ نہیں اٹھایا ۔ آپؓ نے خلافت پر قدم رکھتے ہی دستور اساسی قوم کو دیا ۔ اور جمہوریت کی ایسی بینظیر مستحکم بنیاد ڈالی جو قیامت تک ان کو زندہ رکھے گی ۔ ان کی راہ میں کئی سیاسی الجھنیں آئیں بھی ۔ مثلاً فتنۂ ارتداد ۔ زکوٰۃ کی وصولی کا انکار مگر آپؓ نے ہر مقام پر بے خوف سپاہی ۔ تجربہ کار اور واقفِ راز قیادت کا ثبوت دیا ۔ پس حضرت ابوبکرؓ وہ پہلا ستون تھے جو اسلام کی حجت کے لئے کھڑا کیا گیا تھا ۔ خدا تعالیٰ نے جب اپنے پیارے محبوبؐ کو غارِ حرا میں ایک ذمہ داری سونپی تو وہ محبوب اس ذمہ داری کے بوجھ سے بے سکت ہو گئے ۔ کیونکہ جو کام فرشتے نہ کر سکے ۔ وہ ایک کمزور اکیلے شخص کے کندھوں پر ڈالا جا رہا تھا ۔ جس کی ذمہ داری سے آپؐ کی کمر جُھک گئی ۔ اس کٹھن گھڑی میں بیوی نے یہ کہہ کر ایک سہارا دیا کہ کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا ۔ یعنے اللہ تعالےٰ آپؐ کو ضائع ہرگز نہیں کرے گا ۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک پہلا مردانہ ہاتھ جو دنیوی سہارے کے لئے آگے بڑھا ۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ تھا ۔

اُس نے اس بوجھ کو اُٹھانے میں مدد دی ۔ جو محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکیلے کندھوں پر ڈالا گیا تھا ۔ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ”وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ“ یعنے ہم نے تیرا بوجھ اُٹھا لیا ۔ اور تجھے ایک ہی دن پانچ روحانی دوست عطا کر دیئے ۔ جن میں سے ایک ایک شخص اپنی اپنی جگہ جاں نثار اور فدائی تھا ۔ ان روحانی پنجتن رفیقوں میں سے پہلا رفیق آپؐ کا یہ بچپن کا دوست بے نفس ابوبکرؓ تھا جس نے تیرے بوجھ کے نیچے اپنے کندھے دے دیئے ۔ اور ہر مقام پر روحانی ، جسمانی اور مالی قربانی دیکر یکجان دو قالب بن گیا ۔

سچّے فدائی نے غارِ ثور میں جگہ صاف کر کے استراحت کی درخواست کی تو عرض کیا کہ اے میرے مونس وغمخوار محبُوب دوست آپؐ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرمالیں میرا وجود آپؐ کے لئے جاگ کر پہرہ دے گا ۔ اور تکیہ کے طور پر اپنی گود پیش کی ۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کی ٹانگوں پر سر رکھ کر سو گئے ۔ تو ایک سوراخ میں سے سانپ نکلا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں ڈس گیا ۔ بے نفس ابوبکرؓ نے اپنے وجود کو ہلنے نہیں دیا ۔ کہ کہیں محبُوبِ خُدا بے آرام نہ ہو جائے ۔ لیکن شدّت درد سے آنکھوں سے جب آنسو نکل کر بے خبری میں رسُولِ مقبولؐ کے رخسار مُبارک پر جا گرے ۔ گرم گرم آنسوؤں کا گرنا تھا کہ آپؐ کی آنکھ کھل گئی ۔ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اسلام کا سچّا سپوت رو رہا ہے ۔ وجہ پوچھنے پر پتہ چلا کہ شدت درد نے آنکھوں سے آنسو بہا کر رسولِ خداؐ کو بے آرام کر دیا ہے ۔ تو جذبۂ محبت وایثار اور فدائیت آپ کو نصیب ہو گیا ۔ جب آپؐ خُدا کا پیغام لے کر خلق خُدا کی طرف مڑے تھے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ۔ رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بالکل ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے ۔ اگر اللہ تعالےٰ کی رحمت حضرت ابوبکرؓ کی صورت میں نمودار نہ ہوتی تو ہم مٹ چکے تھے ۔ کیونکہ آپؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد چند نفوس ایسے تھے جو بے حد پریشان ہو گئے تھے ۔ اور شدّتِ غم سے بیہوش ہو گئے تھے ۔ کچھ تو شدّت جذبات سے مغلوب اس حد تک ہو گئے تھے کہ مارنے

مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے تلوار نیام سے باہر نکال لی اور کہا۔
"خُدا کی قسم جو شخص یہ کہے گا کہ محمدؐ رسُول کریم فوت ہو گئے ہیں۔ مَیں اُس کا سر اڑا دوں گا۔ لیکن اس نازک موقعہ پر حضرت ابُوبکرؓ صفوں کو چیرتے ہُوئے آگے بڑھے اور منبر پر چڑھ کر باآواز بلند قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ [1]

ترجمہ:۔ اور محمدؐ صرف ایک رسُول ہیں اس سے پہلے بہت رسُول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟"

پس اس نازک گھڑی کو سنبھالنے والا وجود وہی پہلا مسلمان تھا جس نے رسُولِ خُدا کے لائے ہوئے پیغام کو زندگی دی تھی۔ اور آج ایک بار پھر وہی شخص امّت کو دوسری زندگی دے گا۔

انہیں خُدا تعالیٰ نے اپنے محبُوب کی امّت کا امام بنایا۔ جبکہ خود رسُولؐ پاک نے اپنی زندگی میں ہی امامت ان کے سپُرد کر دی تھی۔ جب رسُولؐ پاک حجۃ الوداع کے بعد واپسی پر بیمار ہو گئے۔ اور نقاہت کی وجہ سے امامت نہ فرما سکے تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ آئندہ امامت کے فرائض وہی سر انجام دیں۔ جو ایک لطیف اشارہ تھا۔ پس صدیق اکبرؓ خُدا تعالیٰ کے ارشاد:۔

"اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔

کے مطابق خُدا تعالیٰ کے نائب اور رُوئے زمین پر خُدا کا قانون نافذ کرنے والے اور نظام چلانے والے ہیں۔ چنانچہ ان کا سب سے عظیم کارنامہ آیاتِ قرآنی کو "مصحف" کی شکل میں کتابی صورت سے مکمل کرنا ہے۔ اپنی زندگی میں ہی قرآن کی سالمیّت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستند کر دیا۔ اور یہ کارنامہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

[1]:۔ سورۃ العمران ع ۱۵

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی اپنی عظیم سیرت و کردار کا مظاہرہ کرتے ہُوئے اُنھوں نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اگر مَیں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط راستہ پر چلوں تو میری اصلاح کرو۔ جب تک مَیں خُدا اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کروں۔ میری اطاعت کرو۔ اور اگر ان کی نافرمانی کروں تو تم ہرگز میرے احکام کی تعمیل نہ کرو"۔

آپؓ سات جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو بیمار ہُوئے اور بائیس جمادی الثانی بمطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء کو اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے اور اپنے محبُوب دوست محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ جہاں خدا تعالیٰ نے انہیں زندگی میں رفاقت عطا کی تھی وہاں آخری آرام گاہ بھی آپؐ کے پہلو میں ہی نصیب ہوئی۔

پہلا مسلمان بچہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ تعالےٰ نے پہلی وحی سے نوازہ تو وہ دن پیر کا تھا۔ اور اگلے ہی روز منگل کے دن دس گیارہ برس کا ایک معصوم بچہ اپنے بابا دادا کے مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر آپؐ کے پہلو میں آکھڑا ہُوا۔ گویا اگلے ہی روز "صبغۃ اللہ" کے مطابق وہ رنگ ایک دس سالہ بچہ پر چڑھ گیا۔ اور وہ اس رنگ سے رنگین ہو کر تربیتِ رسُول میں رہ کر جب جوان ہُوا تو "شیرِ خدا" کہلایا۔ خوش نصیب وہ بچہ اس ہاشمی خاتون کا تھا جو سب سے پہلے اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ جن کا اسمِ گرامی فاطمہ تھا۔ گویا بچے اور ماں میں یہ ایک مطابقت تھی کہ بیٹا اطفال میں سے پہلا مسلمان بچہ تھا۔ اور ماں ہاشمی خواتین میں پہلی ہاشمی خاتون تھیں۔ وہ بچہ حضرت علی رضؓ بن ابی طالب تھے۔ جن کی کنیت ابوتراب تھی اور وہ انہیں بہت پسند تھی۔ کیونکہ ان کے محبُوب آقا کی عطا کردہ تھی۔

وعدہ کو وفا کرنے والا علی رضؓ بچپن سے ہی اپنے اقوال کو نبھاتا تھا۔ کیونکہ وہ قول وفعل کا سچّا تھا۔ ایک دن گیارہ برس کی عمر میں اُس نے سرورِ کائنات حضرت محمد مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ بے شک "میں عمر میں چھوٹا ہُوں۔ میری آنکھیں بیماری کی وجہ سے دُکھتی ہیں۔ میری ٹانگیں دُبلی پتلی ہیں۔ مگر میں آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا ہُوں۔ کہ میں آپ کے کام میں مدد کرتا رہوں گا۔"

یہ الفاظ پتھر پر لکیر تھے۔ عہد رسالت میں وہ جوان سایہ کی طرح ساتھ رہا۔ ہر حکم پر لبیک کہا۔ جنگ میں ساتھ دیا۔ صلح میں پیش پیش رہا۔ ۲ھ ہجری سے لیکر

۱۰ھ ہجری تک یہ سیف اللہ جب بھی میدانِ جنگ گئے فتح کی نوید ہی لائے۔ ہجرت کے موقعہ پر بھی جب خدا تعالےٰ نے غلبہ کی گھڑی آپؐ کے مقدر میں شروع کر دی تھی۔ تو آپؐ حضرت علی رضؓ کو ہی اپنی چارپائی پر سونے کا حکم دے کر مکّہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر رخصت ہو گئے تھے۔ امانتیں ان کے سپرد کیں کہ مالکوں کو پہنچا کر مدینہ پہنچ جائیں۔ بہادری کے پیکر حضرت علی رضؓ اس نازک گھڑی میں جبکہ دشمن گھات میں بیٹھا ہے شجاعت سے ساری رات اس بستر پر لیٹے رہے۔ اور کافر یہ خیال کرتے رہے کہ رسُولؐ خدا سو رہے ہیں۔ لیکن جب صبح ہُوئی تو ابنِ عبد اللہ کی جگہ ابنِ رضؓ ابی طالب کو پاکر غصّہ سے لال پیلے ہو گئے اور ان کو زدوکوب بھی کیا۔

اسی طرح جنگ تبوک کے موقعہ پر انہیں رسُولِ خدا کی نیابت حاصل ہوئی جنگِ تبوک میں زبردست تیاری کے بعد جب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تیس ہزار صحابہ رضؓ کرام اور دس ہزار گھوڑوں کی قیادت کرتے ہُوئے روانہ ہوئے تو اپنا نائب حضرت علی رضؓ کو مقرر فرما گئے تھے۔ حضرت علی رضؓ کو پیچھے رہنے کا صدمہ تھا۔ ان کی اداسی دیکھ کر اور منافقین کی باتیں سن کر آپؐ نے فرمایا۔ "علی رضؓ غم نہ کرو۔ جسطرح موسیٰ علیہ السّلام سفر پر جاتے ہُوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ قائم مقام بنا جاتے تھے۔ اسی طرح میں تمہیں قائم مقام بنائے جا رہا ہُوں۱"۔ آپ سرِتسلیم خم کر کے خاموش ہو گئے۔ کیونکہ سفر و حضر۔ صلح و جنگ میں اپنے محبُوب آقا سرورِ کائنات کی تعمیل حکم ہی آپ رضؓ کی شان و عظمت کی دلیل تھی۔ اسی طرح مواخات کے موقعہ پر حضرت علی رضؓ بارگاہِ رسالت میں بچشمِ گریاں عرض کیا کہ یا رسُول اللہ۔ آپؐ نے تمام صحابہ میں مواخات و برادری قائم کر دی ہے۔ لیکن میرا کسی سے بھائی چارہ کا رشتہ نہیں جوڑا۔ تو ارشاد ہُوا۔ اے علی رضؓ! "دنیا و آخرت میں تم میرے بھائی ہو۔" بس دنیا و آخرت میں شاہ کونین کا بھائی علم و فضل میں بھی یکتا تھا۔ وہ علم ولایت کا سردار تھا۔ جیسے کہ خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"میں علم کا شہر ہُوں اور علی رضؓ اس کا دروازہ ہے"۔

۱ھ :۔ تاریخ الخلفاء ؛

آپ کے چچازاد بھائی حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ جو کہ بڑے عالم و فاضل تھے

خود معترف ہیں کہ :-

"میرے اور علیؓ کے علم میں نسبت وہی ہے جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے"۔

آپؓ حافظ قرآن تھے۔ اور ہر آیت کی وجہ نزول مقام نزول کا انہیں مکمل علم

اُم الکتاب کے علم کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سو

فاتحہ کی ایسی تفسیر لکھ سکتا ہوں جو ستر اُونٹوں پر بھی نہ آئے۔ پانچ صد چھیاسی حدیثیں

ایسی ہیں جو آپ کی وساطت سے ہمارے پاس پہنچی ہیں۔ علم نحو کی ابتداء بھی

آپ نے ہی کی۔ کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں قرآن مجید غلط نہ پڑھا جایا کرے۔

حضور سرور کائنات کی خدمت میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپؓ شامل

ہیں۔ اور اسی طرح بہادری و شجاعت میں تو آپ کی نظیر تاریخ اسلام تا حال پیش

نہیں کر سکی۔ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی دقیق و مشکل در پیش ہو تو عوام الناس

علیؓ کا ہی نعرہ بلند کرتے ہیں کہ وہ جذبہ و حرارت پیدا ہو جائے جو خدا تعالےٰ نے

حضرت علیؓ کو عطا کی تھی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ نے اپنی پشت پر دروازہ

خیبر اٹھا لیا تھا۔ آپ کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے طفیل غیر معمولی

قوت عطاء ہوئی تھی۔ وگرنہ وہ بچپن میں دُبلی پتلی ٹانگوں والا کمزور و ناتواں تھے۔ جنگ

خیبر کے ایام میں حضور نبی کریمؐ کو درد شقیقہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ آنحضرت صحابہ کرام

کو جنگ پر میدان میں بھیجتے رہے۔ اور آخر میں محمدؐ بن مسلمہؓ سے فرمایا "میں کل

شخص کے ہاتھ میں اسلامی عَلَم دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس کو محبوب رکھتے ہیں وہ پیچھے نہ ہٹے گا۔

تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس مہم کو سر فرمائے گا۔ اور فتح عطا فرمائے گا۔ اور میرے بھائی

کے قاتل کا بھی بدلہ لینے کا موقع خُدا فرمائے گا۔ انشاء اللہ"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صبح آپؐ نے حضرت علیؓ کو بُلا بھیجا۔ وہ سخت آشوبِ چشم میں مبتلاء تھے۔ اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہُوئی تھی۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مُبارک لگایا اور دُعا فرمائی جو خُدا تعالےٰ نے قبول فرماتے ہُوئے صحت عطا کی"۔ آپؐ نے فرمایا "اے میرے خُدا! علیؓ کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا"۔ آمین۔

رسُولِ خُدا کو ان سے بہت محبت تھی اور یہ عالم تھا کہ حضرت سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ پاکؐ نے فرمایا :-

"جس نے علیؓ سے محبّت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبّت کی اور جس نے علیؓ کو گالیاں دیں تو گویا اُس نے مجھے گالیاں دیں"۔

سُبحان اللہ کیسی شفقت و محبّت کا اظہار فرمایا۔ کہ اس احترام کی بناء پر رسول کریمؐ نے اپنی دخترِ نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی آپؓ سے کر دی۔ شادی کے متعلق یہ بیان ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثبت اظہار فرمایا تو حضرت فاطمہؓ رو دیں۔ حضور ان کے پاس تشریف فرما ہُوئے اور فرمایا "اے فاطمہؓ کس لئے روتی ہے؟ واللہ میں نے تمہارا ایسے شخص سے عقد کیا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ عالم ہے اور سب سے زیادہ سنجیدہ و بُرد بار ہے۔ اور سب سے پہلے اسلام لانے والا ہے۔ چنانچہ یہ شادی مبارک شوال ۲ھ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ دونوں میاں بیوی کو حضورؐ نے مسجد میں اقامت کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان تو آپؐ کے متعلق یہاں تک ہے کہ "علیؓ کو دیکھنا بھی ایک عبادت ہے"۔ واللہ اعلم بالصوابؐ۔ یہ بے شک قطعی ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ میں اٹھارہ صفات ایسی تھیں جو باقی کسی صحابی میں اکھٹی و یکجا نہ تھیں۔

سرورِ کائنات محبوب دو عالم کے لئے ایک دن مکہ کی گلیوں نے اپنا دامن سمیٹ کر تنگ کر لیا تھا۔ لیکن آج وہی بستی مکہ مکرمہ اپنے شاہؐ کے لئے نہ صرف براہ تھی بلکہ اپنے مصنوعی خُدا نکال نکال باہر پھینک رہی تھی۔ آپؐ بُت توڑتے جا رہے تھے۔ جو خانہ کعبہ میں رکھے ہُوئے تھے۔ ایک بہت بڑا بُت جو تانبے کا بنا ہُوا تھا اور

۵ :- روایت طبرانی اور ابن عساکر ؞

اُونچائی پر رکھا ہوُا تھا۔ حضورؐ کی چھڑی کی دسترس سے باہر نکل گیا۔ اس مقام پر خُدا تو کی محبت وعشق دیکھئے کہ اس کے شریک کو مسمار کرنے کا جذبہ اس حد تک کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو جو قدرے فربہ جسم والے تھے اپنے کندھوں پر کھڑا کر لیا اور بُت گرانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے آنکھ جھپکتے میں سلاخ مار کر وہ بُت پاش پاش کر دیا۔ پس آج وہی ذوالفقار دس ہزار قدسیوں کی معیت میں مہاجرین کا جھنڈا اُٹھائے بغیر کسی لڑائی کے اپنے پیارے محبُوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ میں داخل ہوُا۔ اور یومِ بُت شکن منایا۔ لاریب رسالت کے تلے پل کر جوان ہونے والا وجود ہر قدم پر غلبہ کی خبر لایا۔ اور فتح ونصرت کی کلید اس کے ہاتھ رہی۔ جس طرف تیس سال تک اس نے مُڑخ کیا کامیابی نے قدم چُوم لئے کیونکہ وہ ایک مردِ کامل کی دعائیں ساتھ لے کر چلتا تھا۔

وہ ایک زاہد وعابد انسان تھے کیونکہ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو ایک عابد، خُداترس، خُداشناس رحمت کے مجسمے کو اپنے معبودِ حقیقی کے حضور جھکتے ہوئے ہی دیکھا تھا وہ دن سینکڑوں بار اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہنے والے بابرکت وجود کے زیرِ تربیت تھا۔ اور جانتے تھے کہ میری عبادت۔ نماز۔ روزہ صرف اور صرف معبُودِ حقیقی خالقِ کائنات کے لئے ہی ہے۔ بس اُس خُدا نے انہیں اتنا بڑا مرتبہ عطا کیا کہ "خلیفۃ الرسُولؐ" (صلعم) کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور یہ سب کرم اللہ وجہہ کے تقویٰ وطہارت کی بدولت تھا۔ لیکن خلافت کے بعد آپؓ کے مخالفین کی فہرست کچھ اتنی طویل ہوئی کہ عہدِ خلافت ہی عجیب کشمکش میں گزرا۔ مخالفت کا ماحول جب پیدا ہو جائے تو عموماً یہ تمیز اُٹھ جاتی ہے کہ انسان آگے بڑھ رہا ہے یا پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہی کچھ اس خلیفۃ الرسولؐ کے عہد میں ہوُا۔ ایک بے لگام بغاوت اور نہ ختم ہونے والے فِتنے نے سر اُٹھا لیا۔ اور اس طرح اپنے پرائے کی پہچان جاتی رہی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی ایسی چیز کا نتیجہ تھی کہ لوگ یہ بھُول گئے تھے کہ وحدتِ ملّی کیا چیز ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقعہ پر باغی مکان کی پچھلی دیوار پھاند کر گھر

میں داخل ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ بنو ہاشم ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آجائیں چنانچہ باغی اپنی اسکیم میں کامیاب ہُوئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ خود حضرت علیؓ کو اس حادثہ سے بہت دُکھ ہُوا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو تھپیڑ رسید کئے کہ "جب بحیثیت خدام ومحافظ دروازے پر کھڑے ہو تو باغیوں نے اندر داخل ہونے کی جرأت کیسے کی؟" لیکن شہادت حضرت عثمان الغنیؓ اور خلافت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہٗ کچھ ایسے موقعہ پر رونما ہُوئی کہ معاملات سنبھالے نہ جا سکے۔ کیونکہ شہادت کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوُا۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اطلاع پاتے ہی کچھ تو مدینہ میں آ کر داخلِ بیعت ہو گئے اور کچھ اُلٹے پاؤں مکہ واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ فتنہ وفساد سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ امن وعافیت کا حرم ہے۔ مگر ان میں کچھ نامور ہستیاں بھی تھیں مثلاً حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حج سے واپس آ رہی تھیں لیکن مدینہ داخل نہیں ہوئی تھیں بلکہ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹ گئی تھیں۔ الغرض تاریخ اسلام جن مؤثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہے وہ کچھ سازگار ماحول مہیا کرنے میں ممد ثابت نہ ہوئیں۔ اور اس طرح حضرت علیؓ خلیفۃ الرابع کے مخالفین ایک سے دو اور دو سے چار ہوتے چلے گئے۔ اُدھر حضرت علیؓ بھی حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے۔ وہ چال چلنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی باتوں کو لگی لپٹی ڈھکی چھپی رکھتے تھے۔ بلکہ مخالفین کو شکست فاش دینے کے بعد بھی ساتھیوں سے یہ فرما دیا کہ خبردار! دشمنوں میں سے کسی کو قیدی نہ بنانا۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کسی کا مال نہ چھیننا۔ یہ تھا ایک رحمت کا نمونہ جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ سرورِ کونینؐ کے سایہ تلے پرورش پا کر طفل سے خادم اور خادم سے انصار اللہ بننے والا وجود شفقت ورحمت کا مجسمہ نہ ہوتا۔ ایک شخص نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا کہ یا امیرالمؤمنین! جب آپ نے انہیں قیدی بنانے اور ان کا مال لینے سے منع فرما دیا ہے تو پھر ان لوگوں سے ہمارا لڑنا کس طرح جائز

ہے ؟ - حضرت علیؓ نے فرمایا - موحدین کلمہ گو کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے نہ ان کے مال سے کسی قسم کی غنیمت حاصل کی جا سکتی ہے - البتہ وہ سرکشی کریں تو ان سے لڑنا جائز ہے - اس لئے ان باتوں کو جن کی تہہ کا تمہیں علم و پتہ نہیں چھوڑ دو - اور جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے - اس پر کاربند رہو - کیونکہ وہ جذبات کو حق و انصاف پر غالب نہ آنے دیتے تھے - حرص و آز کبھی آپ کے پاس نہ پھٹکتی تھی - لیکن ایک سیاستدان کو جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپؓ کے ہاں موجود نہ تھے -

سیاست نام ہے جھوٹ اور فریب کا اور کامیاب سیاستدان وہی ہو سکتا ہے جو ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے مخالف کو زیر کر سکے - لیکن حضرت علیؓ تو ایک خلیفہ تھے مگر مدمقابل ایک سیاستدان تھا - کیونکہ آپؓ تو دینی مصلح تھے - دنیا کا ہر کام اللہ تعالےٰ کی خاطر کرتے تھے - بندوں کی خوشنودی کیلئے نہیں - عدی بن حاتم نے کیسی بہترین تصویر امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کی تھی -

"علیؓ کا فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہے - حکمت ان کے پہلوؤں سے اور علم کلام اُن کے چاروں اطراف سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے - دُنیا اور اسکی خوشنمائی سے انہیں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے - رات کی تاریکی میں انہیں سکون ملتا ہے - وہ بے انتہا آنسو بہانے والے بے حد غور و فکر کرنے والے آدمی تھے - تنہائی میں اپنے نفس کا مقابلہ کرتے تھے - سادہ لباس اور روکھی سوکھی روٹی کے دلدادہ تھے - اپنے لئے کوئی اعزاز پسند نہیں کرتے تھے - لوگوں سے ملتے ہیں تو عام آدمی کی طرح ملتے ہیں - اہلِ دین کی بڑی تعظیم کرتے ہیں - مساکین سے محبت کرتے ہیں"

پس اپنے نفس کا سختی سے محاسبہ کرنے والا اپنے کارندوں کا بھی تھوڑا بہت محاسبہ ضرور کرے گا - حتیٰ کہ اپنے چچیرے بھائی عبد اللہ بن عباسؓ کی ناراضگی سے بے پرواہ ہو کر حق کی بات پر ڈٹے رہے - حتیٰ کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی حمایت سے بھی یکسر محروم ہو گئے - اور دکھی دل سے فرمایا :-

"نہ میں دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کروں گا - نہ اپنے معاملات میں کسی بے راہ روی کا روادار ہوں گا"

حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمّال کو برقرار رکھنے کی بہت کوشش کی گئی - لیکن حضرت علیؓ نے فریب کاری اور حیلہ جوئی کو مذہب میں بالکل داخل نہ ہونے دیا -

آپؓ کے بہت اقوال زرّیں مقبول خواص و عام ہیں - چند ایک درج ذیل ہیں - آپؓ نے فرمایا :-

"توفیق الٰہی بہترین راہبر ہے - خوش اخلاقی بہترین دوست ہے عقل و شعور بہترین ساتھی ہے - ادب بہترین میراث ہے اور اندوہ و غم دراصل تکبّر سے بھی زیادہ بدتر ہے"

گناہوں کے متعلق ایک دفعہ فرمایا کہ :-

"گناہوں کی دینی سزا یہ ہے کہ عبادت میں معیشت میں تنگی پیدا ہو جائے - لذّت میں کمی آجائے - اور حلال کی خواہش اس شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کی کمائی چھوڑ دینے کی مکمل کوشش کرتا ہے - آپؓ نے حضرت حسنؓ کو آخری سانسوں میں بھی یہ نصیحت فرمائی کہ :-

- سب سے زیادہ دولت عقلمندی ہے -
- سب سے زیادہ افلاس و محتاجی - بیوقوفی و حماقت ہے -
- سب سے زیادہ بزرگی خوش اخلاقی و نیک کرداری ہے -

الغرض آپؓ ان دس اشخاص میں سے ہیں جنہیں رسولِ خداؐ نے زندگی میں ہی جنّت کی بشارت دے دی تھی - اور عشرہ مبشرہ کہلاتے تھے ۔

پہلا خادم

حضرت زیدؓ بن حارث

حضرت زید بن حارث ایک آزاد عیسائی خاندان کے لڑکے تھے۔ لیکن کسی لُوٹ مار کے نتیجہ میں غلام بنا لئے گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کلیم بن حزام تجارت کی غرض سے کہیں باہر گئے تو زیدؓ کو خرید لائے۔ چار سو درہم میں خرید اہؤا یہ بچہ زیدؓ بن حارث بہت پسندیدہ عادات کا مالک تھا۔ کلیم بن حزام بھی اسے پیار کرتے تھے کیونکہ وہ ایک معصوم صورت اور پیاری سیرت رکھتا تھا۔ انہیں اس عظیم المرتبت پھوپھی سے بھی عقیدت تھی۔ اس لئے وہ بچہ حضرت خدیجہؓ کے پاس بطور نذرانہ پیش کر دیا۔ پھوپھی جان نے بچے کو مہذب و شائستہ پاکر اپنے واجب الاحترام شوہر کی نذر کر دیا۔ چونکہ حضرت خدیجہؓ بہت زیادہ امیر عورت تھیں اور بقول مؤرخین جتنی دولت مکّہ کی اس امیر عورت کے پاس تھی اتنی کسی مکّی کے پاس نہ تھی۔ لیکن شادی کے بعد حساس مزاج خدیجہؓ نے بھانپ لیا تھا کہ میرے شوہر کی عظمت اِسی میں ہے کہ میں ساری دولت آپؐ کے قدموں پر نثار کر دوں۔ تا آنکہ وہ کسی آن بھی کمتری کا شکار نہ ہوں مگر غنی النفس شوہر نے اس ساری دولت کو غرباء اور یتیموں میں تقسیم کر کے اس کے جائز استعمال کا راستہ دُنیا کو دکھا دیا۔ اس طرح تمام غلام آزاد کر دیئے گئے جن میں زید بن حارث بھی تھے۔

زیدؓ بن حارث کو ان کی پیاری عادات کی وجہ سے آپؐ نے باپ سے بڑھ کر پیار دیا۔ یہانتک کہ وہ زیدؓ بن محمدؐ کہلانے لگے۔ مگر ہجرت کے بعد جب خداوندِ عالم کی طرف سے یہ حکم نازل ہؤا کہ مُنہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں تو زیدؓ کو زیدؓ بن حارث کہا جانے لگا۔ جب زید بن حارث نے سُنا کہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ادعوا ھم

لابآئھم۔ بیٹوں کو باپوں کے نام سے پکارو۔ تو وہ خاموش ہو گئے اور زیدؓ بن حارث کہلانے لگے۔

زیدؓ بن حارث وہ پہلا خادم ہے جو مسلمان ہؤا اور رسُولِ خُداؐ کے سچے فدائیوں میں شامل ہو گیا۔ انہیں یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ فتح جنگِ بدر کی خوشخبری لے کر وہ سب سے پہلے آدمی تھے جو مدینہ پہنچے۔ گویا وہ فتح کے پہلے قاصد تھے۔ عبداللہ بن رواحہ مدینہ کے بلند حصّہ کی طرف گئے۔ جبکہ زیدؓ بن حارث نشیبی علاقہ کی طرف گئے تھے۔

اسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ہمیں یہ خوشخبری اس وقت ملی جبکہ ہم حضرت رسُولِ خُداؐ کی صاحبزادی رقیہؓ پر جو حضرت عثمانؓ بن عفان کی زوجیت میں تھیں مٹی برابر کر رہے تھے (انہیں دفن کر رہے تھے)۔ ہمیں خبر ملی کہ زیدؓ بن حارث آتے ہیں۔ تو میں اُن کے پاس پہنچا وہ مسجد میں کھڑے تھے۔ اور لوگوں نے انہیں گھیرا ہؤا تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوجہل بن ہشام وغیرہ مارے گئے۔ میں نے کہا اباجان کیا یہ صحیح ہے۔ انہوں نے کہا۔ واللہ بالکل صحیح ہے۔

زیدؓ بن حارث کا پیار رسُولِ خُدا کے ساتھ عشق کی حد تک تھا۔ کون ہے جو اپنے دیرینہ بچھڑے ہُوئے ماں باپ کے سامنے صاف صاف دو لفظوں میں انکار کر دے۔ "کہ میں آپؐ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا"۔ آپؐ میرے لئے میرے چچا اور باپ سے بڑھ کر ہیں۔ زیدؓ کے باپ نے غصّہ سے کہا کہ تو غلامی کو حریّت پر ترجیح دیتا ہے۔ زیدؓ نے کہا جو محبّت میں نے یہاں دیکھی ہے اس پر میں ترجیح کسی کو نہیں دے سکتا۔ آپؐ نے جب زیدؓ کا یہ جواب سُنا تو خانہ کعبہ کے پاس زیدؓ کو لے جا کر بآوازِ بلند فرمایا:۔

"اے لوگو گواہ رہو کہ آج سے میں زیدؓ کو آزاد کرتا ہُوں۔ اور اپنا بیٹا بناتا ہُوں۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔"

زیدؓ کے چچانے جب یہ نظارہ دیکھا تو خوشی سے زیدؓ کو چھوڑ گئے ۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ وہ خوش نصیب باپ ہیں جن کے بیٹے اسامہؓ بن زیدؓ کو رسُولِ خُدا نے جنگ کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ اور آپؐ کا وہی سلوک اور وہی پیار اسامہؓ سے تھا جو زیدؓ بن حارث سے ہوا کرتا تھا۔ حضرت زیدؓ کی شرف بزرگی وعظمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت زیدؓ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ؛

پہلی پیشکش

قریشِ مکّہ کے وفد کی حاضری
(بعد از نبوت)

ابنِ اسحاق نے کہا کہ اسلام جب مکّہ کے اندر قریش کے قبیلوں میں پھیلنے لگا تو ظالم قریش خود ہی اپنے جور و جفا پر سبقت لینے لگے۔ اور خصوصًا بے یار و مددگار غرباء کے لئے تو سخت مصائب کے دن شروع ہو گئے۔ جس پر ان کا بس چلتا قید کر لیتے اور جتنے تکلیفیں دے سکتے تکلیفیں دیتے اور حد درجہ دیتے۔ لیکن خدا کا سچا رسُولؐ ان مخالفتوں سے بے نیاز توحید کا پیغام سنانے میں موت کو بھی قبول کرنے کو تیار تھا۔ پھر اور کیا چیز تھی جو آپؐ کو اعلائے کلمۃ اللہ سے روک سکتی تھی۔ شریف الطبع لوگ تو بارغبت اسلام کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن مکّہ کے سرداران رؤساء کی سختیاں بھی جب کارآمد ثابت نہ ہوئیں۔ تو وہ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابو طالب کے پاس پہنچے۔ اس وفد میں ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان۔ العضر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ عبداللہ بن امیہ۔ العاص بن وائل وغیرہ وغیرہ شامل تھے[1]

[1] :۔ سیرۃ النبیؐ کامل ص۲۸۵ باب ۴۷ ؛

وفد نے ولید بن مغیرہ کو گفتگو پر آمادہ کیا۔ وہ یوں گویا ہوا۔ کہ اے محمدؐ! آپؐ نے جو انت اپنی قوم پر ڈھائی ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو بُرا کہا۔ دین پر عیب لگائے۔ عقلمندوں کو احمق قرار دیا اور ہمارے معبودوں کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔ اگر یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ :۔

۱۔ "کچھ مال چاہتے ہو تو ہم اپنے مال میں سے اتنا جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب میں سے زیادہ امیر آدمی بن جاؤ گے۔

۲۔ اور اگر اس لئے کرتے ہو کہ اعلیٰ مرتبہ تمہیں مل جائے تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لیتے ہیں۔

۳۔ اور اگر اس کے ذریعہ تم حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔

۴۔ اور اگر یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہو کہ کوئی خوبصورت شادی چاہتے ہو تو واللہ ہم عرب کی حسین ترین دوشیزہ سے تمہارا بیاہ کر دیں گے۔"

جب وہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو آپؐ نے فرمایا:۔

"اے چچا! اگر آپ کو اپنی کمزوری کا خیال ہے تو آپ بے شک مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر میں احکام الٰہی پہنچانے سے کبھی نہ رکوں گا۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔"

چنانچہ آپؐ نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیئے۔ جو تم کہتے ہو۔ جو کچھ میں لایا ہُوں وہ اس لئے نہیں کہ اسکی معاوضہ میں تم سے مال حاصل کروں۔ نہ اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہُوں۔ نہ حکومت کا خواہاں ہُوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیامبر بنا کر بھیجا ہے۔ مجھ پر ایک کتاب آتاری ہے۔ مجھے حکم فرمایا ہے کہ تمہارے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہو جاؤں۔ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اور تم سے خیر خواہانہ بات کہہ دی۔ اگر تم نے وہ باتیں

مان لیں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ تو دُنیا اور آخرت میں تمہارے
لئے خوش نصیبی ہے۔ اور اگر تم نے مجھ پر لوٹا دیں تو میں حکمِ الٰہی تک صبر
کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔"
عتبہ کے چہرے کا رنگ یہ ایمان اور اخلاص سے بھرا ہوا جواب سُن کر زرد
ہوگیا۔ اور ابوطالب نے سمجھ لیا کہ گو مجھے ایمان لانے کی توفیق نہیں ملی لیکن اس ایمان
کا نظارہ دیکھنے کی توفیق ملنا ہی سب دولتوں سے بڑھ کر دولت ہے۔ پس انہوں نے
کہا۔ "اے میرے بھتیجے! جا اور اپنا فرض ادا کرتا رہ۔ قوم اگر مجھے چھوڑنا چاہتی ہے
تو بے شک چھوڑ دے۔ مَیں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"
یہ تھی پہلی پیشکش جو کفارِ مکہ نے ابوطالب کے سامنے حضرت رسُولِ خدا کے
سامنے پیش کی۔ اور وہ کسی بھی صورت میں کسی مقام پر کامیاب نہ ہو سکی۔ آپؐ
کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ بڑے بڑے لالچ اور اُونچے سے اُونچے محرک
کو پرِ کَاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔[۱]

پہلا دار التبلیغ یا اسلامی مدرسہ

دارِ ارقم (۴ نبوی)

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ فرما کر جو ذمہ داری خداوندِ عالم نے آپؐ کو سپرد کی تھی
آپؐ نے اسے گلے لگالیا۔ اور اپنے آپؐ کو بھول کر خدائے واحدہٗ لاشریک کی طرف
لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ آپؐ اُٹھے اور اعلان کیا کہ اے سردارانِ مکہ! تمہارے
ارباب کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ بلکہ سچا ربّ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور
اعتقادات باطل ہیں اور ربوبیت کی شان کے خلاف ہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

۱۔ ابن ہشام ص۲۸۷ باب ۷،۴

اس نے مجھے دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا ہے۔ مَیں اسی کے نام پر اپنے دعویٰ کو تمہارے
سامنے پیش کرتا ہوں۔
یہ اعلان تھا جو سب سے پہلے اقربا کو آپؐ نے سنایا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ اُن لوگوں
تک بھی پہنچ گیا جو کبھی آپؐ کو صادق و امین کہتے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا پیغامِ واحدانیت
تھا۔ جو ان کے عقائد کو باطل قرار دیتا تھا۔ اب تو انہیں اس اعلان کے بعد اپنے
بت پتھروں کے لاشوں میں تبدیل ہوتے نظر آتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے
عقائد کی حفاظت کرتے اور اپنے باپ دادا کے مذہب و رواج کو بگڑنے سے
روکتے۔ چنانچہ مخالفت کے تمام سامان مہیا کر دیئے گئے اور آپؐ پر مشکلات و
مصائب کے دروازے کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کو اپنی مرضی سے
عبادت کی آزادی بھی حاصل نہ رہی۔ ان حالات میں آپؐ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو
حق کی طرف بلانے کے لئے ایک محفوظ مقام ہونا چاہیئے۔ جہاں بلا روک ٹوک ہم عبادت
کر سکیں۔ اپنی تبلیغ کر سکیں اور اظہارِ رائے کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے ایک ایسے
مکان کی ضرورت تھی جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ کوہ صفا کے دامن میں ارقم بن
ارقم مخزومی کا مکان تجویز کیا گیا۔ اور آپؐ اس میں مقیم ہو گئے۔ تمام مسلمان یہیں جمع ہوتے
نماز پڑھتے۔ متلاشیانِ حق بھی یہیں آتے اور گھنٹوں دین کی باتیں سُنتے رہتے۔ پس
یہ پہلا قرآنی مدرسہ تھا جو سیّد الانبیاء کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا آپؐ اسے
اپنی بعثت کے چوتھے سال سے لے کر چھٹے سال تک اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام
کی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔ اور ایسے نامور اساتذہ پیدا کئے۔ جو کسی ظاہری
درسگاہ۔ کالج یا یونیورسٹی کے پڑھے ہُوئے نہ تھے۔ اس دار السلام کا نام دارُ الخیزران
بھی ہے۔ اسی مختصر عمارت میں ایمان لانے والوں کو سابقین میں شمار کیا جاتا ہے۔
پہلے نمبر پر حضرت مصعبؓ بن عمیر تھے۔ جو ہجرت سے قبل یثرب میں اسلامی مبلّغ بنا کر
بھیجے گئے تھے۔ گویا کہ دارِ ارقم نے ہی پہلا اسلامی مبلّغ بھی پیدا کیا تھا۔
دوسرے مبلّغ اسلام حضرت زید بن خطاب تھے۔ جو حضرت عمر کے بڑے بھائی

تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان سے بڑا پیار تھا۔ اور ان کی وفات کا صدمہ بھی بہت ہوا۔
باقی خوش نصیب انسان جو اسی دار التبلیغ میں مبلّغ بن کر نکلے اور حضورؐ کے ساتھ دست راست
ہو کر میدان تبلیغ میں آئے۔ عمارؓ بن یاسرؓ۔ حضرت صہیبؓ بن سفیان۔ اور حضرت جعفرؓ بن
ابی طالب تھے۔ پھر اسی طرح حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم جو حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں
میں سے تھے اور نابینا بھی تھے اسی دار التبلیغ سے ہی حصول تعلیم کے بعد اشاعت
تبلیغ کے لئے نکلے تھے۔ مندرجہ بالا حامل قرآن شخصیتیں زندہ و پائندہ رہیں گی۔ اسی طرح
میں دار ارقم بھی اسی طرح زندہ جاوید رہے گا جس نے اپنے پیاروں کی حفاظت کی اور دشمن کی
اوچھی نگاہ سے انہیں محفوظ رکھا اور پناہ گاہ ثابت ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دارِ ارقم میں اسلام لانے والوں میں سے آخری حضرت عمرؓ تھے
جن کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور اواخر ۶ھ نبوی میں آپؐ باہر
تشریف لے آئے اور کھلم کھلا دعوت حق دینی شروع کر دی۔

ابراہیم پاشا رفعت امیر الحجاج المصری نے ۱۹۰۱ء میں اپنے سفرنامہ میں جلد ۱ صفحہ ۱۹۲
صفحہ ۱۹۵ میں تفصیلی ذکر کیا ہے کہ دار ارقم ایک گلی میں سیڑھی کے بائیں طرف واقع ہے۔
صفا کی طرف کھلتی ہے۔ اس جگہ چار دیواری ہے جس کے اندر جنوب مشرق میں دو حجرے پتھر کے
بنے ہوئے ہیں۔ ایک حجرہ پر جلی حروف میں کندہ ہے:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ فی بیوتٍ اذن اللّٰہ ان تُرْفَعَ و
یذکر فیہا اسمہٗ یسبح لہٗ فیہا بالغدوّ والاصال۔

دوسرے حجرے کی پیشانی پر ہے:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ ھذا مختبأ رسول اللّٰہ المعروف
بدار الخیزران"۔ دار الخیزران کا حجرہ دو قیراط کم آٹھ گز لمبا اور ساڑھے ساتھ گز چوڑا ہے۔
پس یہ تھا پہلا قرآنی مدرسہ۔ پہلا دار التبلیغ اور پہلا جامعہ۔ جس کے روحانی مہتمم
نبیوں کے سردار معلم آسمانی۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

قرآنِ مجید کی پہلی جہری تلاوت

عبداللہ بن مسعودؓ ۔ ۴ نبوی

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے ابو یحییٰ نے روایت کی کہ عبداللہ بن مسعود پہلا شخص ہے
جس نے رسولِ خدا کے بعد مکّہ میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ ایک دن رسولِ خدا کے
بہت سے صحابہ کرامؓ آپؐ کے پاس جمع تھے۔ چونکہ قریش نے بلند آواز سے کبھی تلاوت قرآن
مجید نہیں سنی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ تلاوت کے اثرات سے ان کو واقف کرایا جاتا
چونکہ خدا کا رسولؐ یہ جانتا تھا کہ خداوند عالم نے تلاوت میں کیا اثرات رکھے ہیں۔ کہ جو
کوئی بھی سنے گا۔ وہ خشیت قلب کی دولت سے حصّہ لے گا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا۔
قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کہیں نہیں سنا تھا۔ پس کوئی
شخص ہے جو انہیں قرآن سنائے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قبیلہ ہذیل کا ایک غریب
نوجوان آگے بڑھا اور لبیک کہتے ہوئے کہا کہ یہ کام مَیں سرانجام دوں گا۔ سب نے کہا کہ
عبداللہ تمہارے لئے یہ کام خطرناک ہے۔ ایک تو تم غریب ہو دوسرے کسی ممتاز خاندان
سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔ ہم تو ایسا شخص چاہتے ہیں جو خاندان والا ہو تا کہ اگر قریش
قرآن مجید سن کر غصّہ و جنون میں آجائیں تو ان کی بدسلوکی اور اذیت کا تقاضا یہی ہو گا کہ
اس کا خاندان اس کی حفاظت کرے۔ لیکن ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ "مجھے چھوڑ دو
اللہ تعالےٰ میری حفاظت کرے گا"۔

اگلے دن ابن مسعودؓ صحن کعبہ میں ایسی جگہ پہنچے جہاں قریش اپنی مجالس کیا کرتے
تھے۔ اور اپنے ہم جلیسوں میں بڑھائی اور غرور کے قصّے الاپا کرتے تھے۔ مقام
ابراہیم کے پاس حضرت ابن مسعودؓ کھڑے ہو گئے۔ اور بلند آواز سے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِيْلًا کے مطابق تلاوت قرآن مجید شروع کر دی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کے بعد سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کی اور عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کے آگے جب پڑھا
قریش نے غور سے سُنا اور خاموش نہ رہ سکے۔ بلکہ یوں کہنے لگے۔ اے ابن ام عبد
تم نے کیا کہا ہے؟ لیکن فوراً دوسرے سُننے والوں نے جواب بھی دے دیا۔ کہ یہ
کہے گا۔ وہی تو پڑھے گا جو محمدؐ صلعم لایا ہے۔ اور یہ سُننا تھا کہ آنِ واحد میں
سب لپک پڑے اور ابن مسعودؓ کو مارنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بدستور مار کھاتے گئے
پڑھتے چلے گئے۔ مُنہ پر پتھر پڑتے جاتے تھے لیکن زبان کلمۂ امداد کی بجائے کلمۂ خدا
جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس سورۃ کے اس حصہ تک پہنچ گئے جہاں تک
خدا نے چاہا۔ پس جب وہ صحابہ کرامؓ کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے پر قریش
بے نصیبی اور مشرکوں کے مظالم کے نشانات تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کے حالات دریافت
کرنے پر ابن مسعودؓ نے کہا۔ "آج دشمنانِ خدا میری نظروں میں جتنے ذلیل ہوئے
اتنے ذلیل کبھی نہ ہوئے تھے"۔ ۱؎

پس چونکہ قرآن اپنی سحر انگیزی اور شیرینیِ سخن میں ایک منفرد مقام رکھتا
ہے۔ اسی لئے کفارِ مکہ قرآن مجید کی تلاوت سے چڑھتے تھے اور خائف
وہ ضرورت سے زیادہ خوفزدہ تھے۔ کہ ہمارے لوگ اس سے مات نہ کھا جائیں
انہیں یقین تھا کہ اس کے سامنے تمام صحفِ سابقہ ماند پڑ گئے ہیں۔" جیسے کہ
دفعہ نبیٔ پاکؐ کے فدائی صدیق اکبرؓ ایک دن اپنے گھر پر تلاوتِ قرآن نہایت
سے فرما رہے تھے کہ یہ دل پذیر آواز سُن کر تمام محلے کے بچے اور عورتیں اکٹھی ہو
عورتیں تو مبہوت ہو کر ہمہ تن گوش تھیں کیونکہ آپؓ رو بھی رہے تھے۔ آپؓ تلا
کرنے وقت عموماً روتے تھے۔ کیونکہ آپؓ بہت رقیق القلب تھے۔ اور جیسے کہ آ
عوام میں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے سادہ طبع
آپؓ کو روتے دیکھ کر بہت مغموم ہوتیں۔ اور متأثر بھی ہوتیں۔ دل میں شوق بھی
کہ یہ نادر کلام سنیں۔ اس لئے اکثر جمع ہو جاتیں لیکن کفارِ مکہ خوف زدہ ہو گئے کہ
یہ مغموم عورتیں اور بچے مصیبت کھڑی نہ کر دیں۔ اور اسلام کی طرف راغب نہ ہو

۱؎۔ ابن ہشام ص ۳۱۴ ؎

اس لئے انہوں نے پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو روکا کہ وہ تلاوت بند کر دیں لیکن صاف
انکار اور آپؓ کی جرأتِ ایمانی دیکھ کر وہ ابن الدغنہ کے پاس گئے جس نے ان کو پناہ دے
رکھی تھی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی بلند آواز تلاوت کی شکایت کی اور خوف ظاہر کیا کہ اس سے
ہماری عورتیں بچے اور کمزور دل لوگ فتنہ میں پڑتے ہیں۔ مگر ابن الدغنہ کی کوشش
کارگر نہ ہوئی۔ آپؓ نے اس کی پناہ واپس لوٹا دی اور اپنا گھر بار چھوڑنا گوارا کر لیا
مگر کلامِ الٰہی کی باآواز بلند تلاوت بند نہ کی۔ حتّٰی کہ انہوں نے سرِ راہ آپؓ کو اتنا پیٹا کہ
آپؓ لہولہان ہو گئے۔ اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔

اسی طرح سفرِ طائف میں جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے لہولہان
واپس لوٹے تو تین میل تک برابر دوڑ دوڑ کر آپؐ تھک گئے تو عتبہ بن ربیعہ کے باغ
کے عقب میں قیام فرمایا اور آپؐ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ تلاوت کی آواز سے
جنّات کے قدم جم گئے تھے اور بغیر توجہ دیئے آگے نہیں بڑھ سکے۔ بلکہ قرآن کی
شیرینی نے انہیں اتنا متأثر کیا کہ وہ نخلِ اسلام کے تلے آ پناہ گزین ہو گئے۔ اور جب وہ
اپنی قوم کو ملے تو انہوں نے قوم سے کہا۔ "ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو سیدھا راستہ
دکھاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم کسی کو اپنے رب کا ساجھی نہیں سمجھیں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کی جہری تلاوت کا سحر انگیز اثر وہ بھی تھا جس سے ایک سخت گیر
ی اثر امیر آدمی بھی ایک غریبانہ تنظیم میں پرو دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ جو سعیدؓ بن زید کے
گھر قرآن مجید پڑھنے سے جبکہ وہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پر پہنچے تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ
خدا واحد ہے اور محمدؐ رسول ہے اس واحد و یگانہ خُدا کا۔ اور یہ فی البدیہہ گواہی ان کی
سعید فطرت کی آواز تھی روکی نہ جا سکی۔ اور تلاوت کے سحر سے اُجاگر ہو گئی۔ اسی طرح یہ
سحرِ قرآن عرب کے مشہور شاعر طفیل بن عمر دوسی کو اپنے حلقہ میں کھینچ لایا۔ اس نے ہزار دل
اپنے کانوں میں روئی ٹھونسی کہ کہیں ساحرانہ باتیں اس کے شاعرانہ مزاج پر اثر انداز نہ ہوں
مگر یہ وہ جادو تھا جو سر چڑھ کر بولا۔ اور اس نے روئی نکال پھینکی کہ میری ماں مجھے کھوئے

میں ایک سمجھدار آدمی ہوں۔ کیا حرج ہے کہ میں اس کی بات سن لوں۔ اگر اچھی ہے تو
لوں گا اور اگر بری ہے تو انکار کر دوں گا۔ لیکن جب کلام الٰہی سُنا تو وہیں اسی وقت
انہی سانسوں سے کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تو یہ تھا جہری تلاوت
کا سحر۔ جس کا طلسم کئی سعید روحوں کو کھینچ لایا۔

پہلی بار جہری تلاوت کرنے والا وجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا جن کو خدا
نے قرآن مجید کی تلاوت میں خاص ملکہ دیا ہوا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک دن
رسولِ خدا نے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ
قرآن سناؤں؟ حالانکہ قرآن شریف تو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ
یہ بھی پسند ہے کہ میں دوسروں کے منہ سے سنوں۔ پس میں نے سورہ نساء میں
سے کچھ حصہ پڑھا۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔ "کیا حال ہو گا جب ہر ایک
امت میں ہم ایک شہید لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر شاہد مقرر کریں گے۔ تو آپ
برداشت نہ کر سکے۔ اور آپؐ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں
آنسو رواں تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔
خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز دیا کہ اس یومِ فرقان کو ابوجہل کی گردن حضورؐ کی خدمت
پیش کی۔ وہ دشمن خدا اور رسولؐ دو کمسن بچوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ لیکن خاک پر
تڑپ رہا تھا۔ رسولِ خدا نے ابوجہل کی لاش پا کر فرمایا۔ کوئی جا کر دیکھے کہ ابوجہل
کیا حال ہے؟ عبداللہؓ بن مسعودؓ آئے اور لبیک یا رسول اللہ کہتے ہوئے
کی طرف گئے اور ابوجہل کو ایک جگہ جان توڑتے ہوئے پایا جبکہ وہ قریباً اپنے
کو پہنچ چکا تھا۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ نے پوچھا کہ تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا
نے مجھ سے بھی بڑا کوئی شخص قتل کیا ہے؟ یعنی میں سب سے بڑا آدمی ہوں جو تم
مارا ہے؟ حسرت سے کہنے لگا۔ "لو غیر اکار قتلنی"[1]۔ کاش میں کسی کسا
کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا۔ پھر اس نے پوچھا مدد ان کس کے ہاتھ رہا۔ میں نے جواب
دیا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے ہاتھ میں۔ ابوجہل بالکل بے حس و حرکت ہو گیا۔

جان دے دی[1]۔ مرتے وقت اُس نے خواہش کی کہ میرا سر گردن کے نیچے سے کاٹنا
تاکہ امتیازی نشان رہے۔ لیکن ابن مسعودؓ نے اس کا سر گردن کے نچلے مقام سے
نہیں کاٹا تھا۔ بلکہ پستہ گردن والا سر بنا ڈالا۔ تاکہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ
ہو جائے۔ جو محسنِ انسانیت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ جب ابنِ مسعودؓ
وہ سر رسولِ خدا کے پاس لائے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! یہ دشمن کا سر ہے۔ تو آپؐ
نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا وقطع دابر الکافرین کے مطابق
خدا تعالیٰ کا قول پورا ہوا۔ دشمن اپنی موت آپ مر گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

پہلا مہاجر جوڑا

حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت رقیہؓ بنت حضرت نبی پاک محمد مصطفٰےؐ

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر و عظیم دختر حضرت رقیہؓ اور اُن کے شوہر
حضرت عثمانؓ بن عفان وہ پہلا جوڑا تھا۔ جو اپنے آبائی گاؤں کو خیرباد کہہ کر مکہ کی سرزمین سے
باہر نکل گیا تھا۔ وہ اسلام کی کرنوں سے منور جوڑا بھاری قدموں اور بوجھل دل سے
رواں دواں تھا۔ کیونکہ وہ جوڑا آج اپنے وطن عزیز کو اپنے دین و ایمان کی خاطر قربان
کر رہا تھا۔ وہ گلیاں اور بازار جن میں وہ پلے بڑھے تھے ان پر تنگ کر دیئے گئے تھے
لیکن معزز بشری ہوتے ہوئے بھی حضرت عثمانؓ احتجاج کے لئے نہیں اُٹھے تھے بلکہ
حکومت و عوام کے سامنے اپنا راستہ ہی بدل گئے تھے۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے
فضلوں سے وہ اکابر مہاجرین "منعم علیہ گروہ میں شمار ہونے لگے۔ اور اللہ تعالےٰ نے
ان پر ایسے ایسے انعامات کئے کہ تاقیامت ان کا نام زندہ و پائندہ رہے گا۔ یہاں تک
کہ وہ خلیفۃ الرسول بننے کا شرف بھی پا گئے۔ خلافت کا منصب پا جانا ان کی گرانقدر
قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے۔

پس یہ وہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان الغنیؓ ہیں جن کا عرصۂ خلافت تمام خلفاء راشدین سے طویل ہے۔ انھوں نے گیارہ سال گیارہ ماہ خلافت کی عظیم ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھائے رکھی۔ اور کما حقہٗ خدمتِ اسلام بجالائے۔ یہانتک کہ اسلام کے استحکام کے لئے جامِ شہادت تک نوش فرمایا۔

حضرت عثمانؓ عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہُوئے[1]۔ آپ کی کنیت ابو عمر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تھی۔ اور اُنہی کے ہاتھوں وہ حلقۂ اسلام میں شامل ہوئے تھے۔ اور عشرہ مبشرہ میں مقام پایا تھا۔ اتفاق سے انہیں دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ ایک دفعہ آپؓ حبشہ کی طرف گئے اور دوسری طرف مدینہ کی طرف جانا پڑا۔ ان کا پہلا نکاح نبوت سے پہلے حضرت رسولؐ خُدا کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے ہی ہوُا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام میں ان کا نکاح ہوُا تھا۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ مؤرخین کا خیال ہے کہ طلاق کی وجہ حضور نبیؐ پاکؐ کی بعثت ہی تھی۔ کیونکہ جب حضرت صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح عتبہ کے ساتھ ہوُا تھا۔ لیکن عتبہ کے باپ ابولہب نے نبوت کے دعوٰی سے چڑ کر رخصتی سے پہلے ہی اپنے بیٹے کو حکم دیا تھا کہ "تم محمدؐ کی بیٹی کو ضرور طلاق دے دو۔ چنانچہ بیٹے نے باپ کا کہا مانتے ہوئے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی تھی۔ اور بعد میں حضرت عثمانؓ نے ان سے شادی کر لی۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ جب ہجرت کر کے حبشہ گئے تو ایک مدت تک ان کا کوئی حال واحوال معلوم نہ ہو سکا۔ حضورؐ کو تشویش لاحق ہوئی۔ ایک عورت نے آکر اطلاع دی کہ اُس نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے از راہ شفقت دُعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بی بی کو ساتھ لے کر ہجرت کی ہے[2]۔

حبشہ میں ان کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوُا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ جو دوؔ سال بعد ۴ھ ہجری کو حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس کی نماز جنازہ حضرت رسُولؐ پاکؐ نے پڑھائی۔ اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اُتارا[3]۔

ف[1]: ۔تاریخ الخلفاء ص۱۷۵ :: ف[2]: ۔شبلی ص۲۶ :: ف[3]: ۔حیات رسالت مآب ص۹۲ ::

صاحبزادی حضرت رقیہؓ رمضان المبارک ۲ھ ہجری کو اکیس بائیس سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ فتح بدر کی خوشخبری جب زیدؓ بن حارثہ لے کر مدینہ پہنچے تو اس خوشی کی خبر کے ساتھ ہی انہیں غم کی خبر کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ افسوس کہ وہ انتقال فرما چکی تھیں۔ اور کفن دفن کا انتظام ہو رہا تھا۔ نماز جنازہ میں نبیؐ پاکؐ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اور ادھر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھی بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کا شمار اہلِ بدر میں کیا جاتا ہے۔ اور حضور نبیؐ پاکؐ نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی دیا تھا[1]۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شادی اُمّ کلثومؓ سے ہوُئی اور منجملہ دوسری خصوصیات کے ایک یہ بھی خصوصیّت ان کو حاصل تھی کہ دنیا میں کسی کا نکاح کسی نبی کی دوؔ بیٹیوں سے نہیں ہوُا۔ سوائے حضرت عثمان الغنیؓ کے یعنی سرور کائناتؐ کی دوؔ صاحبزادیوں کے مجازی خُدا ہونے کا شرف حاصل ہوُا۔ اسی لئے انہیں ذوالنورین بھی کہتے ہیں۔ سہیل بن سعد کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ جنّت میں ایک محل سے دوسرے محل میں جائیں گے۔ اس وقت دوؔ مرتبہ نورانی تجلیاں ہوں گی۔ اس لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

بہر حال ہر جہت سے ان کو رسُول خُدا صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربت ومحبت حاصل تھی۔ حضرت عثمانؓ کی ماں ام حکیم السیفناء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ اور حضورؐ کے والد کی جڑواں بہن تھیں۔ قربت ومحبت کے علاوہ وہ اور جو ان کو خُدا کے محبُوب کے حلقہ سے میسّر آیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کو اتنا محبوب کر گیا کہ عشرہ مبشرہ کے علاوہ۔ وہ ان چھ افراد میں سے بھی تھے جن سے حضورؐ رحلت تک راضی تھے۔ یہانتک کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسُول خُدا جب غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان پر تشریف لے گئے تھے تو اپنے پیچھے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے[2]۔

طبیعت کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ ایک خاموش الطبع تحیّر اللسان تھے۔

ف[1]: ۔تاریخ الخلفاء ص۱۷۵ :: ف[2]: ۔امام حافظ جلال الدین ص۱۰۶ ::

اسلام کے لئے انہوں نے اتنی قربانیاں دیں کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ نے دو۲ مرتبہ رسُول خُدا سے جنت مول لے لی - ایک دفعہ کنواں خرید کر دوسری مرتبہ لشکر کے لئے ساز وسامانِ جنگ دے کر - بیشک وہ فضیلت مآب تھے کہ پہلی اسلام کی صلح میں وہ پہلے سفیر اسلام تھے - کیونکہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے افضل تھے - جنہیں مکہ والے بھی قبول کر گئے - اور ان کی دوستی و قرابت کو ملحوظ رکھتے ہُوئے ان کی بات سُننے پر تیار ہو گئے - نہ صرف مذاکرات بلکہ حضرت عثمان رضؓ کو انہوں نے طوافِ کعبہ کی بھی پیشکش کی - لیکن حضرت عثمان رضؓ نے خود یہ پیشکش قابل قبول نہ خیال کی - کیونکہ جس کا آقا طواف کا باہر منتظر ہو اس کا خادم اکیلے طواف کیسے کرے - چنانچہ یہ کہکر طواف نہ کیا کہ جب تک میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا" ادھر مذاکرات میں کچھ دیر ہو جانے کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ عثمان رضؓ کو قتل کر دیا گیا - یہ خبر سن کر خدا کے رسُول نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا - اور موت کے نام پر بیعت لی - اور یہ پہلی بیعت تھی - اس کو بیعتِ رضوان بھی کہتے ہیں - اس موقعہ پر صحابہ کرامؓ نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم دشمن کے مقابلہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے - چاہے سب مارے جائیں - جب سب بیعت کر چکے تو رسُولِ خُدا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا - اس وقت عثمان رضؓ یہاں نہیں ہے - ممکن ہے وہ مارے گئے ہُوں اور ممکن ہے وہ زندہ ہُوں - اسلئے آپؐ نے اپنا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا "مَیں عثمان رضؓ کی جگہ بیعت کے لئے ہاتھ رکھتا ہوں[1] ؏

اب اگر غور کیا جائے تو خُدا تعالےٰ نے حضرت عثمان رضؓ کی قربانیوں کے بدلے اُنہیں وہ مقام عطاء کیا کہ اُن کا ہاتھ نبی کا ہاتھ قرار پایا اور اس طرح نبیؐ پاک سے حضرت عثمان رضؓ نے اتنا بڑا اعزاز عطاء کیا - اُس کے مقابل میں ہزار سالہ زندگی بھی ہیچ تھی۔

خوبصورتی وجاہت کے لحاظ سے بھی حضرت عثمان رضؓ ایک منفرد مقام رکھتے تھے - حضرت ام المؤمنین عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسُول خدُا نے حضرت عثمان رضؓ کا نکاح جب امّ کلثوم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا - بیٹی! تمہارے دولہا کے دادا حضرت

---

[1] :- تاریخ الخمیس جلد دوئم ص۲۲

ابراہیم اور تمہارے باپ محمد مصطفےٰ صلعم صورت میں مشابہ ہیں -

بے شمار فتوحات کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کو یکجا یعنی جمع کر کے مسلمانوں پر احسان کیا - دوسرے مسجد نبوی کی توسیع کی اور تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کرائی - اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائے - اور چھت پر ساگوان لگوایا - یہی خلیفہ تھا جس نے مسجد کو یہ شکل دی - اس وقت کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک سو پچاس ہاتھ تھا - نیز ایک سو چھیالیس ۱۴۶ حدیثیں بھی آپ رضؓ سے مروی ہیں -

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت ایام تشریق عید الاضحیٰ کے دن ہوئی - اس وقت آپ کی عمر چھیاسی ۸۶ سال تھی - ان کو شہید کرنے والا مصری شخص تھا - جس کا نام حمار تھا - وہ سُرخ رنگ اور نیلی آنکھوں والا نوجوان تھا[1] - اُس نے انہیں عین دن کے وقت ۳۵ ہجری کو شہید کیا - جبکہ آپ رضؓ قرآن مجید پڑھ رہے تھے - ان کی انگلیاں بھی کٹ کر ہاتھ سے جُدا ہو گئیں - انہیں ہفتے کے دن مغرب و عشاء کے درمیان جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا - جسے حشّ کوکب کہتے ہیں - ان کی شخصیت اوّلین ہے جسے یہاں دفن کیا گیا تھا - نماز جنازہ بموجب وصیّت حضرت زبیر رضؓ نے پڑھائی اور انہوں نے ہی لحد میں اُتارا تھا[2] ؏

---

[1]، [2] :- تاریخ الخلفاء ص۱۹۱، ص۱۹۰ ؏

آپؐ کا پہلا مسلمان چچا

حضرت حمزہ رضی بن عبدالمطلب

وہ ہمارے یتیموں کے لئے دوسروں پر غالب آجاتا تھا اور بڑے بڑے
مفکروں میں اسلحۂ جنگ کے ساتھ کود جانے والا شیر تھا۔

بیشک یہ کودنے والا شیر اسداللہ و اسد رسُول تھا۔ خُدا کا شیر حضرت حمزہ
وہ خوش نصیب چچا ہے۔ جس کو سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے کی بحیثیت
کے سعادت حاصل ہوئی۔ وہ رسُولِ خُدا کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ حضرت
حمزہ رضؓ کی مرضعہ ثوبیہ کا دودھ چند دن حضورؐ نے بھی پیا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول
کرنے میں پس وپیش نہیں کی بلکہ حق تو یہ ہے کہ اتنی تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ دیکھیں
"وہ پکار کیا ہے جس کی طرف میرا اپنا رضائی بھائی بلا رہا ہے۔ سیر و تفریح میں ماہ
سال حتیٰ کہ چھ سال گزر گئے۔ لیکن بندۂ خُدا نے کبھی تجسس نہ کیا کہ آخر مُحمّد
کس ہستی کی نشاندہی کر رہا ہے۔

خون کا جوش اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ انسان خون کے جوش کے سامنے جھک
غیرت کا گلا دبا دیتا ہے۔ حضرت حمزہ رضؓ کا ایمان لانے کا واقعہ بھی کچھ خونی تعلق کی ہی
ایک جوشیلی مثال ہے۔

"ایک دن حضرت حمزہ رضؓ شکار سے واپس آئے تو ایک خادمہ نے بڑھکر شکایت
کی کہ ابھی ابھی ابوجہل آیا اور تمہارے بھتیجے کو گالیاں دے کر گیا ہے۔ مگر آفرین ہے
محمدؐ پر کہ جنہوں نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔"

حضرت حمزہ رضؓ نے واقعہ کی ساری تفصیل سُنی اور غیرت سے بے تاب ہو کر باہر
نکل آئے۔ مجلسِ کفار میں آکر دیوار میں ٹیک لگائی اور کمان پر سہارا لگا کر کچھ کہنا چاہا

لیکن شدّتِ غم سے کچھ بات مُنہ سے نہ نکلی تھی کہ ابوجہل بولا خیر تو ہے۔ تم تو ایسے
کھڑے ہو جیسے کوئی لڑائی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ امیر حمزہ رضؓ کی آنکھوں
میں خون اُتر آیا اور فطرتی غیرت جوش زن ہوئی اور اپنی کمان پُورے زور سے
ابوجہل کے سر پر دے ماری۔ اور کہا تم نے محمدؐ کو گالیاں دی ہیں۔ ظالم تمہارے ظلم
کی کوئی انتہا بھی ہے۔ لے سُن لے! میں بھی آج اس کے دین پر ہُوں۔ اور آج میں بھی
وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ پس اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو میرے سامنے بول۔ ابوجہل
کے ساتھی حمایت میں اُٹھے۔ لیکن حضرت حمزہ رضؓ کی دلیری و جرأت ابوجہل کو ساکت و
ششدر کر گئی۔ اور اُس نے یہ کہکر کہ واقعی مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ معاملہ ختم کر دیا۔

حضرت حمزہ جب مجلس سے نکلے تو عظیم بول پر غور کرنے لگے۔ کہ یہ غصّے کا فیصلہ
کس حد تک قابلِ قبول ہے؟ "میں بھی محمدؐ کے دین پر ہُوں" بظاہر جوش کا فیصلہ تھا۔
لیکن جڑھیں دل کی گہرائی تک اتر چکی تھیں۔ چنانچہ شرک سے توبہ کی اور ایک دو۲ دن
بعد رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے۔ اور فاتحانہ طور پر اپنا سر خدائے
قادر و خالق کے سامنے جھکا دیا۔ پس اُن کے غصّہ کا فیصلہ بھی فولادی چٹان کی طرح ثابت
ہُوا۔ رسُولِ خُدا کو اپنے چچا سے بے پناہ پیار تھا۔ اُن کے فولادی فیصلے کو دیکھ کر
بے حد خوش ہُوئے۔ اور قریشِ مکّہ کو انھوں نے سمجھا دیا کہ سچائی کے وہ جذبات
جو میرے بھتیجے کے سینے میں اُبھرے ہیں۔ اُن میں آج سنہ ۶ نبوی سے میری دھڑکنیں
بھی شامل ہیں۔ اب کمزور و ناتواں مومنوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ دنیوی لحاظ
سے حضرت ابوبکر رضؓ کے علاوہ حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی طاقت و عظمت بھی شامل
ہو گئی۔ جس کے اثرات چنداں بہت اچھے ہُوئے۔

حضرت حمزہ رضؓ کا نازک وقت میں ایمان لانا ایک غیبی طاقت تھی جو سیّد المخلوق
کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ آپ رضؓ جوشیلے اور جنگ و قتال کے بہت ماہر تھے اور جدال و
قتال میں ہمیشہ سبقت لینے میں کوشاں رہتے تھے۔ جنگِ بدر میں وہ پیش پیش
تھے۔ جنگِ اُحد میں وہ ایک ایک کا صفایا کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ارطاہ

بن عبد شرجیل کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ ارطاۃ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں
نے جھنڈا اُٹھا رکھا تھا ۔ پھر سباح بن عبدالعزیٰ حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھا کہ "وحشی
جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام جو کہ اسی تاک میں تھا کہ کوئی موقعہ ملے ۔ کہ حضرت حمزہؓ
کو مار کر آزادی حاصل کی جائے ۔ کیونکہ جبیر بن مطعم نے اسے قول دیا تھا کہ" اگر
وہ جبیر کے چچا طُعَیمہ بن عدی جو کہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا ۔ کا انتقام محمدؐ کے چچا
کو قتل کر کے لے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا ۔" اپنی آزادی کی خاطر وحشی نے (جو
حبشیوں کے انداز پر اس طرح حربہ پھینک کر مارتا تھا کہ کم ہی خطا کرتا تھا) کہا کہ حضرت
حمزہؓ نے سباع بن عبدالعزیٰ پر تلوار کا وار بڑی تیزی سے کیا ۔ مگر وہ خطا کیا کہ عین
اسی وقت میں نے اپنا حربہ چلا کر اور خوب نشانہ باندھ کر اس طرح پھینکا کہ وہ ٹھیک
ان کی ناف کے اُوپر کے حصّے میں جا لگا ۔ اب حمزہؓ میری طرف لپکے لیکن وہ شکستہ
ہو چکے تھے ۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر رسُول خُدا بے حد رنجیدہ ہُوئے ۔ کیونکہ آپؐ کے
وہ رضاعی بھائی بھی تھے ۔ اور ایسے وقت میں اپنے خاندان میں سے ایمان لائے کہ
مسلمانوں پر گھٹن کی زندگی حاوی تھی ۔ ایک دفعہ جب وحشی نے اسلام اختیار کیا تو آپؐ
نے اس سے سارا واقعۂ شہادت خود سُنا ۔ فرمایا! "بیٹھ جاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ تم نے
حمزہؓ کو کِس طرح قتل کیا تھا ۔" وحشی نے من و عن سارا واقعہ سنایا تو رسولِ خُدا
نے فرمایا ۔ "بُرا ہو تیرا اپنا چہرہ میرے سامنے سے ہٹا لے ۔" میں تیرا چہرہ کبھی نہ
دیکھوں ۔"

وحشی کہتا ہے کہ اُس کے بعد جب کبھی جہاں بھی رسُولِ خُدا ہوتے ۔ میں ہمیشہ ایک
طرف مُنہ چُھپا کر کھڑا ہو جاتا ۔ تاکہ آپؐ کو میری صورت نظر نہ آئے ۔ وحشی کہتا ہے کہ
رسُولِ خُدا کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت حمزہؓ کو میں نے قتل کیا ۔ جس کا بدلہ
میں نے مسیلمہ کذّاب کو قتل کر کے اتار دیا ۔ کیونکہ وہ سب سے بدتر انسان تھا ۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ہندہ بنت عتبہ نے اُن کا مُثلہ کیا اور دوسری

عورتیں بھی ہندہ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرامؓ جو شہید ہُوئے تھے ان کے کان ۔ ناک
کاٹ کر ہار ۔ بُندے اور پازیب بنا رہی تھیں ۔ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کے کان اور
ناک کاٹ کر خود اپنے ہار ۔ بُندے اور آویزے اُتار کر وحشی کو دے دیئے اور ان
کے اعضاء ہار بنا کر پہن لئے ۔

یہاں تک کہ ان کا جگر چیر پھاڑ کر چبانا چاہا ۔ نِگلنے کی کوشش کی اور جب نِگل
نہ پائی تو تھوک دیا ۔ پھر اُونچی چٹان پر چڑھ گئی ۔ اور بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگی
میں ساری عمر وحشی کی شکر گزار رہوں گی ۔ یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں گل نہ
جائیں ۔"[1]

جب رسُولِ خدا نے یہ منظر دیکھا تو اس قدر غصّے کے جذبات آپؐ کے
چہرے پر نمودار ہُوئے ۔ کہ آپؐ نے فرمایا ۔ تمہاری وجہ سے مجھے جو مصیبت پہنچی
ہے ۔ آئندہ کبھی نہیں پہنچے گی ۔ میں کبھی ایسی جگہ نہیں ٹھہرا جو اس سے زیادہ مجھے
غصّہ دلانے والی ہو ۔" پھر فرمایا جبریل علیہ السّلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ
ساتویں آسمان کے لوگوں میں حمزہؓ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ حمزہؓ ابن عبدالمطلب
"اسد اللہ" و اسدِ رسول ۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحش کو (ماموں ۔ بھانجا) ایک ہی قبر میں دفن
کر دیا گیا تھا ۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن جحش کا بھی مُثلہ کیا گیا تھا ۔ حضرت عباسؓ
کے فرزند عبداللہؓ نے بیان فرمایا کہ رسُولِ خدا نے حضرت حمزہؓ کو ایک چادر میں
لپیٹنے کا حکم دیا ۔ اور نماز جنازہ پڑھائی ۔ جس میں سات تکبیریں کہیں ۔ پھر دوسرے
شہیدوں کو لایا گیا ۔ اور یکے بعد دیگرے حضرت حمزہؓ کے باز دیں رکھتے گئے ۔ اور
آپؐ ان کی نماز جنازہ پڑھاتے گئے ۔ ساتھ حضرت حمزہؓ کی بھی نماز جنازہ ہوتی رہی
اس طرح حضرت حمزہؓ پر رسُولِ خُدا نے بہتّر[2] مرتبہ نماز جنازہ پڑھی ۔ شعراء نے
اپنے اپنے درد کے مطابق ان کے مرثیے کہے ۔ کعب کہتے ہیں ۔ "حمزہؓ ایک
ایسے سردار تھے ۔ جو بنو ہاشم میں چوٹی کے آدمی تھے جن میں نبوت عطاء ہوئی بخشش

[1]: ۔ سیرۃ النبی کامل ص۵۸ باب ۱۱۲

اور سرداری کی صفت موجود تھی۔ اب حمزہؓ کو کھو کر میں بالکل شکستہ اور بوڑھا ہوگیا
ہوں۔ بوجہ تمہاری شہادت کے۔

پہلی مسلمان شہید عورت

حضرت سمیہؓ ۔ ۶ سنہ نبوی

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فدائیان کی فہرست میں جہاں صحابہ
کرام کے ایثار کا ذکر آتا ہے۔ وہاں خوشی کی بات ہے کہ صحابیاتؓ بھی کسی قربانی
سے پیچھے نہیں رہیں۔ جب کہ قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں
پر لوٹتا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ مرد تو صبر کے مجسمے برداشت کرتے رہے
لیکن عورت بوجہ ناتوان و لطیف اعضاء کے ظلم کی چکی میں پسی گئی۔ لیکن ہمیشہ
کے لئے زندہ ہوگئی۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ ایسی ایسی اذیتوں میں گزرے کہ آج بھی
پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دراصل جتنا بڑا عظیم مشن ہوتا ہے اتنا ہی
کٹھن پر ہمت عزم و ایثار کا نمونہ دیکھنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام اسلام کیلئے جانیں
پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اور قریش اُن پر جور و ستم کرنے میں ایک
دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ یوں تعذیب مسلمین کے باب پر غور کریں تو آزاد
مسلمانوں پر بھی کچھ کم ظلم نہیں ہوئے۔ ان کے بزرگ اور خاندان کے بڑے باپ دادا
مختلف قسم کی تکلیفیں دے کر توحید کے راستہ سے جدا کرنا چاہتے تھے۔ حضرت
عثمانؓ بن عفان صاحبِ جاہ و عزت تھے اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی
تھی۔ جب ان کو ان کے اپنے چچا کے حکم سے رسی سے باندھ کر مارا جاتا تھا[1]
حضرت ابو ذرؓ غفاری۔ حضرت زبیرؓ بن عوام نے جو مصائب برداشت کئے وہ بھی
غلاموں کی تعذیب سے کسی حالت میں کم نہ تھے۔ غلام مردوں کے علاوہ بیچاری مسلمان

[1] ۔ طبقات عثمانؓ بن عفان۔

کنیزیں بھی تختۂ مشق بنی رہیں۔ حضرت لبنیٰ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زنیرہؓ۔ حضرت
نہدیہؓ اور ام عبیسؓ تمام کی تمام صحابیات نے صبر آزما مصیبتیں سہیں۔ لیکن
حضرت سمیہ کا نام سرِ فہرست آگیا۔ کیونکہ خداتعالےٰ نے انہیں یہ اعزاز دیا کہ وہ
شہید ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئیں۔ اور مسلمان عورتوں کا فخر سے سر بلند
کر گئیں۔ یہ پہلی عظیم مجاہدہ خباط کی بیٹی اور مکہ کے ایک شخص ابو حذیفہ کی کنیز
تھیں۔ جب یاسر یمن سے مکہ آئے تو ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سمیہ کی شادی
ان سے کر دی۔ عمارؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت سمیہ اور ان کے
شوہر یاسرؓ اور بیٹے عمارؓ نے جب دعوتِ اسلام قبول کی تو اس وقت مطابق
شبلی نعمانی تین آدمی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس
وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں چلے گئے تھے۔
اور تیس ۳۰ سے زیادہ اشخاص ایمان لا چکے تھے۔ بہر طور عمارؓ اور ان کے والد و
والدہ حضرت سمیہؓ کا شمار ابتدائی ایمان لانے والوں میں ضرور ہوتا ہے۔ پس
ان ابتدائی ماننے والوں پر مصائب کی آندھیاں بھی بے شمار چلیں۔ انتہائی ظلم بھی ان پر
کئے گئے لیکن وہ ظاہر میں انسان اور باطن میں فرشتے تھے۔ ان کے دلوں میں خداتعالےٰ
کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ جب دوستوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ رشتہ داروں نے منہ
موڑ لیا۔ تو خداتعالیٰ ان کے دلوں میں کہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں
تمہارے ساتھ ہوں۔ اور یہ سب ظلم ان کے لئے راحت ہو جاتے تھے۔ گالیاں
دعائیں بن کر لگتی تھیں۔ پتھر مرہم کے قائمقام ہو جاتے تھے۔ جہاں ظلم اپنی انتہا کو
پہنچ گیا وہاں اخلاص اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ صحابہ کرامؓ آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر
مصائب کی روئیداد سناتے جس سے آپؐ کا چہرہ تکلیف سے سُرخ ہو جاتا۔ لیکن ہمیشہ
آپؐ صبر کی تلقین فرماتے۔ اور فرماتے کہ ہمیشہ سے یہی سنت چلی آتی ہے کہ رسولوں اور
ان کے متبعین کو دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن انجام کار ان کی فتح ہوتی ہے۔ ایک دفعہ
صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے بد دعا کی درخواست بھی کی لیکن آپؐ نے فرمایا۔ "دیکھو تم سے

پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلائے گئے اور چیر ڈالے گئے مگر وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ دیکھو خدا اس کام کو خود پُورا کرے گا۔ حتّٰی کہ ایک شتر سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا۔ اور اُس کو سوائے خُدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا"۔ پس مخالفتیں بڑھتی رہیں اور ایمان بھی ترقی کرتا رہا۔ حضرت سمیّہ رضؓ نے بنو مخزومہ کی لگاتار اذیتیں برداشت کیں اور ثابت قدمی ۔ صبر و استقامت سے اپنی شہادت کو گلے لگالیا۔ اور اس طرح وہ ایثار و قربانی کی درخشندہ پیکر بن گئیں۔

ایک دفعہ جب ان کو تکلیف دی جا رہی تھی تو سرور کائنات صلعم کا وہاں سے گزر ہوا ۔ ان کو اذیّت دیتے ہُوئے آپؐ نے دیکھا اور یہ دل آزار منظر آپؐ کے دل کی گہرائیوں تک اُتر گیا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"یَا اٰلَ یَاسَرْ مَوْعِدُکُمُ الْجَنَّۃ"

"اے یاسر کے خاندان صبر سے کام لو خُدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے"

سو ہوا یہی کہ جہاں چند مسلمان مصائب سے تنگ آکر اپنے گھر بار کو الوداع کہہ گئے تھے۔ یہ لوگ بوجہ غربت و کمزوری ہجرت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اُدھر ابوجہل اسلام کا بدترین دشمن شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ اس نے حضرت سمیّہ رضؓ کا گھر تک جلا ڈالا۔ ان کے شوہر حضرت یاسر رضؓ اور بیٹے حضرت عمّار رضؓ کو زنجیریں پہنا کر گھسیٹ کر قید خانے لے جاتا۔ اور حضرت سمیّہ رضؓ کو بالوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر پھینکتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ جب وہ اپنے پیارے محبوب رسُولِ صلعم خُدا کو اپنی تکلیفوں پر دلگیر دیکھتیں تو اپنی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بآواز بلند کہتیں"۔ مَیں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ اور آپؐ کا وعدہ سچا ہے آپؐ نے انہیں جنّت کی خوشخبری دی اور یہ پیشگوئی تھوڑے دنوں میں پوری ہوگئی کیونکہ یاسر رضؓ مار کھاتے کھاتے شہید ہو گئے۔ اور حضرت سمیّہ رضؓ کو تپتی ہوئی سلاخوں سے داغا گیا۔ یہانتک کہ ابوجہل نے ان کی حق گوئی سے مشتعل ہو کر ان کی ران پر زور سے نیزہ مارا ۔ جو ران کو چیرتا ہُوا ان کے پیٹ میں گھس گیا۔ اور انہوں نے تڑپتے ہُوئے جان دے دی۔ اور جنت میں داخل ہوگئیں۔ اور باقی صرف حضرت عمار رضؓ رہ گئے۔ انہیں اپنی ماں کی جدائی کا سخت صدمہ ہُوا ۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہُوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بڑی ہی شفقت سے انہیں صبر کی تلقین کی۔ اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

"خُداوند آلِ یاسر کو جہنم سے بچا"۔ آمین

حضرت عمّار رضؓ کو بھی لوگوں نے سخت عذاب اور دُکھ میں ڈالا۔ اور ان کو کہا کہ جب تک "محمدؐ" کا انکار نہ کرو اسی طرح عذاب دیتے رہیں گے۔ ایک دفعہ انہوں نے ہجرت کرنی چاہی تو کفّار نے کہا کہ اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے بخوشی یہ قبول کیا۔ اور اپنا گھر بار مال و متاع ان کے حوالے کر کے مکہ کی سرزمین کو خیر باد کہہ دیا۔

چنانچہ حضرت عمّار رضؓ کو صحابہ کرامؓ میں وہ رتبہ حاصل تھا کہ آنحضرت صلعم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ "جو عمّار رضؓ سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے بھی دشمنی رکھتا ہے"۔ غزوہ بدر میں جب ابوجہل قتل ہُوا تو عمّار رضؓ کو بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خُدا نے فیصلہ کر دیا"

اس طرح حضرت سمیّہ رضؓ کو یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ ان کا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پُورا کرنے کا موجب ہُوا ۔ اور ان کا نام تاریخ اسلام میں بحیثیت راہ حق کی پہلی شہید عورت ہمیشہ ہی جگمگاتا رہے گا ؛

پکڑ گئی - یہانتک کہ ابوالبختری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی لے کر اُسے مارا اور
اس کا سر زخمی کر دیا - اور خوب لاتیں لگائیں - یہ ابوالبختری وہ شخص ہے جو معاہدہ کے
خلاف ہو گیا - اور چپکے چپکے حکیم بن حزام کے ساتھ مل کر کچھ گیہوں اور خانگی ضروریات
روانہ کیا کرتا تھا - اسی کے لئے رسُولِ خُدا نے فرمایا - "بدر کے شکست خوردہ لوگوں میں
سے اگر ابوالبختری نظر آئے تو اُسے قتل نہ کرنا - کیونکہ وہ آیا نہیں ہے لایا گیا ہے - اور
اُس نے معاہدہ کو توڑنے پر حق شناسی کا ثبوت دیا تھا - جب قریش اس معاہدہ پر جم گئے
تو حضرت ابوطالب نے چند اشعار کہے جن سے ان کی دُکھی اور رنجیدہ طبیعت کا اظہار
ہوتا ہے -

"کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰؑ کی طرح اگلی کتابوں
میں ان کا حال لکھا ہے - اور تمہارا وہ نوشتہ جسے تم نے چسپاں کیا ہے وہ
تمہارے ہی واسطے منحوس ہوگا - جس طرح نوح علیہ السلام کی اونٹنی کے
بچے کی آواز تھی - یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب پیدا نہ کرو - کیونکہ
جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے - اکثر اُس نے کڑوا ہی
محسوس کیا ہے"

لیکن قریش و رؤسائے مکّہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہُوا - سعدؓ بن ابی وقاص بیان
کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بھوک نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ سوکھا ہُوا چمڑا انہوں نے
پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھایا - محصورین کے بچوں کے رونے کی آواز دُور دُور
تک جاتی اور مخالفین کے لئے خوشی کا موجب ہوتی -

لیکن ہر جگہ کچھ نیک دل لوگ بھی ہوتے ہیں - ایسے ہی عمرو بن ہشام نے جو کوشش
اس معاہدہ میں کی وہ کسی اور نے نہیں کی - وہ غلّے کے اُونٹ لاد کر رات کو آتا اور درّہ
کے باہر نکیل نکال کر اُونٹ اندر ہانک دیتا جو سیدھا اندر چلا جاتا - اور محصورین کے
پاس پہنچ جاتا - اسی طرح زہیر بن ابی امیّہ مطعم بن عدّی - ابوالبختری بن ہشام اور
ذمعہ بن اسود یہ پانچ حق شناخت لوگ تھے - جو اس معاہدہ سے بیزاری کا اظہار کرنے

لگے - اسی اثناء میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چچا کو اطلاع دی کہ -

اے چچا! "اللہ تعالےٰ نے دیمک کو نوشتہ قریش پر غالب کر دیا - اس
نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی رشتے
ناطے توڑنے اور بہتان کی طرح باتیں تھیں اس نے اس میں سے
نکال ڈالیں"

انہوں نے پوچھا کیا آپؐ کے پروردگار نے یہ اطلاع دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا -
نَعَمْ (ہاں) واللہ پھر تو تم پہ کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا[1]

پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنا معاہدہ دیکھو - ایسا ایسا
ہے - اور اگر جیسا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے - ویسا ہے تو پھر ہمارے قطع تعلق
سے باز آجاؤ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو مَیں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کرتا
ہوں - تمام لوگ اس پر راضی ہو گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حالت ویسی ہی ہے
جیسے کہ رسُول اللہؐ نے فرمائی -

اب چند حق شناس لوگ جو اس معاہدہ کے خلاف ہو گئے تھے - جب نوشتہ
کو تلف کرنے لگے تو مطعم بن عدی آگے بڑھے تاکہ نوشتہ کو چاک کر ڈالیں تو انہیں
معلوم ہُوا کہ بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ کے سوا دیمک نے تمام چاٹ لیا ہے -
سُبْحٰنَ اللّٰہَ عَلٰی ذٰلِكَ ؎

---

[1] : سیرۃ النبی کامل - مرتبہ ابن ہشام باب ۵۷ ص۳۷۹ ؎

سوشل بائیکاٹ

محاصرہ شعبِ ابی طالب

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ؎

سورۃ طٰہٰ کی یہ جامع آیات حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر بہادر انسان کو کلمہ گو بنا گئیں تھیں۔ خونی رشتہ کبھی کبھی اتنا جوش دکھاتا ہے کہ انسان اپنے خون کے جوش کے سامنے جھوٹی غیرت کا گلا دبا دیتا ہے۔ ایسے ہی حضرت حمزہؓ کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا تھا۔ یہ برداشت نہ کر سکا کہ خاموش تماشائی بنا رہے۔ وہ جوشیلا چچا آگے بڑھا اور کلمۂ توحید پڑھ کر بھتیجے کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ نہ تو عمرؓ کی بہادری اور نہ ہی حمزہؓ کا جوشِ حمیت مسلمانوں کو اذیتوں سے نجات دلا سکا۔ بلکہ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے ایمان لے آنے سے اور حبشہ کی طرف چند صحابہ کرام کے کُوچ کر جانے اور بحفاظت وہاں پہنچ جانے سے کفار اور بھی سیخ پا ہو گئے۔ اس پہ طرّہ یہ کہ ان میں سے جس نے بھی نجاشی کے پاس پناہ لی۔ اُن کی حفاظت و حمائت ہوتی رہی۔ چنانچہ قریش کا وفد جو عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ پر مشتمل تھا۔ ناکام و نامراد ہو کر نجاشی کے دربار سے واپس لوٹا۔ تو اس ناکامی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب تو سب نے ایک معاہدہ لکھنے کا پروگرام بنایا۔ اور سوشل بائیکاٹ کی صورت پیدا کر دی۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ معاہدہ نضر بن حارث نے تحریر کیا تھا۔ یہ خیال زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ رسولِ خداؐ کی بددعا سے اُس کی انگلیاں بے کار ہو گئی تھیں۔ اُس نے اِس معاہدہ میں مندرجہ ذیل اندراجات کئے:۔

۱۔ شادی بیاہ یا خرید و فروخت کے تعلقات بنی ہاشم و بنی مطلب کے ساتھ قطعی منقطع

؎ :۔ طٰہٰ آیت نمبر ۱۵:

کر لئے گئے ہیں۔

۲۔ نہ ان سے کوئی قرابت کرے گا اور نہ ملے گا نہ ملنے دے گا جب تک کہ وہ محمدؐ صلعم سے الگ نہ ہو جائے۔

۳۔ اور مجلسِ شوریٰ میں جو فیصلہ ہوا تھا وہ ایک جگہ محصور کر کے زیادہ تباہ کرنے کا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ معاہدہ تھا جو کعبۃ اللہ میں لٹکایا گیا۔ چنانچہ آپؐ کے متبعین آپؐ کے بیوی بچے۔ ان کے بیوی بچے۔ بنو طالب (سوائے ابولہب) تمام بے بسی و بے کسی کی حالت میں ایک پہاڑی درّہ شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔ خدا کا پیارا نبیؐ جس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ ذخیرہ سوائے چند غیر متزلزل ایمان رکھنے والے ساتھیوں کے تین سال تک محاصرہ کی صعوبتیں جھیلتا رہا۔

ابولہب نکل کر قریش کی جانب ہو گیا۔ اور انہی کی امداد کی۔ ابولہب نے کہا اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے لات و عزیٰ کی مدد نہیں کی؟ کیا میں نے ان لوگوں کو نہیں چھوڑ دیا جنہوں نے لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔" وہ بولی! اے ابو عتبہ! اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ اس پر سورۃ لہب نازل ہوئی۔ کہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی برباد ہو گیا۔ اور اس کی بیوی عتبہ کی بیٹی کے لئے خداوند کریم نے فرمایا۔ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ اور اسے جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا۔

محاصرہ نے طول کھینچا تو تین سال تک چلتا رہا۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس جانا چاہتا یا کچھ پہنچانا چاہتا۔ تو چھپ چھپا کر ہی پہنچا سکتا تھا۔ حکیم بن حزام کو ایک دفعہ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ جو اکثر و بیشتر اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے لئے کچھ اناج اور ضروری اشیاء لے کر آیا کرتے تھے۔ ابوجہل جھپٹ گیا اور کہنے لگا۔ تو بنی ہاشم کے لئے لاتا ہے۔ واللہ! تو اور تیرا کھانا اس مقام سے ہٹ نہیں سکتا جب تک تیری رسوائی نہ کر دوں۔ اتنے میں ابو البختری آ گیا۔ اور اس نے ابوجہل کو برا بھلا کہا۔ بات طول

پکڑ گئی۔ یہانتک کہ ابوالبختری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی لے کر اُسے مارا او
اس کا سر زخمی کر دیا۔ اور خوب لاتیں لگائیں۔ یہ ابوالبختری وہ شخص ہے جو معاہدہ کے
خلاف ہو گیا۔ اور چپکے چپکے حکیم بن حزام کے ساتھ مل کر کچھ گیہوں اور خانگی ضروریات
روانہ کیا کرتا تھا۔ اسی کے لئے رسُولِ خُدا نے فرمایا۔ "بدر کے شکست خوردہ لوگوں
سے اگر ابوالبختری نظر آئے تو اُسے قتل نہ کرنا۔ کیونکہ وہ آیا نہیں ہے لایا گیا ہے۔ ا
اُس نے معاہدہ کو توڑنے پر حق شناسی کا ثبوت دیا تھا۔ جب قریش اس معاہدہ پر جم گ
تو حضرت ابوطالب نے چند اشعار کہے جن سے ان کی دُکھی اور رنجیدہ طبیعت کا اظہا
ہوتا ہے۔

"کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰؑ کی طرح اگلی کتابوں
میں ان کا حال لکھا ہے۔ اور تمہارا وہ نوشتہ جسے تم نے چسپاں کیا ہے وہ
تمہارے ہی واسطے منحوس ہوگا۔ جس طرح نوح علیہ السلام کی اونٹنی کے
بچے کی آواز تھی۔ یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب پیدا نہ کرو۔ کیونکہ
جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے۔ اکثر اُس نے کڑوا ہی
محسوس کیا ہے"

لیکن قریش و رؤسائے مکہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعدؓ بن ابی وقاص بیان
کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بھوک نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ سوکھا ہوا چمڑا انہوں نے
پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھایا۔ محصورین کے بچوں کے رونے کی آواز دُور دُو
تک جاتی اور مخالفین کے لئے خوشی کا موجب ہوتی۔

لیکن ہر جگہ کچھ نیک دل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عمرو بن ہشام نے جو کو
اس معاہدہ میں کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ وہ غلّے کے اُونٹ لاد کر رات کو آتا اور د
کے باہر نکیل نکال کر اُونٹ اندر ہانک دیتا جو سیدھا اندر چلا جاتا۔ اور محصورین کے
پاس پہنچ جاتا۔ اسی طرح زہیر بن ابی امیہ۔ مطعم بن عدی۔ ابوالبختری بن ہشام او
ذمعہ بن اسود یہ پانچ حق شناخت لوگ تھے۔ جو اس معاہدہ سے بیزاری کا اظہار کر

لگے۔ اسی اثناء میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے چچا کو اطلاع دی کہ۔

"اے چچا! اللہ تعالےٰ نے دیمک کو نوشتہ قریش پر غالب کر دیا۔ اس
نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی، رشتے
ناطے توڑنے اور بہتان کی طرح باتیں تھیں اس نے اس میں سے
نکال ڈالیں"

انہوں نے پوچھا کیا آپؐ کے پروردگار نے یہ اطلاع دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔
نَعَمْ (ہاں)، واللہ پھر تو تم پر کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا[1]

پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنا معاہدہ دیکھو۔ ایسا ایسا
ہے۔ اور اگر جیسا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے۔ ویسا ہے تو پھر ہمارے قطع تعلق
سے باز آجاؤ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کرتا
ہوں۔ تمام لوگ اس پر راضی ہو گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حالت ویسی ہی ہے
جیسے کہ رسُول اللہؐ نے فرمائی۔

اب چند حق شناس لوگ جو اس معاہدہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ جب نوشتہ
کو تلف کرنے لگے تو مطعم بن عدی آگے بڑھے تاکہ نوشتہ کو چاک کر ڈالیں تو انہیں
معلوم ہوا کہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کے سوا دیمک نے تمام چاٹ لیا ہے۔
سُبْحٰنَ اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ ؎

---

[1] : سیرۃ النبی کامل۔ مرتبہ ابن ہشام باب ۵۷ ص ۳۷۹ ؎

سفر بعد از نبوت

سفرِ طائف شوال ۱۰ نبوی عمر ۴۹ سال ۷ ماہ ۹ دن[۵]

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۔ (سورۃ یٰسین)

مکّہ کے رؤساء میں سے ابوجہل رئیس المعاندین نے حضرت رسولِ خداؐ کی زندگی اجیرن کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی یہانتک کہ سرِ بازار لوگوں کو چیلنج کرتا پھرتا کہ کون مائی کالال ہے جو محمدؐ (صلعم) کو اس عذاب میں مبتلاء کرنے میں سبقت لے جائے اور سنت اللہ بھی یہی ہے کہ ہر جگہ بڑے لوگ ہی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق اور فتنہ و فساد برپا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں مکّہ میں بھی رؤساء ہی پیش پیش تھے۔ کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ لیکن حضرت ابوطالبؓ کی وفات کے بعد تو مخالفت میں اندھے ہوگئے۔ حالات سے نالاں ہوکر ایک دفعہ آپؐ نے ارادہ فرمایا۔ کہ طائف والوں کو دعوت دی جائے۔ طائف مکّہ کا ہی ہم پلّہ تھا۔ اس میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولتمند لوگ رہتے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپؐ نے مکّہ سے ہٹ کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوئی دوسری جگہ منتخب کی۔ آج شوال ۱۰ نبوی طائف والوں کی قسمت آزمائی کا دن تھا۔ تاکہ دیکھا جائے کہ رحمٰن کے جھنڈے تلے کون کون آجاتا ہے؟۔ آپؐ اسی اُمید پر وہاں تشریف لے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو بات آپؐ لائے ہیں۔ شاید وہ اسے قبول کرلیں۔ اس لئے آپؐ ان کے پاس تنہا تشریف لے گئے۔

آپ سے یکے بعد دیگرے شہر کے رؤسا سے ملاقات ہوئی ثقیف کے سربراہ جو تین بھائی تھے۔ عبد یالیلؓ، مسعودؓ اور حبیبؓ بن عمرو کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے

نہ صرف انکار کیا بلکہ شہر کے آوارہ لوگ آپؐ کے پیچھے لگا دیئے۔ آپؐ شدید رنجیدہ ہوئے کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اُبھارا جنہوں نے گالیاں دیں اور شور مچایا۔ حتیٰ کہ لوگ آپ کے ساتھ جمع ہوگئے اور تمسخر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آج اس خطہ کی قسمت میں بھی مکّہ کی طرح اسلام لانا مقدّر نہ تھا۔ انہوں نے محمدیت کی چادر تلے آنے کی بجائے آپؐ پر پتھروں کی بارش کردی۔ اور وہ منجیؐ جس کی ذات بابرکات نجات کا موجب تھی۔ آپؐ ان ظالموں سے نجات پانے کے لئے تین میل تک بھاگے یہانتک کہ آقائے دو عالم نے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔

اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوکر یہ دُعا مانگی۔ کہ

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي....

..... يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۔

اے اللہ میں اپنی کمزوری اور ضعف قوت و تدابیر اور لوگوں میں اپنی ذلّت کی شکایت تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنیوالے تو کمزور دل کو ترقی پر پہنچانے والا ہے۔ اور میری پرورش کرنے والا ہے۔ تُو نے مجھے کس کے حوالہ کر دیا ہے۔ ایسے دل والے کو جو مجھ سے ترش رُو ہوکر پیش آتا ہے۔ (اور ایسے دشمن کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا) کہ اگر مجھ پر تیرا کوئی غصّہ نہیں تو میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تیری عافیّت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس چہرے کے نُور کی پناہ لیتا ہُوں جس سے اندھیرے دُور ہوتے ہیں دنیا و آخرت کے معاملے سدھرتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی کی طلب ہے۔ حتیٰ کہ تو راضی ہوجا۔ تیرے سوا کسی میں ضرر دُور کرنے کی قوت ہے اور نہ نفع حاصل کرنے کی ہے[۵]

عتبہ و شیبہ نے بتقاضۂ شرافت اپنے غلام عدّاس کے ہاتھ کچھ انگور طشتری میں لگا کر روانہ کئے۔ اور عدّاس نے پیش کرتے ہُوئے کھانے کو کہا۔ آپؐ نے کھانے کو ہاتھ ڈالا۔ تو فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰه ۔ پھر تناول فرمایا۔ عدّاس آپؐ کی صورت دیکھنے

۵: سیرۃ النبیؐ کامل ص ۲۳۴ باب ۴۶

لگا۔ اور کہا وَاللہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ تو نہیں کرتے
رسُولِ خُدا نے فرمایا۔ اے عدّاس! تو کِس بستی کا رہنے والا ہے۔ اُس نے کہا
مَیں نصرانی ہُوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس نیک شخص کی بستی
کا جس کا نام یونسؑ بن متی تھا۔ ملازم نے کہا آپؐ کو کیا خبر کہ وہ یونس علیہ السلام
کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ وہ میرے بھائی نبی تھے۔ اور مَیں بھی نبی ہُوں۔ یہ سنتے
ہی عدّاس جھک گیا اور رسُولِ خدا کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اُس
کا تعجب ایمان میں بدل گیا۔ اور اجنبی غلام عدّاس آنسوؤں بھری آنکھوں سے خُدا
کے رسُول کا شیدائی بن گیا۔ عتبہ و شیبہ نے یہ دیکھ لیا۔ تو واپسی پر غلام عدّاس
سے پوچھا کہ تمہیں یہ کیا ہوُا تھا۔ یہ شخص تمہارے ہی دین کو خراب کرتا پھر رہا ہے۔
عدّاس نے سب واقع سُنا کر انہیں مایوس کر دیا۔ اور بتایا کہ اس شخص کو دیکھ کر عیسائیت
کی یاد پھر میرے دل میں تازہ ہو گئی۔ مَیں نے محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک خدا
کا نبی بیٹھا ہے۔ جو نبیوں جیسی زبان بولتا ہے۔ اور مجھے اُس کے فی زمانہ نبی ہونے
میں رتی بھر شک نہیں رہا۔

آپؐ کی اگلی منزل نخلہ تھی جہاں آپؐ نے قیام فرمایا۔ رات بھر آپؐ عبادتِ الٰہی
میں مصروف رہے یہاں جِنّوں کا ایک گروہ (نصیبین کے عیسائیوں کے معززین کا
گروہ) آپؐ کے پاس آیا۔ اور وہ سات جِنّ نصیبین میں سے تھے۔ وہ تلاوت سُنتے
رہے۔ اور جب آپؐ تلاوت سے فارغ ہوئے تو اپنی قوم کی طرف واپس ہُوئے اور اسے
ڈرایا اور خود ایمان اختیار کر لیا۔ اور جو کچھ سُنا تھا اُسے قبول کیا۔ سبحان اللہ! کیا خدا
کی بے نیازی ہے کہ ایک طرف آپؐ اپنی ضعفِ قوت اور قلب تدبیر کی شکایت
اپنے پرودگار سے کرتے ہیں اور اُسی کے مُنہ کی روشنی میں پناہ کے خواستگار ہیں اور
دوسری طرف انہی اوقات میں اسی مقام پر جِنّوں کا ایک گروہ آپؐ پر ایمان لے آتا
ہے۔ اور انسان ناشکرے کو پیچھے ڈال کر اتباع میں گردن جھکا لیتا ہے۔
یہ بھی خدا تعالیٰ کی ایک تسلی تھی کہ اے محمدؐ! اب اگر یہ لوگ تجھے قبول نہیں کرتے تو

گھبراہٹ نہ کر کیونکہ ایک دن آئے گا۔ کہ بڑے چھوٹے تیرے جھنڈے تلے آکر پناہ لیں
گے۔ اور وہ دن بھی آئے گا کہ تیرے جیسا سخی النفس یہ کہے گا کہ

"لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ"

رسولِ خُدا کا یہ سفرِ طائف تکالیف و مصائب کا سفر تھا جس میں آپ پر ایک
وقت ایسا آگیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوئے اور اجازت چاہی کہ اے محمدؐ
(صلی اللہ علیہ وسلم) تو اجازت دے کہ انہیں پہاڑوں کے پتھروں سے سنگسار کر دیا
جائے۔ لیکن اُس رحمت کے فرشتے نے فرمایا! نہ ایسا ہرگز نہ کرنا اگر تم ان لوگوں
کو تباہ کر دو گے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پہلی باکرہ اُمُّ المؤمنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نکاح ۱۰ نبوی ماہ شوال

جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرمایا کہ "کان خلقہ فی القرآن"
اس ایک مختصر جملے میں شوہر کے اخلاق پر روشنی ڈالنے والی نوجوان عورت حضرت
عائشہ صدیقہ ہیں۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی باکرہ بیوی ہیں۔ اور جن سے
آپؐ نے بحیثیت نبی کے پہلا نکاح بمطابق ماہ شوال سنہ ۱۰ نبوی کیا تھا۔ یہ دوسری بات
ہے کہ رخصتانہ دیر سے ہوا۔ اور درمیانی وقفہ میں حضرت سودہؓ رخصت ہو کر آپؐ کے
سایہ عاطفت میں تشریف لے آئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں حضرت خدیجہؓ
کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی تھی وہ دراصل تزویج عائشہؓ سے ہی پُر ہوئی کیونکہ آنحضرتؐ
کی اصل تجویز حضرت عائشہ کے متعلق ہی تھی۔ اور وہی آپؐ کو خواب میں بھی دکھائی
گئی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کے دل میں شادی کا خیال جلد ہی پیدا ہوا۔
آپؐ کے منصب نبوت کے لحاظ سے یہ ایک طبعی امر تھا۔ لیکن بیوی کا انتخاب ایک
آسان کام نہ تھا۔ لہٰذا آپؐ نے راہنمائی کے لئے دُعا مانگی۔ دُعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ
نے بذریعہ رؤیا آپؐ کو اپنے انتخاب سے مطلع فرمایا۔ بخاری شریف میں روائت
ہے کہ "انہی ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت جبرائیل
علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے سامنے ایک ریشمی رومال
پیش کیا۔ عرض کی "یہ آپ کی زوجہ ہے" دنیا و آخرت کی"۔ آپؐ نے رومال لے کر
دیکھا۔ تو اس پر حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ کی تصویر تھی۔ آپؐ نے اس خواب کا ذکر
کسی سے نہیں کیا۔ لیکن جب کام مقدر میں ہوتے ہیں تو اسباب بھی بن جاتے ہیں۔

خولہ حکیم آپؐ کے پاس تشریف لائیں۔ اور کہا یا رسُول اللہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟
آپؐ نے فرمایا۔ کس سے؟ اس نے جواب دیا۔ "ایک کنواری بچی حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی
میرے مدنظر ہے۔ اور ایک حضرت سودہ رضؓ بنت زمعہ بیوہ ہے۔" آپؐ نے فرمایا۔
دونوں سے بات کر کے دیکھو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دونوں گھرانے جو اپنے لئے
اس امر کو باعثِ صد افتخار خیال کرتے تھے کہ حضورؐ کے حرم میں جگہ مل جائے۔ اسلئے
دونوں گھرانے رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دونوں نکاح ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح
حضرت ابوبکر رضؓ نے پڑھایا اور حق مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔ حضرت سودہؓ کا نکاح چونکہ
بعض مدبرانہ مصلحتوں کی بناء پر ہوا تھا۔ اس لئے وہ نکاح کے معاً بعد آپؐ کے ہاں
تشریف لے آئیں۔

ہجرت کے چھ ۶ ماہ بعد تقریباً حضرت ایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرمانے کے
بعد حضرت ابوبکر رضؓ نے عبداللہ ابن اریسقط جو کہ ہجرت میں ہمسفر تھا کو بھیجا کہ اُمّ
رومانؓ۔ اسماءؓ اور عائشہ رضؓ کو لے آئے۔ حضورؐ نے بھی زیدؓ بن حارث اور ابو رافعؓ کو
روانہ فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ۔ اُمّ کلثومؓ اور حضرت سودہ رضؓ کو لے آئیں۔ مدینہ میں آکر حضرت
عائشہ رضؓ بہت بیمار ہوئیں یہاں تک کہ سر کے بال بھی اُتر گئے۔ پس تیرہ چودہ برس کی
عمر میں ان کا بیاہ ہوا۔ اور کوئی سات سال کا عرصہ وہ رسُول اللہؐ کی صحبت میں رہیں۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ رضؓ کی عمر اکیس ۲۱ برس تھی۔ شادی
کے موقعہ پر مدینہ کی تمام عورتوں نے خوشی منائی اور مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت
رسولِ خُدا تشریف لائے تو رسم عروسی ادا ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کے متعلق مؤرخین
کا اختلاف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ شادی کے وقت نو ۹ برس کی تھیں اور حضورؐ کی
وفات کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں۔ لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ جتنی بڑی
بھی تھیں ایک بزرگانہ دماغ و سر نوجوان کندھوں پر رکھتی تھیں۔ وہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔
لیکن خُدا کے محبُوب کا پیارہ دل کو ایسا روشن کر گیا کہ سیّد الانبیاءؐ ان کے لئے یہ خوشخبری
عطا فرما گئے۔ کہ "نصف دین تم عائشہ سے سیکھو"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے وجود

سے امتِ محمدیہؐ کو بڑے بڑے فائدے پہنچے ہیں ۔ احادیث کا وہ حصہ جو عورتوں سے متعلق ہے ۔ حضرت عائشہ رضؓ کے اقوال و روایات پر ہی زیادہ تر مشتمل ہے ۔ پھر یہی نہیں بلکہ عام دینی مسائل میں بھی اُن کو یدِطُولیٰ حاصل تھا ۔ اس لئے اکابرِ صحابہ حضرت عائشہ رضؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے ۔ اور انہیں سے فتویٰ پوچھتے تھے ۔ حضرت عمر رضؓ ۔ حضرت ابوبکر رضؓ ۔ حضرت عثمان رضؓ کے وقت میں آپ رضؓ ہی فتویٰ دیتی تھیں ۔ اکابر صحابہ پر انہوں نے دقیق اعتراضات کئے ہیں ۔ جنہیں علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے ۱؎

آپؓ کو خواب میں یہ الفاظ بھی دکھائے گئے تھے کہ اب تیری یہ بیوی ہے دنیا و آخرت میں ۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضؓ سے خاص محبت تھی ۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپؐ سے دریافت کیا ۔ "اَیَّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ" یعنی لوگوں میں سے کون آپؐ کو زیادہ محبُوب ہے ۔ فرمایا عائشہ رضؓ ۔ اس نے پوچھا مَردوں میں سے کون ہے ۔ فرمایا اَبُوْھَا یعنے اس کا باپ حضرت ابوبکر رضؓ ۔

حضرت عائشہ رضؓ کیسے عظیم و روشن فلسفہ والی عورت تھی کہ جب ایک دفعہ کسی نے رسول کریمؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا کہ کچھ فرمایئے تو انہوں نے فرمایا "آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کیا پوچھتے ہو ۔ جو کچھ آپؐ کہا کرتے تھے انہی باتوں کا قرآنِ کریم میں حکم ہے ۔ اور قرآن کی لفظی تعلیم آپؐ کے فعل سے جداگانہ نہیں ہے ۔ ہر خلق جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے ۔ آپؐ کا اس پر عمل تھا ۔ اور ہر عمل جو آپؐ کرتے تھے ۔ اس کی قرآن میں تعلیم ہے ۔ یہ کیسی لطیف بات ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رسُولِ پاکؐ کے اخلاق اتنے وسیع اور اتنے اعلیٰ تھے کہ ایک نوجوان لڑکی جو تعلیم یافتہ نہیں تھی ۔ اس کی توجہ کو پھرانے میں اس حد تک کامیاب ہوئے ۔ کہ ہندو ۔ یہودی ۔ مسیحی فلسفی جس امر کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے ۔ حضرت عائشہ رضؓ اس امر کی حقیقت کو پا گئیں" وہ ایک چھوٹے سے جملے میں یہ فلسفہ بیان کر گئیں

۱؎ : شبلی ۔

کہ تمہیں رسُولِ خداؐ کے اخلاق معلوم کرنے کے لئے کسی تاریخ کی ضرورت نہیں ۔ وہ ایک راستباز اور مخلص انسان تھے ۔ جو کہتے تھے کرتے تھے ۔ جو کرتے تھے کہتے تھے ہم نے ان کو دیکھا اور قرآن کریم کو سمجھ لیا ۔ تم جو بعد میں آئے ہو قرآن پڑھو اور رسُولِ خداؐ کو سمجھ لو ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ۔

پس حضرت عائشہ رضؓ رسُولِ خداؐ کی وہ خوش قسمت بیوی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے ۔ وہ ایک عظیمُ النفس پاکیزہ عورت تھیں ۔ وہ علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھیں ۔ حدیث و فقہ شعر و شاعری میں اپنی مثال آپ تھیں ۔

تئیس ہزار ایک سو حدیثیں آپؓ سے مروی ہیں ۔ احکامِ شرعیہ میں سے ایک چوتھائی حصہ اسرارِ شریعت ان سے منقول ہے ۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ان سا جوشِ تقریر نہیں دیکھا گیا ۔ تفسیر ۔ حدیث ۔ اسرارِ شریعت ۔ خطابت ۔ ادب انساب میں ان کو کمال تھا ۔ ایک دفعہ بتقاضائے بشریت بعض بیویوں کو ان کی اس خصوصیت پر (کہ سرورِ کائنات کا میلان طبعاً حضرت عائشہ رضؓ کی طرف زیادہ ہے) رشک آیا اور حضور کی خدمت میں تمام بیویوں نے حضرت زینب رضؓ کو نمائندہ بنا کر بھیجا ۔ انہوں نے کہا "جو مرتبہ آپؐ نے عائشہ رضؓ کو دیا ہے اس کی وہ مستحق نہیں ہیں حضرت عائشہ رضؓ بیٹھی سُن رہی تھیں کہ حضورؐ کا ارشاد پانے پر وہ مدلّل تقریر کی کہ حضرت زینب رضؓ لاجواب ہو گئیں ۔ حضورؐ نے فرمایا "کیوں نہ ہو عائشہ رضؓ ابوبکر رضؓ کی تو بیٹی ہے ۔" آپ نے مزید فرمایا ۔ "عائشہ رضؓ وہ بیوی ہے کہ جس کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور کسی بیوی کے لحاف میں نازل نہیں ہوتی ۔" ان کے حجرے کو حضورؐ کے مزارِ مقدس کا شرف حاصل ہے ۔ جب آپ رضؓ چھیاسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئیں تو رمضان کا مہینہ تھا ۔ جنت البقیع میں رات کے وقت اپنی وصیت کے مطابق دفن کر دی گئیں ۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی ۔ اس وقت وہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے ۔ اور قاسم رضؓ بن محمدؒ ۔ عبداللہ رضؓ بن عبدالرحمٰن ۔ عبداللہ رضؓ بن ابی عتیق ۔ عروہ رضؓ بن زبیر رضؓ نے قبر میں اتارا تھا ۔

۱؎ : شبلی حصہ دوم ۔

پہلی فرض شدہ عبادت

پہلا اسلامی فریضہ بموقع معراج ۹ نبوی

اسلام کے انوار کو کرۂ ارض پر اُترے تقریباً نو برس ہوئے تھے کہ رب العالمین نے اپنی مخلوق کو ایک اور نور سے نوازا اور وہ تھا "نورِ نماز"۔ یہ نور اس وقت آپؐ کو ملا جب سرور کائنات محسنِ انسانیت اتنے بلند و ارفع مقام پر تھے کہ ذ... سلام پیش کر رہے تھے اور جبرائیل علیہ السلام تک پیچھے رہ گئے۔

• **اقامة الصلوٰة** فرما کر خداوند عالم نے مومنوں کو پہلا فرض سونپا اور ... خُدا کا نسخہ عطاء کیا اور یہی پہلا فریضہ رکن اسلام خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ... پہلی ملاقات میں تحفتہً پیش فرمایا۔ رمضان المبارک کے ایام میں سات آسمانوں سے گزر کر معراج کی رات کو جب سیّد المخلوق اپنے خالق کے حضور پیش ہوئے تو آپؐ کے حضور میں پنجگانہ نماز نذرانے کے طور پر پیش کی گئی۔ یہ نذرانہ آپؐ ... سینے سے لگایا اور بخوشی واپس تشریف لے آئے۔ وہاں آپؐ کی ملاقات ... انبیاء علیہم السّلام سے بھی ہوئی۔ اور آپؐ کو ان انبیاء کی امامت کا شرف حاصل ... انہوں نے خُدا تعالےٰ سے ملاقات کا دریافت کیا تو یہ جان کر کہ آپؐ کو امتِ محمدیہؐ ... لئے اتصال خُدا کا نسخہ عطاء ہوا ہے انہیں خوشی ہوئی اور آپؐ کی فضیلت باریابی پر رشک بھی پیدا ہوا۔

ابن اسحاق رضؓ نے کہا کہ مجھ سے ابو سعیدؓ خذری نے بیان کیا کہ رسُولؐ خدا نے ... فرمایا۔ "پھر بیت المقدس میں جو کچھ ہوا اس سے جب میں فارغ ہوا تو سیڑھی لائی ... گئی اور مَیں نے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میرے ساتھی نے مجھے اس ... چڑھا دیا یہانتک کہ وہ مجھے لے کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک درواز...

باب الحفیظ تک پہنچا۔ اس پر فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جسکا نام جبرائیل تھا۔ مجھے ملا[1]

آپؐ کا مقامِ عبودیت اتنا بلند ہوا کہ خُدا نے آپؐ کو اس معراج کی رات ساری ملکوت و بادشاہت کی سیر کرادی۔ آپؐ کو اتنا ارفع مقام عطا فرمایا۔ کہ آپؐ سب انبیاء سے اُوپر تشریف لے گئے۔ یہانتک کہ جبرائیلؑ پیچھے رہ گیا اور آپ کا سدرۃ المنتہیٰ سے بھی گزر ہوا۔ پھر آپؐ ہزار برکتوں اور خوبیوں کی جامع عبادت "نماز" لے کر نیچے اُترے اور اس گھڑی سے باقاعدہ نماز پنج وقت کا آغاز ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝ کہہ کر عبادت کے راستے بھی بتا دیئے۔ فرمایا مَیں نے جنّ اور انسانوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کی پیدائش کی غرض و غائت عبادتِ الٰہی ہے۔ اور وہ ذمہ داری مسلمانوں کے آقاؐ نے انہیں نبوت کے ۹ نو سال بعد دی۔ عبادت کے معنے اسلام میں روحانی اور جسمانی اعتبار سے اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکنا، گڑگڑانا اور گریہ وزاری کرنا ہے۔ یُوں تو نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ لیکن جب کلمہ طیّبہ یعنی پہلا رکن پڑھ کر پڑھنے والا دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر یہ رکن پہلا فرض ہے اور یہی واحد عبادت ہے۔ جو اسلام کے اصل مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ اور شان عبدیت ظاہر کرتی ہے۔ کوئی شخص عابد نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کو الٰہی تاثرات کے قبول کرنے کے قابل نہ بنا لے۔ کیونکہ "نماز ایک تعویذ ہے جو خدا تعالےٰ کی زیارت کا قائمقام ہے جو شخص بھی اپنے محبوب کی زیارت سے گریز کرتا ہے وہ اپنے عشق کے دعویٰ کے خلاف خود ہی ڈگری دیتا ہے۔ پس نماز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تعظیم کے ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو سنگدل سے سنگدل انسان کے دل کو بھی نرم کر دیتی ہے۔" اور اس میں ایسی دعائیں رکھی گئی ہیں جو انسانی فکر کو بہت بلند کر دیتی ہیں۔ نماز

[1]:- ابن ہشام ص۱۱۲ باب ۶۱ ٭

خُداتعالیٰ کی محبّت کو بھڑکاتی ہے۔ نماز میں خُدا کا بندہ اپنی عقیدت کے پھول خُدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ نماز بدیوں سے روکتی ہے اور یہی اس کی ذاتی خوبی ہے[۱] جیسے کہ خُداتعالیٰ فرماتا ہے تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ پس نماز نقد بہشت ہے۔ اسے چُستی سے سنوار کر پڑھنا حقیقی عبادت ہے۔ اسلام اور کفر کے درمیان نماز ہی حد فاصل ہے۔ نماز کی فضیلت اور اہمیّت اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سات سو مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ہر مسلمان کے لئے غذا ہے۔ قرۃ العین ہے اور خُداتعالیٰ کے ذکر کا بہترین راستہ ہے جیسے کہ خداتعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ[۲] مختصر یہ کہ نماز وہ پہلی فرض شدہ عبادت ہے جو ایک حصار ہے جس کے اندر رہتے ہُوئے ہم شیطانی حملوں سے بچ سکتے ہیں اور جس طرح کہ مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن بنماز کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ خُداتعالیٰ کو تھامنے کے بغیر ہم تقویٰ کی راہوں پر کس طرح چل سکتے ہیں۔ اور خُداتعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ایک زنجیر ہے جو خُداتعالیٰ اور بندے کو ملا دیتی ہے۔ اور یہی اس برکت والی رات کا پیغام ہے جو آقائے دوجہان محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں نصیب ہُوا اور یہی وہ کلمہ تھا جو آپؐ کی زبان پر اس وقت تھا۔ جب آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ سے ہمیشہ ملاقات کے لئے جارہے تھے تو آپؐ نے فرمایا "اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" یعنی اے مسلمانو! میری آخری وصیّت تم کو یہ ہے کہ نماز اور غلاموں کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔[۳]

حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسُولؐ خُدا پر جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو ہر نماز کی دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضر میں انہیں پُورا

[۱] :- مسلم کتاب الایمان ۔ [۲] :- سورۃ طٰہٰ آیت ۱۵ ۔

[۳] :- ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ ۔

کر کے چار کر دیا۔ اور سفر میں انکی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت برقرار رکھی[۱]

طریق وضو کے لئے ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ مجھ سے اہل علم نے بیان کیا کہ جب رسُولؐ خُدا پر نماز فرض ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اس وقت رسُولِؐ خُدا مکّہ کے بلند حصہ میں تھے۔ پھر وادی کے ایک کنارے سے ایڑی ٹھکرائی اور وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور رسُولِ کریمؐ دیکھ رہے تھے۔ پھر خُدا کے رسُولؐ نے وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے کیا تھا۔ بعدازاں جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ساتھ لے کر نماز پڑھی۔ اور جبرائیلؑ چلے گئے[۲]

پہلا مبلّغ اسلام

حضرت مصعبؓ بن عمیر

اسلام کے اعلیٰ ترین ستون حضرت مصعبؓ بن عمیر سب سے پہلے مبلّغ اسلام تھے جو خُداتعالیٰ کے پاک کلام کے پہلے معلم بھی تھے۔ جنہیں رسولِؐ خدا نے ۱۲ سنہ نبوی کو بیعت عقبیٰ اولیٰ کے بعد بارہ[۱۲] مسلمانوں کے ساتھ قرآن کریم سکھانے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ اسی لئے انہیں مقری المدینہ بھی کہتے تھے۔ وہ بارہ افراد جنہوں نے منیٰ کے پاس عقبہ کے مقام پر نہایت محبت و اخلاص سے بیعت کی تھی۔ جاتے وقت درخواست کی کہ اے خُدا کے سچے رسُول! دین کی راہنمائی و تبلیغ کے لئے آپؐ کسی صاحب فراست کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں۔ کیونکہ ہم دین کے معاملہ میں علم کے محتاج ہیں۔ آپؐ کی دُوربین نگاہ مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور ان کی قسمت کا ستارہ

[۱] :- ابن ہشام صفحہ ۲۳۷ باب ۱۸ ۔ [۲] :- سیرۃ النبیؐ کامل صفحہ ۲۳۷ باب ۱۸ ۔

جاگ اُٹھا۔ ۱۲ سنہ نبوی کو یعنے نبوت کے بارہ سال بعد دنیائے اسلام میں پہلے مبلّغ کا تقرر ہُوا۔ اور اس طرح مصعبؓ ہماری تاریخ کے اوراق پر چھا گئے۔ جب وہ مکّہ سے روانہ ہُوئے تو حضور سرورِ کائنات نے انہیں ضروری نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی تعلیم القرآن کا نتیجہ اگلے سال ۱۳ نبوی میں یہ ظاہر ہوا کہ بارہ کی جگہ بہتر اشخاص عقبہ کے ہی مقام پر مصدقین کی فہرست میں شامل ہو گئے مدینہ میں مصعبؓ بن عمیرؓ کی قیام گاہ ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ بن عدس کے ہاں تھی۔ عاصمؓ بن عمیرؓ نے بیان کیا کہ مصعبؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ کیونکہ اوس و خزرج دونوں ممتاز قبیلے بڑی سرعت سے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ اور مصعبؓ بھی سارا سارا دن تبلیغ حق میں لگے رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی قبیلے کے ممتاز لوگوں کو کسی کا امتیاز دیکھ کر برداشت نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ رخنے ڈالتے ہیں۔ ایسے ہی جب انصار کے قبیلے کے سب کے سب مسلمان ہو گئے تو ایک رئیس سعدؓ بن معاذ سے یہ گوارہ نہ ہُوا۔ سعدؓ بن معاذ قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک ممتاز رئیسِ اعظم تھے انہوں نے یہ ترقیٔ اسلام اور انصار کا یوں باجماعت مسلمان ہو جانا گوارہ نہ کیا اور روکنا چاہا۔ مگر چونکہ اسعدؓ بن زرارہ سے ان کی قرابت داری تھی۔ اسلئے خود براہ راست دخل دیتے ہُوئے رکتے تھے۔ کہ کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ایک عزیز اُسید بن الحضیر سے کہا کہ تم جا کر مصعبؓ کو روکو کہ وہ ہمارے لوگوں میں یہ بے دینی نہ پھیلائیں۔ چنانچہ اُسید بن الحضیر نے اپنا چھوٹا سا برچھا لیا اور اسعد بن زرارہؓ کی طرف چل نکلے۔ اسعد بن زرارہ (جن کے مکان پر مبلّغ اسلام قیام پذیر تھا) نے اُسید کو دیکھ کر کہا کہ "اے مصعبؓ! اُسید آتا ہے۔ خُدا کی قسم یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو تمہارے پاس خود آرہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حقوق کا سختی سے لحاظ رکھنا یعنے سچی بات کہنے میں لحاظ اور مروت سے کام نہ لینا مصعبؓ بن عمیرؓ طبیعت کے لحاظ سے بہت بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ اس لئے

سید کی طرف تحمل سے متوجہ ہوئے۔ لیکن وہ گالیاں دیتے ہوئے داخل ہُوا۔ اور کہتے کا کہ اگر تم دونوں کو اپنی جان پیاری ہے تو ہم سے الگ ہو جاؤ۔ مصعبؓ نے کہا۔ جا تشریف تو رکھیئے۔ کچھ بات تو سنئے۔ اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی تو بول کیجئے۔ اور ناپسند ہوئی تو اس سے اپنے آپ کو بچائیے۔ چنانچہ مصعبؓ نے قرآن شریف کی تلاوت کی اور اسلام کے متعلق چند ضروری باتوں کا ذکر کیا۔ "واللہ ن سے اظہارِ اسلام سے پہلے ان کے چہرے کی چمک سے آثارِ اسلام کی شناخت ری"۔ اسید نے کہا۔ یہ چیز جو تم نے میرے پاس بیان کی ہے۔ بہت بہتر اور خوب تر ہے۔ لیکن جب تم کسی کو اپنے دین میں شامل کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو۔ دونوں (اسعد ن زرارہؓ مصعبؓ بن عمیر) ایک زبان ہو کر بولے۔ اُسید! آپ غسل کیجئے۔ صاف پڑے پہن کر آئیے اس کے بعد حق کی گواہی دیجئے۔ اس کے بعد نماز ادا کیجئے۔ چنانچہ س نے کلمۂ توحید پڑھا۔ اور پھر کہنے لگا کہ میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے کہ جو اگر یمان لے آیا تو ہمارا سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ اور تم ٹھہرو میں اسے ابھی یہاں بھیجتا ہُوں۔ تھوڑی دیر بعد سعد بن معاذ آئے اور بڑے غضبناک ہو کر اسعدؓ بن زرارہ ور مصعبؓ سے مخاطب ہوئے۔ مگر مصعبؓ نے اُسی طرح نرمی کے ساتھ انہیں ٹھنڈا کیا اور اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ سعدؓ نے بھی حق کی گواہی دی اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ چنانچہ مصعبؓ کی طرزِ تبلیغ و اندازِ گفتگو کا یہ عالم تھا کہ اسلام ن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ اور چراغِ حق ہر گھر میں روشن ہو چکا تھا۔ بجز ی امیہ بن زید خطمہ۔ وائل اور چند ایک لوگوں کے تمام کے تمام گھرانے رسولؐ پاک کی الد سے پہلے آپؐ کے استقبال کرنے والوں میں شامل ہو چکے تھے۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید رنگ کا پرچم مصعبؓ کو ہی دیا تھا۔ سفید پرچم بردار مصعبؓ یوم فرقان میں خدائی لشکر کا علمبردار تھا۔ جبکہ مشرکین کی طرف سے اس کا بھائی ابو عزیز بن عمیر علم بردار تھا۔ جب حضورؐ نے بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا تو ابو عزیز بن عمیرؓ ابو یسیرؓ کے حصّے میں آیا۔

جنہوں نے اسے قید کیا تھا۔ مصعب رضؓ وہاں سے گزرے تو ابو لیسر رضؓ سے کہنے لگے
اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا۔ کیونکہ اس کی ماں ساز و سامان والی ہے۔ شاید
اپنے بیٹے کے عوض دے کر بیٹے کو چھڑا لے[1] ابو عزیز بن عمیر نے بھائی کی صاف
پر تعجب کیا اور کہنے لگا کہ آپ کی اپنے سگے بھائی کے متعلق یہی وصیت ہے
مصعب رضؓ نے جواب دیا "تو میرا بھائی نہیں ہے بلکہ میرا وہ بھائی ہے جس
تو قید میں ہے۔ پھر ابو عزیز کی ماں نے پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنا فدیہ ہے
جس پر کسی قریشی کو چھوڑا جاتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ چار ہزار درہم تو اس
چار ہزار درہم بخوشی دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ اور اس طرح حضرت مصعب
کی والدہ نے اپنے بیٹے ابو عزیز کی رہائی کے لئے بھاری معاوضہ ادا کیا جیسے
مصعب رضؓ نے اندازہ کیا تھا۔

جنگ اُحد کے موقعہ پر پہلے عَلَم حضرت علی رضؓ کے پاس تھا۔ لیکن جب حضو
کو اطلاع ملی کہ قریش کا عَلَم بردار طلحہ ہے تو آپؐ نے حضرت علی رضؓ سے مہاجرین
جھنڈا لے کر مصعب رضؓ بن عمیر کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ مصعب رضؓ ہی طلحہ کے خاندان
کے ایک فرد تھے۔ جو قریش کے مورث اعلیٰ قصی بن کلاب کے قائم کردہ انتظ
کے ماتحت جنگوں میں قریش کی علمبرداری کا رکھتا تھا۔ آپؐ نے حضرت مصعب رضؓ
جھنڈا دیتے ہوئے فرمایا۔ "ہم قوی وفاداری دکھانے کے حقدار ہیں"۔

مصعب رضؓ بن عمیر وہ بہادر شخص ہے جس نے علمبرداری کا حق ادا کرتے ہوئے
چھاتی کے زور پر جھنڈا سنبھالے رکھا اور اسلام کا جھنڈا سرنگوں ہونے نہ دیا
اس نے جام شہادت پیا لیکن جھنڈا ان کی چھاتی سے جدا نہ ہوا جب تک دوسر
مسلمان نے آگے بڑھ کر عَلَم کو تھام نہ لیا۔ جنگ اُحد میں جب چند مسلمانوں کی
غلطی سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اور فتح کی جگہ ناکامی و پریشانی نے لے
لی تھی۔ تو ایسے وقت میں قریش کے ایک سپاہی عبد اللہ بن قیئم نے حضرت
مصعب رضؓ پر وار کیا اور ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ انہوں نے جھنڈا بایاں ہاتھ

۱: - ابن اسعد ؛

بڑھا کر تھام لیا۔ لیکن دشمن نے دوسرے وار سے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا مصعب رضؓ
نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کر جھنڈا لے کر سنبھالنے کے لئے چھاتی سے
چمٹا لیا۔ اس پر عبداللہ بن قیئمہ نے تیسرا وار کیا جس سے آپ رضؓ کو شہید کر دیا۔ آپ رضؓ گر
گئے لیکن جھنڈا گرنے نہ دیا حتیٰ کہ دوسرے مسلمانوں نے بڑھ کر سنبھال لیا اور
اس طرح اس حق کو ادا کیا جو رسولِ خدا نے آپ کے ذمہ لگایا تھا۔

چونکہ حضرت مصعب رضؓ ڈیل ڈول کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
کچھ ملتے جلتے تھے[1]۔ اس لئے ابن قیئمہ نے شرارتاً شور مچا دیا کہ میں نے محمدؐ کو مار لیا
ہے۔ حضرت مصعب رضؓ کی شہادت کے بعد حضورؐ نے عَلَم حضرت علی رضؓ کے سپرد
کر دیا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں مصعب رضؓ مکہ کے نوجوانوں میں سب سے زیادہ خوش
پوشاک اور بانکے سجیلے جوان تھے۔ چونکہ امراء خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔
اس لئے ناز و نعمت سے پلے ہوئے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد انکی حالت
بالکل بدل گئی تھی۔ یہانتک کہ وہ اکثر و بیشتر پیوند والے کپڑے پہنتے تھے۔
روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیوند لگے کپڑے
پہنے دیکھا تو آپؐ چشم پُر آب ہو گئے[2]۔

احد کی جنگ میں جب وہ شہید ہوئے تو ان کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں
تھا کہ ان کے جسم کو ڈھانپ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسولِ خدا نے جنگِ
احد کے شہداء کو انہیں کے لباسوں میں دفن کر دیا تھا۔ جس کے پاس کوئی کپڑا تھا
تو کفن دے دیا ورنہ کفن نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب حضرت مصعب رضؓ کو دفن کیا
گیا تو جب ان کے بدن کو چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ اور جب پاؤں
ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے حکم دیا کہ سر کو ڈھانپ کر پاؤں
کو گھاس سے چھپا دیا جائے[3] سو ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت مصعب رضؓ کی بیوی حمنہ رضؓ

۱: - ابن ہشام ص۲۴۶ باب ۶۶ ؛ ۲: - ترمذی ابواب الزہد۔ ۳: - بخاری حالات احد ؛

کو ان سے بے حد پیار تھا۔ کیونکہ وہ ایک محبت کرنے والے حلیم الطبع شخص تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسولؐ خدا مدینہ کی طرف جنگ احد سے واپس لوٹے تو آپؐ سے حمنہؓ بنت جحش ملیں۔ لوگوں نے ان کو بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت کی خبر دی وہ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون کہہ کر خاموش ہوگئیں اور خُدا کے حضور مغفرت کی دعا مانگی۔ پھر حمنہؓ کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر صحابہ کرام نے دی تو انّا للہ و انّا الیہ راجعون دوبارہ پڑھا اور مغفرت کی دعا مانگی۔ لیکن صابرہ و شاکرہ حمنہؓ کو جب ان کے شوہر مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو وہ بے ساختہ روئی اور چیخنا شروع کر دیا۔ اس پر رسولِ خداؐ نے فرمایا:۔

"عورت کے نزدیک دراصل شوہر کا ایک مقام ہے"

کیونکہ حمنہؓ بھائی اور ماموں کی خبر سُن کر تو ضبط کر گئیں۔ لیکن شوہر کی خبر سُن کر ضبط نہ کر سکیں [۱]

بیشک حضرت مصعبؓ ایک عظیم شوہر اور ایک سچے سپوت اور اسلام کے بہادر علمبردار تھے۔ جو شہداء اُحد میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔

---

[۱] :- ابن ہشام ص۶۷ باب ۱۱۳

پہلا مسلمان شاعر

طفیل بن دوسی

اہلِ قریش "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے والے چند لوگوں سے ہی اتنے نالاں تھے کہ ان کی زندگی کا مقصد ہی ایک بن گیا تھا اور وہ تھا اس خدائی تعلیم کو جڑھ سے اکھیڑ پھینکنا۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر ممکن تدابیر شروع کر دیں۔ انہوں نے مصائب کے پہاڑ اُن پر توڑنے شروع کئے اور ہر شخص کو آپؐ کے پاس جانے سے روکنا شروع کیا۔ اور وہ انہیں ڈراتے تھے کہ کہیں محمدؐ کی باتوں کا جادو نہ چل جائے۔ اسی طرح طفیل بن دوسی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے کہا۔ طفیل تم ہماری بستی میں آئے تو ہو۔ لیکن دیکھو یہ شخص جو ہمیں ہیں سے ہے ہمیں سخت مشکلات میں ڈالے ہوئے ہے۔ ہماری جماعت کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ ہمارے عقائد کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ اور ہمارے احباب کو پریشان کر رہا ہے۔ اس کی بات جادو کی سی ہے۔ بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے شوہر کو بیوی سے اور ماں کو بیٹے سے جُدا کر دیتا ہے۔ ہمارے دل میں تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے فتنے کا خوف ہے۔ اس لئے نہ تو تم اس سے بات کرو اور نہ اُس کی بات سنو۔ "طفیل کہتے ہیں میں نے ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی کوئی بات نہ سنوں گا۔ چنانچہ جب صبح وہ مسجد کی طرف گئے تو اپنے کانوں میں اس خوف سے کہ کوئی بات سنائی نہ دے روئی ٹھونس لی۔ لیکن وہاں جب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبتہ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کا تصرف جب کسی شخص پہ ہو تو اس کے اپنے ارادے سب مسخر ہو جاتے ہیں چنانچہ طفیل بن دوسی وہیں آپؐ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ قرآن مجید باآوازِ بلند پڑھ رہے

تھے۔ اور اس کے کانوں کو خُدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی رفعت سے متاثر کر دیا۔ اور دو
کان جن میں روئی ٹھونسی ہوئی تھی کچھ نہ کچھ قرآن مجید کی تاثیر سے محظوظ ہوئے۔ طفیل کہتے
ہیں۔ میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا "تیری ماں تجھ پر روئے۔ واللہ! میں
عقلمند ہوں۔ شاعر ہوں۔ اچھا بُرا مجھ سے پوشیدہ نہیں پھر کیا چیز اس سے روکتی ہے
کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں اور جو بھی اچھی ہو اسے قبول کروں اور بُری ہو
تو اس کو چھوڑ دوں۔" پھر انہوں نے روئی نکال دی۔ اور رسولِ خُدا کے پیچھے
پیچھے چل پڑے۔ یہانتک کہ رسولِ خُدا اپنے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور
طفیل بن دوسی بھی آپؐ کے ساتھ اندر تشریف لے گئے۔ اور وہاں جا کر یوں گویا ہوئے
کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا تھا۔ واللہ وہ آپؐ کے
معاملہ سے اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی مگر اللہ تعالیٰ
نے اس کے سوا کچھ نہ چاہا کہ آپؐ کی بات مجھے سنائے۔ میں نے سُنی اور اچھی بات سُنی
پس آپؐ مجھے اپنے اصول بتائیے۔ خُدا کے محبوبؐ رسول نے اسلام کی تعلیم طفیل
بن دوسی کے سامنے پیش فرمائی اور تلاوت فرمائی۔ "واللہ! اس سے بہتر بات
میں نے کبھی نہیں سُنی نہ ایسے معتدل اصول سُنے۔ پس جی میں اسلام اختیار کیا۔
اور سچی بات کی گواہی دی اور کہا۔ "اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا شخص
ہوں کہ میری بات لوگ مانتے ہیں۔ اب میں ان کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں اور
انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ مجھے کوئی نشانی
عطاء فرمائے۔ جو اس دعوت میں میری راہنمائی فرمائے۔ پس "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَهٗ اٰیَةً"
کا وِرد کرتے ہوئے وہ اپنی قوم کی طرف چل پڑے۔ طفیلؓ بن دوسی کہتے ہیں کہ جب
میں دو پہاڑوں کے درمیان تھا کہ میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی سی
روشنی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا اے میرے خُدا اس کو میرے چہرے کے سوا میری
کسی دوسری چیز میں ظاہر فرما۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم یہ خیال نہ کرے کہ اپنا آبائی
مذہب چھوڑنے کی وجہ سے یہ سزا مجھے مل گئی ہے۔ اور یہ خارقِ عادت بات پیدا ہو گئی

۱: - ابن ہشام ص ۳۸۶ باب ۵۸ ؞

ہے۔ پھر تو اس روشنی نے جگہ بدل لی۔ اور گھوڑے کے سر پہ نمودار ہو گئی۔ پھر تو گیا
تھا۔ بستی والے وہ نور میرے گھوڑے میں قندیل کی طرح لٹکا ہوا دیکھنے لگے
اور میں پہاڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے چلتا جاتا[1] باپ بیوی اور
اہلِ خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔" پھر طفیلؓ بن دوسی اپنی سرزمین میں دعوت
اسلام دیتا چلا گیا اور خدا تعالیٰ نے وہ نشان دکھلا کر اُس کی راہنمائی کی کہ اس کے
قبیلے کے لوگ اور گاؤں کے لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ پھر مدینہ
کی طرف ہجرت کے بعد طفیلؓ اپنی تمام مسلمان قوم کو لے کر آپؐ کے پاس پہنچا۔
اور ستّر اور اسّی گھرانے وہاں آباد ہو گئے۔
جنگِ یمامہ میں وہ شریک ہوئے اور اسی جنگ میں شہادت پائی ؞

پہلی بیعت

بیعت عقبہ اُولیٰ ۱۲ سنہ نبوی

سیدالانبیاءؐ نے جو روحانی جام چھ[1] خوش نصیبوں کو گیارہ (۱۱ سنہ) نبوی کو پلایا تھا۔
اس سے کامیابی کی اُمید بہت حد تک بندھ گئی تھی۔ یثرب کے یہ چھ مصدقین منیٰ کی
وادی میں ایسے وقت میں آپؐ سے ملے جب آپؐ قریشِ مکہ کے ہاتھوں بہت زیادہ
تمسخر و تحقیر کا نشانہ بن چکے تھے۔ اُن کا ملنا اس وقت ایک نعمت سے کم نہ تھا۔
کیونکہ خُدا کا پیارا نبی کہ دنیا جس کا نصب العین براہ راست نہیں تھا۔ ہر ذرّہ میں
خدا تعالیٰ کا چہرہ ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اور ہر ذرّہ میں اسے خُدا کا ہی چہرہ جھلکتا نظر
آتا تھا۔ اسعد بن ذراہ جو ابو امامہ کہلاتے تھے۔ عوف بن الحارث جو ابن عفراء
کہلاتے تھے۔ رافع بن مالک قطبہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ جو
تمام ہیم اللہ کے نام سے مشہور تھے[2] جب منیٰ کی وادی میں آپؐ کی باتیں سننے

۱: - ابن ہشام جلد اوّل ؞
۲: - ابن ہشام ص ۴۴۳ باب ۶۴ ؞

پر راضی ہو گئے تو آپؐ نے انہیں بتایا کہ خُدا کی بادشاہت اب قریب آ رہی ہے بُت اب دنیا سے مٹا دیئے جائیں گے۔ نیکی اور تقویٰ دنیا میں قائم ہو جائیں گے توحید دنیا میں قائم ہوگی۔ انہوں نے آپؐ کی باتیں سنیں اور بہت متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ ہم مدینہ جا کر اپنی قوم سے بھی بات کریں گے اور اپنی قوم کا فیصلہ آپؐ کے پاس پیش کریں گے۔ نہیم اللہ کا یہ وعدہ تھا۔ جو حضورؐ کو سال اوس و خزرج کے حاجیوں سے ملنے کے لئے بیتاب کئے ہوئے تھا۔ دوبارہ حج کے ایام آ گئے۔ آپؐ نہایت شوق میں گھر سے نکلے۔ تو بارہ[۱۲] سعید روحیں آپؐ کو مقام عقبیٰ میں ملیں[۱]۔ جونہی آپؐ کی نظر اہلِ یثرب پر پڑی آپؐ نے نہایت محبت و اخلاص سے ان کا استقبال کیا۔ اہلِ یثرب نے یہودیوں سے بائیبل کی پیشگوئی کے مطابق سُن رکھا تھا کہ ایک نبی جو موسیٰؑ کا مثیل ہوگا ظاہر ہونے والا ہے۔ اس کا وقت قریب آ رہا ہے۔ جب وہ آئے گا تو ہم پھر ایک دفعہ دنیا پر غالب آ جائیں گے۔ جب ان بارہ[۱۲] حاجیوں نے آپؐ کی باتیں سنیں تو آپؐ کی سچائی ان کے گھر کر گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کا یہودی ذکر کرتے تھے یہ سُنی سنائی پیشگوئی بھی آپؐ پر ایمان لانے میں مؤید ثابت ہوئی۔ چنانچہ بیعت جو بارہ[۱۲] اشخاص نے کی تاریخ میں بیعت عقبیٰ اُولیٰ کہلاتی ہے۔ اس بیعت میں ان یثرب والوں نے اقرار کیا کہ وہ سوائے خُدا کے کسی اور کی پرستش نہیں کریں گے۔ آپؐ نے یہ بیعت ان الفاظ میں لی۔ جن میں بعد میں عورتوں سے لیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ واقعہ جنگ فرض ہونے سے پہلے کا تھا۔ انہوں نے بیعت کی کہ وہ ایک دوسرے پر جھوٹے الزام نہیں لگائیں گے۔ نہ وہ خُدا کے نبی کی دوسری تعلیمات میں نافرمانی کریں گے۔ قتلِ اولاد سے باز رہیں گے۔ نہ چوری کریں گے۔ چنانچہ یہ پہلی باقاعدہ بیعت تھی۔ جو مکّہ سے باہر والے اشخاص کو نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم اس قول و قرار پر قائم رہے تو تمہیں جنّت نصیب ہوگی اور اگر ان میں سے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تو تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار

[۱] :- ابنِ ہشام ؛

میں ہے۔ وہ چاہے تو سزا دے چاہے تو بخش دے[۱]۔ یہ لوگ قبیلہ خزرج اور قبیلہ اوس کے تھے۔ واپسی پر اپنی قوم میں زیادہ زور سے تبلیغ شروع کر دی اور بُت گھروں سے نکال نکال کر پھینکے جانے لگے۔ یہودی حیران ہوتے تھے کہ بُت کے آگے جھکنے والے سر اب بُت شکن کس طرح بن گئے۔ یہ کیا انقلاب ہے کہ صدیوں کی دوستی اور تبلیغ کی بناء پر جو لوگ بُت پرستی سے مُنہ نہیں پھیرتے تھے وہ چند اسلامی اصولوں کی بناء پر بتوں سے بیزار ہو گئے تھے اور توحید اب ہر دل میں گھر کر رہی تھی۔ ایک سے دو[۲] اور دو[۲] سے چار[۴] کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ نبی موعود کے منتظر یہودی تو تماشہ ہی دیکھتے رہے مگر اوس اور خزرج کے قبیلے بہت جلد جلد نورِ خُدا سے منور ہوتے چلے گئے۔ یکے بعد دیگرے لوگ آتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہمیں اپنا دین سکھاؤ۔ مگر نو مسلم نہ تو خود اسلام کی تعلیم سے پوری طرح واقف تھے نہ دوسروں کو تفصیلاً بتا سکتے تھے۔ چنانچہ وہ مصعبؓ بن عمیر کو اپنے شہر میں تبلیغ کرنے کے لئے ساتھ لے گئے تاکہ دین کے معاملہ میں ان کی راہنمائی کریں۔ حضور نبی کریمؐ نے ان کی درخواست پر مصعب کو مکّہ کے باہر پہلا مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں۔ اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی لئے مصعبؓ بن عمیر کا نام مقری المدینہ پڑ گیا تھا[۲]۔

وہ مدینہ میں نماز پڑھاتے سارا سارا دن تبلیغ میں لگے رہتے۔ ان کی قیام گاہ ابو امامہؓ اسعد بن زراہ کا گھر تھا۔ اسلام میں اس بیعت کو اتنی اہمیت حاصل ہے۔ کہ یہ پہلی اور ابتدائی بیعت تھی۔ جو اسلام کے انوار کو خطّۂ مکّہ سے نکال کر یثرب کی طرف لے گئی۔ اور نور کی کرنیں یثرب کے ہر قبیلہ کے در و دیوار پر چمکنے لگیں۔ سعدؓ بن معاذ جیسے جلیل القدر صحابی بھی اسی بیعت کے نیچے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ انکا جوشِ اسلام اتنا تھا کہ انہوں نے اپنے قبیلہ کی طرف واپس جا کر تمام قبیلہ کو ایک ہی جملہ سے مشرک سے مومن میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ جملہ یہ تھا۔ کہ

"میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لاؤ۔"

[۱] :- ابنِ ہشام ؛

[۲] :- ابن ہشام ص۲۲۵ باب ۶۶ ؛

پس پھر تو کوئی متنفس پیچھے نہ رہا جو ایمان نہ لایا ۔ اور اپنے سردار اور رئیس اعظم کے جملہ کی لاج رکھتے ہوئے مسلمان نہ ہو گیا ہو ۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بت نکال نکال کر توڑ دیئے ۔ اور خدا کا پیارا رسولؐ مکہ میں بیٹھ کر خدائے مطلق کے وعدوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے اگلے حج کے موقع کا پھر انتظار کرنے لگے ۔

آپؐ کا سفرِ ہجرت

ہجرت عظمیٰ ۱۴ سنہ نبوی بعمر ۵۲ سال ۱۱ ماہ ۱۹ دن

تیرہ سال رات دن رؤسائے قریش کے ہاتھوں آپؐ نے جو مصائب برداشت کئے وہ چشمِ فلک نے کہاں دیکھے ہوں گے ، لیکن چونکہ آپؐ کا مشن لاثانی اور عالمگیر تھا اس لئے مصائب و ایذائیں بھی بے مثال اور شدید تھیں ۔ آپؐ یہ مصائب برداشت کرتے کرتے اتنے تنگ آ گئے کہ روحانی آبادی قائم کرنے کے لئے رضا بالقضاء آمادہ ہو گئے بتاریخ چودہ ۱۴ نبوی یکم ربیع الاوّل بروز پیر وجہ تخلیقِ کائنات محمد مصطفےؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی گاؤں کو الوداع کہہ رہے ہیں ۔ وہی گاؤں جس میں حضرت عبدالمطلب حضرت ابوطالب ۔ حضرت خدیجہؓ ۔ حضرت آمنہؓ اور خود رسولؐ خدا کے شب و روز گزرے تھے ۔ جو آپؐ کو بہت پیارا تھا ۔ جس کو خیرباد کہتے ہوئے آپؐ نے فرمایا : ۔

"اے مکہؐ کی بستی تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے ۔ مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے ۔"

بے شک اہلِ مکہ دارالندوہ میں قصیٰ بن کلاب کے گھر پر مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے وہ لوگ قطعی اور آخری فیصلہ کر چکے تھے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ ہی اصل جھگڑے کو اختتام پذیر کرے گا اور آج یوم الزحمت کو حتمی فیصلے پر متفق ہو گئے کہ

قبیلہ کا ایک ایک جوان چنا جائے جن کے ہاتھوں میں تلواریں دے دی جائیں ۔ پھر یہ لوگ ایک آدمی کی طرح محمدؐ پر حملہ کر دیں اور اُسے قتل کر دیں ۔ ایسا کرنے سے اس کا خون متفرق قبائل قریش میں پھیل جائے گا ۔ اور بنو ہاشم کو اتنی جرأت نہیں ہو گی کہ وہ ساری قوم کے ساتھ لڑے ۔ پس لامحالہ ان کو خون بہا ادا کر دیا جائے گا ۔ جو انہیں قبول کرنا پڑے ۔ یہ رائے جو فیصلہ کن تھی ۔ ابوجہل رئیس المعاندین کی تھی ۔ جس کا دل تیرہ ۱۳ برس تک چراغِ وحی گل کرنے کی کوشش میں جلتا رہا تھا ۔ اور کبھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا ۔ اور یہی تھا فیصلہ اہلِ قریش کا ۔ لیکن ادھر خداوندِ عالم کا بھی ایک فیصلہ تھا ۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...... وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ؕ اور یاد کرو جب کفارِ مکہ تمہارے متعلق منصوبے کرتے تھے ۔ کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں اور خوب منصوبے گانٹھ رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی جگہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر تدبیریں کرنے والا ہے ۔

پس آج یکم ربیع الاوّل بروز پیر حق و باطل کی جنگ تھی اور خدا تعالیٰ نے بتانا تھا کہ میں اور میرے رسُول کس طرح غالب آتے ہیں ۔ قریش کے سرغنہ مشیرِ خاص عتبہ بن ربیعہ ، شیبہ بن ربیعہ ۔ ابوسفیان ۔ ابوالنجزی ۔ زمعہ بن الاسد ۔ حجاج کے دونوں بیٹے ۔ امیہ بن خلف اور ابوجہل تمام کے تمام اپنی سکیم پر عمل پیرا ہوتے کے لئے چیدہ آدمیوں کو مقرر کر کے رات کی تاریکی میں آپؐ کے گھر پر حلقہ بنا گئے اسی رات جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا" ۔ کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر آرام نہ کریں جس پر روزانہ آرام فرماتے تھے" ۔

آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ ۔ تاکہ کفار اگر جھانک کر دیکھیں تو انہیں یہ دکھائی دیتا رہے کہ کوئی شخص بستر پر لیٹا سو رہا ہے ۔ اور وہ تعاقب کے لئے ادھر اُدھر نہ نکل کھڑے ہوں ۔ چنانچہ اُدھر یہ لوگ مشورہ کر کے نکلے کہ رحمۃ للعالمین کے خون سے اپنے پلید ہاتھ رنگیں اور ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس بد ارادہ کی خبر دیدی ۔ آپؐ نے اجازت پاتے ہی حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح

سرِ تسلیم خم کر دیا۔ دشمن خدا صبح کی روشنی کے انتظار میں تھے کہ حشمۂ انوار خطۂ بتکدہ سے نکلے۔ موعود مقام کی طرف چل پڑے۔ اور ماکرین کی آنکھوں میں ہمیشہ ہمیش کے لئے ناکامی کی سیاہی چھوڑ گئے۔ جو رات چھپنے پر بھی نہ چھٹی۔ حضرت علیؓ اطمینان کے ساتھ آپؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اور اس وقت یہ بھی کہا کہ یا رسول اللہ کفار کے چنیدہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں تلواریں ہوں گی۔ صبح حقیقت معلوم ہونے پر وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ مجھے اس ایمان کے بدلے میں کیا ملنے والا ہے۔

پیشگوئی کے مطابق جب رسولِ خدا مکّہ سے نکلے تو ایسی حالت میں نکلے کہ جب ننگی تلواروں کے ساتھ دشمن نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ آپؐ کا خاتمہ کر دے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور آپؐ وہاں سے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ [۱]

حضرت ابوبکرؓ کے گھر سیدھے گئے وہاں سے دونوں دوست مکّہ کی گلیوں سے خاموشی اور سنّاٹے کے عالم میں گذر کر غارِ ثور میں جا پناہ گزیں ہوئے تو دیوانوں نے ناکامی کے جنون میں حضرت علیؓ کو مارا۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی کو ڈانٹا اور اعلانِ عام کر دیا کہ جو کوئی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ یا مُردہ پکڑ کر لائے گا اس کو سو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ آج مقصودِ کائنات کے لئے سَو اونٹ انعام کی شرط ہے۔ ایک دن آپؐ کے والد عبداللہ کے لئے ہی سَو اُونٹ خونِ بہا مقرر ہوا تھا۔ اور سَو اونٹ قربان کر کے حضرت عبداللہ کو زندگی ملی تھی۔ آج وہی قوم سَو اونٹ دے کر بیٹے کی زندگی چھین رہی ہے اور یہی قوموں کے اطوار رہے ہیں۔ کبھی سَو اونٹ زندگی کی قیمت۔ اور کبھی سَو اُونٹ موت کے دام ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ جب رسولِ کریمؐ اور حضرت ابوبکر نکل گئے تو ہمارے ہاں قریش کی ایک ٹولی آئی جس میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ آکر دروازہ پر

[۱]:- ابن ہشام صفحہ ۲۹ باب ۷۲ ؂

کھڑا ہو گیا۔ اور بولا " اے ابوبکرؓ کی بیٹی؟ تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا۔ واللہ میں نہیں جانتی۔ ابوجہل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور وہ بدمعاش خبیث تھا میرے گال پر ایسا تھپیٹر مارا کہ میرے کان کی بالی گر گئی "۔ [۱]

پس ہجرت عن الدار کے بعد آپؐ غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے۔ دشمن تلاش کرتا ہوا سر پر آن پہنچا۔ ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے محبوب دوست کے لئے اور کہا یا رسُول اللہ! دشمن سر پر کھڑا ہے اگر کوئی نظر نیچی کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ مت ڈرو۔ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (پھر وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں) سُبحان اللہ! ایسا توکل ہے۔ دشمن سر پر کھڑا۔ اور اتنا نزدیک ہے کہ ذرا آنکھ نیچے کرے اور دیکھ لے۔ لیکن آپؐ کو خدا تعالیٰ پر ایسا یقین ہے کہ باوجود سب اسباب مخالف کے جمع ہو جانے کے آپؐ ہی فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا خُدا تعالیٰ پر کامل توکل ہی کامیابی کی علامت ہے۔

چنانچہ حضرت رسُولِ خُدا مع اپنے رفیقِ خاص تین رات دن اس غار میں پوشیدہ رہے۔ حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکرؓ رات کے اندھیرے میں آکر کھانا دے جاتیں۔ چوتھے دن غار سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریسقط کی راہنمائی میں یہ مختصر قافلہ یثرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ معروف شاہراہ سے ہٹ کر ظہر تک سفر برابر جاری رہا۔ آپؐ سورۃ یٰسین کا ورد کر رہے تھے کہ سُراقہ بن مالک نے آپؐ کا تعاقب شروع کر دیا۔ جب قریب ہوا تو آپؐ کی توجہ کے نتیجہ میں اسکی سواری نے ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں زمین تک دھنس گئے۔ یہ حادثہ اس کے ساتھ تین دفعہ ہوا۔ یہانتک کہ اس کی نگاہِ بصارت نے کام کیا اور اس نے اٹھ کر امان طلب کی جو کہ رحمۃٌ للعٰلمین کے حضور سے نصیب ہو گئی۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا۔ سُراقہ میں تیرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اس نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ یا رسُول اللہ میرے ہاتھوں میں کنگن؟ ؂

---

[۱]:- ابن ہشام صفحہ ۲۹۳ باب ۷۲ ؂

پہلا غلبہ اور ہجرت

سراقہ بن مالک بن جعشم کا تعاقب

بمطابق جون ۱۴ سنہ نبوی سنہ ۶۲۲ء

اگرچہ ہجرت کی گھڑی سے ہی غلبہ کی گھڑی شروع ہوگئی تھی۔ جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ننگی تلواروں کے محاصرہ میں سے دشمن کو اندھا کر کے صاف نکل آئے تو ہر قبیلہ کا ہوشمند نوجوان آنکھیں میچ میچ کر دیکھتا تھا کہ وہ انسان کہاں گیا؟ کدھر سے گیا؟ اور کیسے گیا؟ چونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کی بینائیاں چھین لی تھیں۔ اور وہ آپؐ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ آپؐ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں مکہ سے نکل گئے۔ دوسری دفعہ پھر جب سید البشر دنیا والوں کی نظر سے چھپ کر غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے تو رؤسائے قریش اور ہوشیار ترین کھوجی غار کے مُنہ پر پہنچ بھی گئے۔ مگر اُن سے دوسری بار پھر بینائی چھین لی گئی تھی۔ اور وہ منزل پر پہنچ کر اندھے، گونگے اور بہرے ہوگئے تھے۔ دونوں مواقع ایسے معجزاتی تھے کہ دشمن کی بصارت کو نبی پاکؐ کے بابرکت وجود کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی بصری طاقت چھین لی تھی۔ مگر حقیقی غلبہ غارِ ثور سے نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب انعام کے طمع میں تعاقب کرنے والے کی آنکھوں نے آپؐ کو دیکھ بھی لیا۔ آپؐ دشمن کے بالکل سامنے آگئے اور نورانی چادر جو آپؐ کے وجود کو ڈھانپے ہُوئے تھی۔ سراقہؓ بن مالک کی نظریں اس کے ورے چلی گئیں۔ سراقہؓ بن مالک پہلا شخص تھا جو اس نیّت سے اپنے گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے آپؐ کے قریب پہنچا۔ اور اُس نے آپؐ کو دیکھ بھی لیا۔ گویا دشمن اس مقام پر آپؐ کو دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر اس مقام پر بھی دشمن کی کامیابی نہ تھی۔ رسُولؐ خدا کی ہی کامیابی تھی اور یہی آپؐ کا

غلبہ تھا۔ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق کہ "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ"۔ غلبہ کی ساعت شروع ہوگئی اور ہر مقام پر خُدا اور اس کا رسُولؐ غالب ہوتا رہا۔ خُدا تعالیٰ نے آج ۱۴ سنہ نبوی ارادہ ظاہر کر دیا کہ "مخالف طاقتیں توڑ دی جائیں گی۔ ان طاقتوں نے بہت دیر حکومت کر لی ہے۔ اب خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑک رہی ہے۔" اور خدا تعالیٰ کا غلبہ شروع ہوتا ہے۔ تو دنیوی طاقتیں بے حقیقت ہوجاتی ہیں۔ ایسے ہی یہ غلبہ کا دَور شروع ہو چکا تھا۔

آپؐ کے بچ نکلنے کے بعد ائمۃ الکفر نے آپؐ کے سر کا انعام مقرر کیا۔ "اس شخص کو سَو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے جو ہم تک محمدؐ کو زندہ یا مُردہ پہنچا دے"۔ یہ انعام کا لالچ کافی حوصلہ مند چیز تھی۔ سراقہ بن مالک نے دل میں ٹھان لی کہ وہ انعام ضرور جیتے گا۔ وہ پختہ یقین لے کر نکلا کہ سو اونٹ اس کا مقدر ہیں۔ اُس نے اپنا وہ گھوڑا جو بطنِ وادی میں چرنے کے لئے لمبے عرصہ سے باندھ رکھا تھا۔ اور ایسے موقعہ کے لئے ہی تیار کیا ہوا تھا۔ ساتھ لیا اور ہتھیار باندھ کر زرہ پہن لی اور فال نکالی۔ لیکن فال وہ نکلی جسے وہ پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اس طرح اس کا مشن ناکام ہوجاتا تھا۔ دو تین بار فال وہی نکلی۔ جس سے رسُولِ خُدا کو ضرر نہ پہنچ سکتی تھی۔ سراقہؓ کہتا ہے "مجھے اُمید تھی کہ آپؐ کو قریش کے پاس لاؤں گا اور قریش سے سَو اونٹ لوں گا۔ پھر مَیں سوار ہو کر آپؐ کے نشانِ قدم پر چلا۔ میرا گھوڑا دوڑ رہا تھا کہ ٹھوکر کھائی۔ اور مَیں اس سے گر پڑا۔ مَیں نے دل میں کہا آخر یہ کیا بات ہے؟ پھر میں نے تیر نکالا تو وہی فال نکلی۔ لیکن مَیں کوئی دوسری صورت قبول کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ دوبارہ پیچھا کیا تو میرے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اور مَیں اس سے گر پڑا۔ گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکالے تو ساتھ ہی بگولے کی طرح دھواں نکلا تب میں نے جان لیا کہ آپؐ مجھ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ پس خُدا کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور کامیابی کا دروازہ آپؐ پر کھُل گیا۔ تعاقب کرنے والے اور آپؐ کے درمیان معمولی

فاصلہ ہے۔ گویا آپؐ ان کی پہنچ میں ہیں۔ وہ انعام کے نشے میں مخمور شترا ونٹوں کے گ
کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ شکار بھی ایسے حال میں ملا۔ کہ انسانی طاقتیں اس کے ساتھ
نہیں تھیں۔ مگر روحانی اور غیبی طاقتیں اس کو مل رہی ہوں۔ مدد اور حفاظت کا ا
جسے نصیب ہو۔ پھر ایک سراقہ کیا ہزار سراقہ بھی آپؐ کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ آخر
تین بار کرشمۂ اعجاز دیکھ کر سراقہ نے توبہ کرلی اور بآواز بلند رسولؐ خدا کو پکارا۔
جانے والو! ذرا رک جاؤ، اتنی مہلت دو کہ میں تم سے کچھ بات کرسکوں۔ واللہ ا
کوئی دغاباز نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گا جو تمہیں ناپسند ہو۔
رسولِ خدا نے فرمایا۔ کہ اس سے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے۔ آپؐ بڑے اطمینان سے
تلاوت فرماتے جارہے تھے۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کیا۔ "میں آپؐ کے
تعاقب میں آیا تھا۔ مگر واپس جاتا ہوں۔ مجھے امن کی تحریر آپؐ لکھ دیں۔ اور میں وعدہ کر
ہوں کہ جو کوئی بھی مجھے تعاقب کرنے والا ملا میں اسے پھیر دوں گا۔" اس نے خواہش
کی کہ مجھے سندِ امان لکھ دی جائے۔ آپؐ کے ارشاد پر حضرت ابوبکرؓ نے کاغذ یا
ٹھیکری پر یہ تحریر لکھ کر دی۔ جس میں کسریٰ کے کنگن کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ "رسول
خدا نے جب مکہ فتح کیا اور حنین اور طائف کی جنگوں سے فارغ ہوئے تو سراقہ
وہ تحریر لے کر حاضر ہوا۔ بیان کرتا ہے کہ میں رسولِ خدا کے قریب گیا۔ آپؐ اونٹ
پر سوار تھے۔ میں نے تحریر نکال کر ہاتھ بلند کیا۔ یا رسولؐ یہ میری نسبت آپؐ کی تحریر
ہے۔ یَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ آج کا دن وعدوں کو پورا کرنے کا دن ہے پھر سراقہ
نے اسلام قبول کیا۔ خداوند عالم کی قدرت ملاحظہ ہو کہ جب حضرت عمرؓ کے وقت
میں ایران فتح ہوا تو کسریٰ کا خزانہ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں کسریٰ
کے کنگن بھی آئے۔ حضرت عمرؓ نے سراقہؓ کو بلایا۔ اپنے سامنے اس کے ہاتھ
میں کسریٰ کے کنگن جو جواہرات سے مرصع تھے پہنائے اور یوں خدا کا رسولؐ غالب
آیا۔ کہ دیکھنے والے نے دیکھ لیا۔ پکڑنے والے نے پالیا۔ اور بالمشافہ باہم ہمکلام
ہوئے مگر دشمن مغلوب تھا۔ اور امن و پناہ کا خواہاں۔ کبھی وہ دن تھے کہ یہی معصوم

مجسمۂ رحمت شہر کے لوگوں سے بھاگ کر باغ میں پناہ لیتا ہے۔ اور پتھراؤ سے
زخمی خون آلود وجودؐ خدا سے اپنے ضعفِ قوت اور قلتِ تدبیر کی شکایت کرتا
ہے۔ اور جب غلبہ شروع ہوتا ہے تو دشمن نے آپؐ کو گھائل نہیں کیا۔ آپؐ نے دشمن
کو گھائل کردیا۔ اور بیشتر اس کے کہ وہ واپس لوٹتا۔ وہ محمدؐ رسولِ خدا کی صداقت و
عظمت کا قائل ہوچکا تھا۔ گو وہ اسلام میں شامل فتح مکہ پر ہوا۔

پہلی مسجد

مسجد قبا سنہ ۱ھ

اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ۔ چونکہ شان عبدیت صرف اور صرف
نماز سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے خدا کے رسولؐ نے اپنے صحابہ میں عبدیت پیدا
کرنے کے لئے تکمیل سفر ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام جو کیا وہ نماز کے لئے مرکز
بنانا تھا۔ تاکہ خدا کے بعد اپنی عقیدت کے پھول خدا کے حضور پیش کرنے کے
لئے اجتماعی رنگ میں حاضر ہوں اور اس کی محبت کی بھیک اس سے مانگیں۔ آپؐ
جب اپنے آبائی گاؤں کو چھوڑ کر ہفتہ عشرہ کی خاموش مسافت طے کرکے اپنی موعودہ
منزل کی طرف پہنچے تو کسی خیال کے ماتحت سیدھے شہر کے اندر داخل نہیں ہوئے
بلکہ دائیں طرف ہٹ کر مدینہ کی بالائی آبادی (اصل شہر سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر)
قبا کی طرف تشریف لے گئے وہاں کے انصار نے آپؐ کا پُرتپاک استقبال کیا۔ کیونکہ
یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ اور وہ اپنے محبوب نبیؐ کو دیکھنے کیلئے
بے تاب تھے۔ ان میں ممتاز ترین خاندان عمروؓ بن عوف کا تھا۔ آپؐ اس خاندان کے
رئیس اعظم کلثومؓ بن الہدم کے مقام پر مقیم ہوئے اور سب سے پہلے خدا کے گھر کی بنیاد
رکھی۔ یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں تعمیر ہوئی۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس مسجد کی

بنیاد رکھی۔ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مزدوروں اور معماروں کا کام کیا اور چند دن کی محن
سے یہ خدا تعالیٰ کا گھر مکمل ہو گیا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں بھی ذکر ہوا
اس مسجد سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پیار تھا۔ کیونکہ یہ آپؐ کا پہلا عم
غلبہ تھا۔ وہ شخص جو ایک لمبے عرصہ سے اپنے پیدا کرنے والے معبودِ حقیقی ک
سامنے جھکنے کے لئے بھی بے خوف و خطر نہیں جھک سکتا اجتماعی تسبیح و تحمید ک
سوچنا تو قریبًا غیر ممکن ہی تھا۔ لیکن جس رات آپؐ گھر سے نکلتے ہیں۔ معجزانہ غل
شروع ہو جاتا ہے۔ اوّل تو تعاقب کرنے والے آپؐ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے او
الٰہی تصرف سے وہ ہر مقام پر خائب و خاسر رہے نہ صرف آپؐ پُر امن مقام پ
پہنچے بلکہ آپؐ کا پُر تپاک استقبال کرنے کے لئے ایک قوم سمندر کی طرح آگے بڑ
اور خدا تعالیٰ کے مقدس نبی کے لئے جان نثار بن گئی۔ آپ عزیز و اقارب کے مظا
سے تنگ آکر اپنے وطن سے نکلتے ہیں۔ اور ایک ایسی بستی کی طرف خدا تعا
آپؐ کو لے آتا ہے جو دنیوی رشتہ کے لحاظ سے قطعی غیروں کی بستی ہے مگر خدا
ان غیروں کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ خون کے رشتے اس کے سا
قطعی ہیچ نظر آتے ہیں۔ آج آپؐ کتنے خوش ہیں کہ اسلام کو تیرہ برس کے بعد
ٹکنے کے لئے زمین نظر آئی ہے۔ چنانچہ بانیٔ اسلام نے سب سے پہلے اسلام کا مرکز
تعمیر کیا ہے۔ تاکہ وہاں سے خدائے واحدہٗ لاشریک کے لئے پانچ اذانیں دی جا
اور باجماعت نمازیں پڑھی جائیں اور قرآن کی درس گاہیں بنائی جائیں۔ مسجد ک
لئے آپؐ کے دل میں بہت عزت و محبت تھی یہانتک کہ آپؐ نے حکم دے رکھا
"جہاں کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو"[1]۔ نماز شک
ادا فرماتے ہیں کہ شکر الحمد للہ! اسلام کے نازک اور کمسن پودے کو آزادی
سانس نصیب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد سے آخر وقت تک بہ
محبت تھی۔ چنانچہ مدینہ چلے جانے کے بعد بھی آپؐ ہر ہفتہ قبا میں تشریف لے جا
اور اس اپنی پہلی مسجد میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد۔

اور بھی بہت سی مسجدیں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ لیکن قبا کی
مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ مسجد آپؐ کی پہلی تعمیر تھی۔ اور خاص توجہ کا مرکز تھی
اور روحانی نو آبادی کا پہلا قدم تھا۔ اس پہلے قدم سے ثابت ہوا کہ حقیقی مومن
مسجد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مسجد کے ساتھ لگاؤ خدا کے ساتھ لگاؤ کا
مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کو ملنے کا ذریعہ نماز ہے اور باجماعت نماز ادا کرنا مومن
کا معراج ہے یہ مسلّمہ امر ہے کہ آپؐ رحمۃٌ للعالمین تھے۔ لیکن اپنی تمام تر شفقت و
محبت کے باوجود آپؐ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے
میں اُن کے گھروں کو اُن کے سمیت جلا دوں۔ گویا کہ ان کے دل میں نماز سے عشق
کی ایک آگ تھی جس کے شعلوں سے آپؐ مسجد سے دور رہنے والوں کے گھروں
کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتے تھے۔ پس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر اذان
کی آواز آپ کے گھروں تک آجائے تو آپ پر مسجد میں آنا لازم ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ ایک اندھے صحابیؓ نے اجازت مانگی تھی کہ یا رسول اللہؐ میں نابینا ہونے
کی وجہ سے مسجد تک نہیں آسکتا۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے گھر تک اذان
کی آواز آتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ
مسجد میں تمہیں آنا چاہیئے۔ تو یہ اہمیت ہے اسلام میں مسجد کی۔ جس کو آپؐ
کے عمل و قول نے ثابت کر دیا ؎

پہلی نماز جمعہ

نماز جمعہ بمقام مدینہ منورہ سنہ ۱ ہجری

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ

مدینہ جو کہ اصل آپؐ کا منشاءِ ہجرت تھا۔ اور یہی وہ موعود مقام تھا جس کے لئے آپؐ نکلے تھے۔ آپؐ کی آمد کے لئے بے تاب و بے قرار تھا۔ ہر مسلمان کا دل اس لمحہ کا منتظر تھا جب کہ ان کا محبوب آقاؐ اس سرزمین پر قدم رکھے۔ آخر وہ خوشی کی گھڑی آگئی۔ آپؐ تقریباً دس دن قبا میں رہ کر مدینہ کے لئے بروز جمعہ رخصت ہوئے۔ مدینہ کے مرد و عورتیں بچے اور بوڑھے سب کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا دنیا اور آخرت کے انعامات انہیں آج آپؐ کے وجود میں حاصل ہو گئے ہیں۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے یوں محسوس کیا کہ ہمارے لئے مدینہ روشن ہو گیا۔ چنانچہ آمد کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی کو چلنے دیا۔ انصار و مہاجرین کی ایک بڑی جمعیت آپؐ کے ساتھ تھی۔ یہ قافلہ آہستہ آہستہ شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ راستہ میں ہی نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سالم بن عوف کے محلہ میں ٹھہر کر صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا۔ گو اس سے پہلے بھی خطبہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ مگر یہ پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے خود ادا فرمایا اور اس کے بعد جمعہ کی نماز کا موجودہ طریق باقاعدہ جاری ہو گیا۔ نماز جمعہ دراصل نمازوں کی عید ہے۔ اور اسلامی شریعت میں جمعہ کی نماز کو اسی لئے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان جمعہ کے دن غسل کرکے کپڑے بدلے اور خوشبو استعمال کرے اور جلد از جلد نماز کے لئے مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جائیں۔ جتنی جلدی کوئی آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب اسے حاصل ہوگا۔ سب سے

ـه: زرقانی جلد ۱ صفحہ ۳۵۷

پہلے آنے والے کو ایک پہاڑی جتنا ثواب ملتا ہے۔ جبکہ سب سے آخر میں آنے والے کا ثواب ایک مرغی کے انڈے کے برابر رہ جاتا ہے۔

پس یہ نماز جمعہ پہلی نماز جمعہ تھی جو مدینہ منورہ میں آپؐ نے وادی ذِالوفاء کے درمیان ادا فرمائی۔ خطبہ میں ان مسائل کا ذکر فرمایا جو اس وقت ضروری اور اہم تھے۔ اور حاضرین کو ایمان و اعمال صالحہ کے متعلق مناسب نصائح و ہدایات دیں اور دو رکعت نماز فرض ادا کی۔ اس جگہ جہاں آپؐ نے پہلا جمعہ پڑھایا اب ایک مسجد تعمیر ہے جسے اُس جمعہ کی یادگار میں مسجد الجمعہ کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ بھی اس نماز جمعہ میں موجود تھے۔ کیونکہ وہ آپؐ کی ہجرت کے تین دن بعد لوگوں کی امانتیں وغیرہ واپس کرکے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ آپؐ کو نماز سے عشق تھا۔ کیونکہ مدینہ میں قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے سب سے پہلے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا! نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا! والدین سے نیکی کرنا..... اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کو نماز سے کتنا پیار تھا۔ اور نماز ہی کی پابندی کرنے والے کو آپؐ نے اعمالِ صالحہ کا سردار مقرر فرمایا ہے۔ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مسلمان نماز کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ سے تعلق کے بغیر ہم تقویٰ کی راہوں پر نہیں چل سکتے اور خدا تعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ادا کرنا ضروری امر ہے نماز جمعہ کے بعد جیسے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جب تم نماز ادا کر لو تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو طلب کرتے ہوئے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ (سورہ جمعہ)

پس نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے کہنے والا شخص جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لایا تو پہلا کام ہی نماز ادا کرنا تھا۔ اور جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے رخصت ہوا تو آخری فقرہ جو آپؐ کی زبان مبارک سے سنا گیا۔

الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم یعنے اے امت کے لوگو! نماز اور غلاموں کے بارے میں میری تعلیم فراموش نہ کرنا۔ یعنی آخری الفاظ بھی نماز پر ہی ختم ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

پہلا خطبہ

یکم ہجری

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ کہنے والا مقدس وجود تیرہ برس تک پتھر دل انسانوں کے سامنے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پیش کرتا رہا۔ اور نتیجتہً چند سینکڑہ نفوس کے باقی تمام رؤساء کی چمکتی ہوئی تلواروں نے ترجمانی کی تو آپؐ نے مکہ کو چھوڑ دیا۔ مگر اسی عزم صمیم کے ساتھ کہ پھر فتح کی خاطر نہیں بلکہ مکہ والوں کے دلوں کو فتح کرنے کی خاطر جب ایک بسا بسایا شہر چھوڑ کر آپؐ دار الہجرت اور جائے پناہ میں پہنچ گئے تو اواخر ربیع الاوّل جمعہ کے روز آپؐ نے ان لوگوں کو خطاب فرمایا جنہوں نے عقبیٰ کے میدان میں آپؐ کو پناہ کی پیشکش کی تھی۔ اور جو اس عہد کو جو انہوں نے عقبیٰ میں باندھا تھا سچ کر دکھانے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اور منتظر تھے۔ چنانچہ اس مسجد میں جو وادئ رانونا کے درمیان واقع ہے۔ آپؐ نے پہلا جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ "لوگو اسلام پھیلا دو[1]۔ اپنی ذات کے لئے کچھ اچھے کام کر لو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک ایک شخص صاعقہ موت کا نشانہ بنے گا۔ پھر وہ اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ جائے گا کہ کوئی چرواہا نہیں رہے گا۔ پھر اس سے پروردگار اس طرح گفتگو کرے گا کہ نہ کوئی ترجمان درمیان میں ہوگا اور نہ کوئی پردہ اس کے سامنے ہوگا کہ اسے چھپائے۔ اور خدا تعالےٰ فرمائے گا۔ "کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا؟ اور اُس نے تجھے تبلیغ نہیں کی تھی۔ مَیں نے تجھے مال دیا تجھ پر اپنا فضل

---

۱ :- شبلی حصہ دوم صـ۲۴۲ ؛

کیا۔ تم نے اپنی ذات کے لئے موت سے پہلے کیا کیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ "پھر بندہ دائیں بائیں دیکھنے لگے گا اور کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ سامنے دیکھے گا تو دوزخ کے سوا کچھ نہ پائے گا۔ لہٰذا جس سے ہو سکے اپنا چہرہ آگ سے بچائے۔ اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعہ ہو۔ اسے چاہیئے کہ ایسا کرے اور جو شخص یہ بھی نہ پائے تو ایک نیک بات کے ذریعہ سے ہی سہی۔ کیونکہ اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ ایک نیکی کا معاوضہ دس گنا تک ہوگا۔ اور اے لوگو تم پر اللہ کے رسُول کی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔" آمین[1]

یہ پہلا خطبہ اور اس کے بعد آپ کی مدنی زندگی کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے لئے جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپؐ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے اور پھر لوگوں کو سلام کہتے۔ پہلے پہل منبر ایک لکڑی کا تنا تھا جس کا سہارا لیکر آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ بعد میں وہ منبر بدل دیا گیا۔ تو مؤرخین کا قول ہے کہ منبر کی لکڑی کا یہ بے جان ٹکڑا جو مسجد نبوی میں کھڑا رہا تھا۔ لوگوں نے اس کے کراہنے کی آواز سُنی تو پوچھنے پر بتایا گیا کہ سرور کائنات کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اس لئے وہ کراہتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ آپ آذان کے فوراً بعد خطبہ شروع فرما دیتے۔ پہلے دائیں ہاتھ میں عصاء ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصاء لینا چھوڑ دیا[2]۔ خطبہ ہمیشہ مختصر و جامع ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے "نماز کا طول اور خطبے کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔" جمعہ کے خطبہ میں آپؐ عموماً سورۃ "ق" پڑھتے تھے[3]۔ جمعہ اور عید کا خطبہ معین تھا۔ باقی جب ضرورت پڑتی تھی تو آپؐ فی البدیہہ بھی خطبہ کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے زمین پر منبر پر اونٹ پر جس جگہ اور جس موقعہ پر خطبہ دینا چاہا

---

۱ :- سیرۃ ابن ہشام صـ۵۱۴ــ۵۱۵ باب ۷۵ ؛ ۲ :- صحیح مسلم ۔
۳ :- صحیح مسلم ۔

جامع اور مختصر خطبہ دیا[1]۔ ضرورت کے مطابق طویل خطبات بھی دینے پڑے ہیں۔ تو آپؐ نے بہت پُرمغز اور عالی شان خطبے دیئے جن سے لوگوں میں روحانی جوش پیدا ہو۔ خطبہ حج الوداع اپنی ذات میں ایک نایاب اور لاثانی خطبہ تھا اور ایسا فصیح و بلیغ تھا کہ اسلامی تعلیم کا نچوڑ تمام تر ہمارے سامنے چند جملوں میں آپؐ نے فرما دیا۔ آپؐ نے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ انا افصح العرب یعنی میں فصیح ترین عرب ہوں۔ اور جامع کلمات لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ خطبہ کی حالت میں آپؐ ہمیشہ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دیتے۔ چنانچہ ایک شخص مسجد میں آیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا "نہیں" یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا۔ اٹھو اور پڑھو۔

میدان جہاد میں بھی جب آپؐ خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی تاکہ جہاد کا اعلان ثابت ہو۔ لیکن ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ خطبہ کے وقت کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی[2]۔

---

[1] زاد المعاد جلد اوّل۔ فصل بدیہہ فی الخطبہ ص۱۲۱

[2] شبلی حصّہ دوم ص۲۱۷

پہلی قیام گاہ

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی جائے رہائش ۱ھ

ہجرت کے بعد مدینہ کا پہلا گھر جہاں سرور کائناتؐ نے سب سے پہلے قیام فرمایا۔ ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا۔ حضور پُرنورؐ اسلام کے انوار تیرہ برس تک شب و روز ایک ایک کر کے مکہ کی سرزمین میں روشن کرتے رہے۔ انتہائی محبت و پیار۔ صبر و استقامت اور عفو و درگذری کے ساتھ اپنے لوگوں میں وقت گزارتے رہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ مکہ والے روشنی حاصل کرتے۔ یثربی خوش نصیب آگے بڑھ آئے اور اس محسن انسانیت کے میزبان بن گئے۔ ایک دن وہ آگیا کہ جس ہستی کے لئے اس کے ہم وطن خون کے پیاسے تھے۔ اسی ہستی کے لئے یثرب کا ہر شخص یہ خواہش کرتا کہ آپؐ اس کے گھر پہ ٹھہریں۔ جس جس گلی سے آپؐ کی اونٹنی گذرتی ہے اسی گلی کے مختلف خاندان گھر کے سامنے کھڑے ہو کر احمد مجتبےٰؐ کا استقبال کرتے ہیں۔ اور کہتے جا رہے ہیں یارسول اللہ! یہ ہمارا گھر ہے یہ ہمارا مال ہے اور یہ ہماری جانیں ہیں۔ آپؐ اپنی خدمت و حفاظت کے لئے قبول فرمائیں۔ حتیٰ کہ بعض انصار وفور محبت سے مغلوب ہو کر آپؐ کی اونٹنی کی باگ پکڑ لیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے مجمع الانوار! آج خدا کے لئے میرا گھر روشن ہو جائے۔ آپؐ ہر ایک کو یہی جواب دیتے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ آج خداتعالےٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ وہیں کھڑی ہو گی جہاں خداتعالےٰ کا منشاء ہو گا۔ آخر ہوا وہی جو آپؐ فرما رہے تھے۔ دو[2] یتیم بچوں کی زمین پر اونٹنی بیٹھ گئی اور اکتوبر ۶۲۲ء مطابق یکم ہجری بنو نجار کے سہیل و سہل کی قسمت جاگی اور ان کے لئے خوش بختی کا پیغام لائی۔ قدرے توقف کر کے اونٹنی اٹھی اور چکر کاٹ کر بحکم ربّی پھر وہیں اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ آپؐ نے وہ جگہ خرید کر سب سے

پہلے خُداتعالیٰ کا گھر تعمیر کیا اور پھر اپنے گھر تجویز فرمائے۔ پھر آپؐ نے فرمایا سب سے قریب گھر کس کا ہے۔ یہاں کس قدر انصاف اور محبت کا ثبوت دیا کہ اوّل حق اسی کا ہے جو میرے مجوزہ گھروں کا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ چنانچہ وہ گھر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور آپؐ کا پلان اٹھالیا اور اپنے گھر لے گئے۔

آپؐ کے حکم ملنے پر گھر کا کمرہ تیار کیا دو منزلہ عمارت والے گھر میں اُوپر کی منزل تجویز ہوئی۔ لیکن رسُولؐ خُدا نے فدایان رسولؐ کی تکلیف کا خیال کرتے ہُوئے نچلی منزل پسند فرمائی۔ ابو ایوبؓ انصاری مان تو گئے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ساری رات ہم میاں بیوی جاگتے رہے کہ ہمارے پیارے ہادیؐ نیچے سو رہے ہیں اور ہم اُوپر کی منزل پر بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ پانی کا ایک برتن اچانک جو گر گیا تو انہیں خیال پیدا ہُوا کہ چھت کے نیچے پانی نہ ٹپک جائے۔ حضرت ایوبؓ انصاری نے دوڑ کر اپنا لحاف اس پر ڈال کر خشک کیا اور خود ساری رات سردی میں بسر کی۔ صبح اُٹھ کر رسُول خُدا صلعم سے بالائی منزل کی اجازت چاہی۔ جو مل گئی۔[1]

حضرت ابو ایوبؓ کہتے ہیں کہ ہم کھانا تیار کر کے آپؐ کے پاس بھیجا کرتے تھے اور جب آپؐ بچا ہُوا کھانا واپس فرماتے تو برتن میں جس مقام پر آپؐ کا دستِ مبارک پڑتا تھا میں اور امّ ایوبؓ اسی مقام کو تلاش کرتے اور برکت حاصل کرنے کے لئے اسی مقام سے کھاتے۔

ایک دفعہ شام کا کھانا تیار کر کے روانہ کیا۔ جو کہ کچھ لہسن وغیرہ کی بُو والا تھا۔ رسُولِ خُداؐ نے کھانا واپس کر دیا۔ ابو ایوبؓ پریشان ہو کر آپؐ کے پاس پہنچے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ نے شب کا کھانا واپس فرما دیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ "میں نے اس میں لہسن اور پیاز کی بُو پائی اور میں ایسا شخص ہوں کہ مجھ سے سرگوشی کی جاتی ہے۔ تم اسے کھاؤ۔ کیونکہ تم لوگوں کی وہ حالت نہیں غرض ہم نے اسے کھایا۔ اس کے بعد خاص لہسن والا کھانا تیار نہیں کیا۔[2]

[1]: ۔حیات رسالتمآب صفحہ ۲۲۵ ؛ [2]: ۔ابن ہشام صفحہ ۵۱۲ باب ۴۷ ؛

جب تک رسُول اللہؐ کے اپنے گھر کا انتظام نہ ہو گیا باری باری تمام انصار اپنے ہادیؐ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کرتے رہے اور کھانا پکا کر گھر پر ہی پہنچا دیتے۔ تمام انصارؓ و مہاجرؓ آپؐ کی خدمت کو برکت و رحمت کا موجب خیال کرتے۔ آپؐ ربیع الاوّل میں تشریف لائے تھے۔ اور ابو ایوبؓ انصاری کے گھر چھ سات ماہ تک رہے۔ اس اثناء میں آپؐ تنہا تھے۔ اہل وعیال مکّہ میں تھے۔ جب مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اس کی اطراف میں حجرے بنا کر آپؐ اہل وعیال کو لائے اور انہیں ان حجروں میں اتارا۔[1]

چنانچہ ابو ایوبؓ انصاری کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب آپؐ نے بنو ابوالحقیق کا قلعہ فتح کیا تو آپؐ کے پاس صفیہؓ بنت حیّ ابن اخطب لائی گئیں تو آپؐ نے اُن پر اپنی چادر ڈال دی۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ آپؐ نے انہیں اپنے لئے منتخب فرما لیا ہے۔ تو رسُولؐ خُدا نے خیبر ہی کے کسی خیمے میں ان کو زوجیت کا شرف بخشتے ہُوئے نکاح پڑھ لیا تھا۔ ابو ایوبؓ تلوار لے کر رات بھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پہرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ صبح کے وقت جب آپؐ نے ابو ایوبؓ کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ اے پیارے رسُولؐ! مجھے آپؐ کے متعلق اس عورت سے اندیشہ تھا۔ یہ وہ عورت ہے جس کے باپ کو شوہر کو اور قوم کو نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ ابھی ابھی نئی مسلمان ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں ان سے خطرہ محسوس ہُوا۔ رسُولؐ خدا نے فرمایا:۔

"اے اللہ تو ایوبؓ کو اپنی امان میں رکھ جیسا کہ اس نے رات بھر میرا پہرہ دیا ہے"۔[2]

---

[1]: ۔شبلی جلد دوم (ابن سعد) ؛ [2]: ۔ابن ہشام صفحہ ۳۹۲ باب ۱۴۱ ؛

پہلا اسلامی شہر

مدینۃ النبیؐ

یثرب عرب علاقہ حجاز کا ایک قدیم شہر ہے۔ جو مکّہ سے شمال کی طرف دو اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر بحر احمر کے شرقی ساحل سے قریبًا پچاس میل مشرق کی طرف ہٹ کر واقع ہے۔ اس وسیع شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ خُدا تعالیٰ کا فرستادہ اپنے ہی بھائیوں کا زخم خوردہ پناہِ غیر کے لئے جب نِکلا تو اس وادی نے اُس کے لئے اپنی گود کھول دی۔ مکّہ سے نکالا جانے والا پیارا رسُولؐ جب یثرب میں داخل ہوُا تو یہ شہر مدینۃ الرسول کہکر پکارا جانے لگا۔ اور وہ سورج جو مکّہ میں طلوع ہوا تھا۔ مدینہ کے لوگوں پر جا چمکا۔

جبل احد۔ عیر اور جبّرے کے درمیان گھرا ہوُا یہ شہر تینوں اطراف سے نخلستان سے ہی گھرا ہوُا ہے جن میں سے ہو کر کوئی حملہ آور رسُولؐ کریم کے زمانہ میں بمشکل داخل ہو سکتا تھا۔ صرف شمالی سمت ہی کھلی تھی جس کی حفاظت کے لئے آپؐ نے خندق کھود لی تھی۔ مدینہ منورہ کے گرداگرد ایک مضبوط فصیل ہے جس میں چار[۴] دروازے ہیں۔ باب[۱] قبا۔ باب[۲] شامی۔ باب[۳] عوالی اور جنت البقیع کی جانب باب الجمعہ[۴] ہے۔ اس کی آبادی پہلے ہی کثیر قبیلوں پر مشتمل تھی اور بہت زیادہ تھی۔ پھر اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص بڑھ گئی۔ کہ ترکوں کے زمانہ میں ایک لاکھ کے قریب تھی۔ آج اس شہر میں بہت سے متبرک آثار ہیں۔ سب سے بڑھ کر مقدّس و متبرک روضۂ اطہر اور مسجد النبی یا حرم مدینہ ہیں۔ متعدد مساجد اور کوئیں ہیں۔ بئرِ موعونہ وہ کنواں ہے جسے حضرت عثمانؓ نے بھاری رقم دیکر خریدا تھا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

پس مدینہ وہ موعود مقام ہے جہاں سرورِ کائناتؐ بروز پیر آٹھ ربیع الاوّل غار ثور سے نکل کر سیدھے پہنچ گئے تھے۔ یہ چار افراد پر مشتمل مبارک قافلہ عبداللہ بن ارقط کی راہنمائی میں چار دن کے سفر کے بعد قبا میں داخل ہوُا سن عیسوی کے شمار سے یہ تاریخ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء تھی[۱] پھر جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ آپؐ وہاں سے رخصت ہوئے اور آپؐ نے پہلی نماز جمعہ وادیؐ[۲] زانو ناد کے درمیان سالم بن عوف کی مسجد میں ادا فرمائی۔ آپؐ کی آمد کی اطلاع سب سے پہلے ایک یہودی نے دی۔ جو ایک بلند مقام پر کھڑا تھا۔ اُس نے باآواز بلند پکار کر کہا۔ "اے بنی قیلہ! وہ ذی شان ہستی آگئی جس کا تمہیں انتظار تھا۔ مدینہ والے جو کئی دنوں سے استقبال کے لئے آیا کرتے تھے۔ اپنے محبوب نبیؐ کو اپنے درمیان پا کر بے انتہا خوش تھے۔ مرد و زن تمام ترانے گا رہے تھے۔ کہ ؏

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع

آج چودھویں کا چاند ہم پر وداع کے موڑ سے چڑھا۔ اور جب تک خدا تعالیٰ کی طرف بلانیوالا دنیا میں کوئی موجود ہے۔ ہم پر اُس کا احسان رہے گا۔ اے وہ شخص! جس کو خُدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ تیرے حکم کی پوری اطاعت کی جائے گی۔"

اس شہر میں آپؐ کو خدا تعالیٰ نے مسجد بنانے کی توفیق عطاء فرمائی۔ جب آپؐ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے نہ رہائش کے لئے اور نہ مسجد کے لئے کوئی جگہ منتخب کی بلکہ اپنی اونٹنی کو خُدا تعالیٰ کی رضاء پر چھوڑ دیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی اور رُکے گی وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگی۔ اور آپؐ نے ایسا تین بار کیا۔ اور فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ مأمور ہے۔ القصویٰ آپؐ کی اونٹنی بحکم ربّی بنی مالک بن نجار کے احاطہ میں آئی۔ اور دو یتیم بچوں سہیل اور سہل کی زمین پہ بیٹھ گئی۔ جو بچے معاذ بن عفراء کے زیر پرورش تھے۔ آپؐ نے اس زمین کو خرید فرمایا اور سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیا درکھی۔ جس میں آج صدائے اللہ اکبر اس خطۂ ارض کے بسنے والوں کو ایک سچے خُدا ایک زندہ رسُولؐ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور

[۱]:۔ رحمۃ للعالمین جلد اوّل ص ۱۱۲

دین برحق اسلام کا رُوح آفریں مژدہ سناتی ہے۔ مدینہ ایک ایسا شہر بن گیا جسمیں خالصتاً خدائے واحد کی عبادت کی جانے لگی۔ مدینہ کے مشرک قبائل میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ جو دل سے مسلمان نہ ہوئے وہ ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ اور کچھ لوگ مدینہ میں مسلمانوں کی اسلامی شرکت کو برداشت نہ کر سکے۔ وہ مکہ چلے گئے۔ اس طرح دنیا کے پردہ پہ مدینہ منورہ کے سوا کوئی شہر یا گاؤں خالصتہً خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ رسولؐ خدا کے لئے یہ بڑی خوشی اور شکرانے کی بات تھی کہ چند ہی دنوں میں سعید روحیں آپؐ کے گرد جمع ہو گئیں۔ اور ایک پورا شہر ان کے ذریعہ سے خدائے قادر کا پرستار بن گیا۔ جس میں کسی بُت کی پُوجا نہیں کی جاتی تھی۔ نہ تو ظاہری بُت کی اور نہ باطنی بُت کی۔ نہ اب یہاں شرک خفی تھا اور نہ شرک ظاہری موجود تھا۔ ہمیں کتب سابقہ سے بھی یہ پیشگوئی ملتی ہے کہ یہی وہ مقدس بستی موعود بستی ہے جس کی طرف رسولؐ خدا کو ہجرت کر کے جانا تھا۔[ل] ان پیشگوئیوں میں دوانیوں اور تیما کی سرزمین کے باشندوں کو مخاطب کر کے بتایا گیا ہے کہ تیما کی سرزمین والو تم روٹی اور پانی لے کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے بڑھو۔ جو مخالفین کے جَور و ستم اور ان کی ننگی تلواروں اور کھچی ہوئی کمانوں کا ایک لمبے عرصہ تک نشانہ بنے رہے۔ اور بھاگ کر تمہارے ملک میں پناہ لینے آ رہے ہیں۔ ددان اور تیما کی نسلیں نواح مدینہ میں آباد تھیں۔ اور اسی شہر کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہونا تھا کہ یہاں کے مکین استقبال کے لئے آگے بڑھتے اور اپنی آنکھوں کو فرش راہ کرتے اور اپنے گھر کے دروازے ان کے لئے کھول دیتے۔ تا صحفِ سابقہ کے مطابق پیشگوئیاں پوری ہوتیں۔

پس مدینہ منورہ وہ موعود مقام ہے۔ جو صحفِ سابقہ سے بموجب پیشگوئی شرف حاصل کئے ہُوئے ہے ۞

[ل]: یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۷ ۞

پہلی پبلک عمارت (درسگاہ)

مسجد نبوی۔ سنہ ۱ ہجری

مدینہ میں پہلی مرکزی درس گاہ مسجد نبوی تھی۔ اور یہی علم و عرفان کا اوّلین مرکز تھا۔ مدینہ کے قیام کا سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ وہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ اُن سے رسولِ خدا نے وہ جگہ تقریباً دس دینار یعنی نوّے ۹۰ روپے میں خرید لی۔ اور جگہ کو ہموار کر کے اور درختوں کو صاف کروا کر مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بنیاد دعاؤں کیساتھ اپنے دستِ مبارک سے خود رکھی تھی۔ پھر اس کی تعمیر میں بھی وہ باکمال نفس سب سے آگے آگے تھا۔ آپؐ کی زندگی کا ہر شعبہ دوسروں کے لئے تقلید کا موجب تھا۔ اس لئے ہر مقام پہ آپؐ دوسروں کے لئے نظیر بن کر سامنے آتے ہیں کیونکہ آپؐ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام میں ہرج خیال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فخر محسوس کرتے تھے۔ آپؐ خود بھی صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوتے تھے اور اینٹیں اٹھاتے وقت یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

هٰذا الحمال لا حمال خيبر   هٰذا البرّ ربّنا واطهر

یعنی بوجھ خیبر کے تجارتی مال کا نہیں ہے۔ جو جانوروں پہ لاد کر آیا کرتا ہے۔ بلکہ اے ہمارے ربّ یہ بوجھ تقویٰ اور طہارت کا بوجھ ہے۔ جو ہم تیری رضاء کے لئے اُٹھاتے ہیں۔

مسجد کی عمارت پتھر کی سِلّوں اور اینٹوں کی تھی جس کی بلندی اس وقت دس فُٹ اور طول ایک سو پانچ فٹ۔ عرض نوے فٹ کے قریب تھا۔ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں کی تھی اور چھت کے نیچے سہاروں کے لئے بھی کھجور کے

ہی ستون تھے۔ شروع شروع میں منبر کی تجویز نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے انہی سہارا
ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھڑے
ہو جاتے تھے اور خطبہ دیتے تھے۔ فرش کچّا تھا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو جاتا تھا
اور آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی پیشانیاں سجدہ کرتے وقت کیچڑ سے لت پت
ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس تکلیف کو دیکھ کر بعد میں کنکریوں کا فرش بنوا دیا گیا۔ مسجد
کے گوشہ میں ایک چبوترا تھا جسے صفّہ کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ اصحاب
صفّہ کے لئے درسگاہ تھی۔ وہ عشاق قرآن یہیں رہتے تھے اور ان میں اکثر ایسے
مفلس تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہ تھا۔ وہ لوگ صبح و شام۔ رات
دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے۔ عبادت کرتے اور قرآن مجید کی
تلاوت کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی ہدیہ آتا تو اصحاب صفّہ کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ انصار بھی
حتی المقدور ان کی مہمان نوازی میں کوشاں رہتے تھے اور کچھ قومی بیت المال میں سے
بھی امداد دی جاتی تھی۔ ان اصحاب صفّہ کا پاک گروہ تو رات کو مسجد نبوی کے باہر
مدینہ کے معلمین سے قرآن سیکھتا تھا۔ مگر مسجد نبوی میں رسولِ خداؐ خود تشریف لاتے
تھے۔ قرآن مجید کے معارف کے موتی لٹاتے۔ اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح
انوارِ قرآنی کا سلسلہ اسی پبلک عمارت میں رات دن جاری رہتا۔ اور یہیں تمام قومی
کام سر انجام دیئے جاتے تھے۔ ایوان حکومت کا کام بھی یہی مسجد دیتی تھی۔ مجلس
شوریٰ بھی یہیں منعقد ہوتی تھی۔

جنگی قیدیوں کی حبس گاہ بھی یہی عمارت تھی۔ دفاع و جنگ کے لئے مشورے بھی
یہیں پر ہوتے تھے۔ اور یہی قومی مہمان خانہ تھا۔ گویا جتنے زیادہ سے زیادہ دینی
دنیوی مشاغل میں کوئی عمارت معروف ہو سکتی ہے تو وہ مسجد نبوی تھی۔

مسجد کے ساتھ ہی ملحق رسولِ خداؐ کے رہائشی مکان تیار کئے گئے تھے۔ آپؐ
کے مکان یعنی حجرہ اور مسجد کے درمیان ایک دروازہ رکھا گیا تھا۔ جس میں سے گزر
کر آپؐ نماز وغیرہ کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ شروع شروع میں مسجد کا رُخ

بیت المقدس کی طرف تھا۔ لیکن تحویل کعبہ کے وقت یہ رُخ بدل دیا گیا۔ یہ مدرسہ محمدیؐ
کے فیضان کی برکت ہے جو صدیوں تک جاری رہا۔ اس مدرسۂ قرآنی نے عشاق قرآن
کی ایک عالمگیر جماعت پیدا کر دی ہے۔ پس اس عظیم مسجد و درسگاہ کا فیض دائمی ہے۔

سر ولیم میور[1] اس مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"گو یہ مسجد سامان تعمیر کے لحاظ سے نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ لیکن محمدؐ (صلعم) کی
یہ مسجد اسلامی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ رسولِ خداؐ اور ان کے اصحابؓ اسی
مسجد میں اپنے وقت کا بیشتر حصّہ گزارتے تھے۔ یہیں اسلامی نماز باجماعت کا
آغاز ہوا۔ پس تمام مسلمان جمعہ کے دن خدا کی تازہ وحی کو سننے کے لئے مؤدبانہ اور
مرعوب حالت میں جمع ہوتے تھے۔ یہیں محمدؐ (صلعم) اپنی فتوحات کی تجاویز تخچنہ کیا کرتے
تھے۔ یہی وہ ایوان تھا جہاں مفتوح اور تائب قبائل کے وفود ان کے سامنے پیش
ہوتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے شاہی احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جو
عرب کے دور دراز کونوں تک باغیوں کو خوف سے لرزا دیتے تھے۔ اور بالآخر اسی مسجد
کے پاس اپنی بیوی عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں محمدؐ (صلعم) نے اپنی جان دی۔ اور اسی
جگہ اپنے دو خلیفوں کے پہلو بہ پہلو وہؐ مدفون ہیںؐ۔"

اسی مسجد کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ رسولِ خداؐ نے خود اپنے کندھوں پر اینٹیں
ڈھو ڈھو کر مسجد کی تعمیر کر کے وہ سنت ابراہیمی پھر زندہ کر دی جو کبھی حضرت ابراہیم
علیہ السّلام نے خود اینٹیں ڈھو کر کعبہ شریف کی تعمیر پھر سے قائم کی تھی۔ بیشک آپؐ ہی
حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سچے جانشین ہیں۔

---

[1]۔ لائف آف محمدؐ (سر ولیم میور) شبلی حصہ دوم۔

پہلا مؤذن

حضرت بلال رضؓ حبشی، بن رباح

حضرت بلال رضؓ امیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے اور وہ پہلے خوش نصیب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ میں اذان دی۔ وہ اسلام کے لئے قربانیاں دینے والے اور مصائب برداشت کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔ آپؓ نے خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت میں وہ ظلم سہے کہ آج بھی چودہ سو سال بعد اُن مصائب کا ذکر کرکے انسانیت شرمسار ہوتی ہے۔ صرف شرک نہ کرنے پر پاؤں میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا جانے والا اور بعض دفعہ رسیاں باندھنے کی بجائے سر کے بالوں سے گھسیٹا جانے والا، پتھروں پر خاموشی سے کھال چھلوانے والا آج قوم کا سردار بن گیا۔

حضرت بلال رضؓ ایسے سچے عاشقِ رسولؐ تھے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد انہوں نے اذان تک کہنی چھوڑ دی۔ حضورؐ کی جدائی کا دکھ حضرت بلال رضؓ کو اتنا تھا کہ انہیں اذان کہتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ اور وہ یادِ محبوبؐ میں بے قابو ہو جاتے۔ لیکن جب شام فتح ہوا تو ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ کے اصرار پر انہوں نے اذان کہی۔ مگر ان کی آواز سے سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا۔ چنانچہ خود حضرت عمر رضؓ اور دوسرے صحابہ رضؓ اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب بلال رضؓ فوت ہوئے تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا:۔

"آج مسلمانوں کا سردار گزر گیا"

حضرت بلال رضؓ ساتویں غلام تھے جنہیں حضرت ابوبکر رضؓ نے آزاد کرایا تھا۔ امیہ بن خلف جب معمول کے مطابق اذیتیں دے رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ وہاں سے گزرے انہوں نے فرمایا۔ امیہ! کیا تو اس بیچارے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ آخر یہ تعذیب کب تک جاری رہے گی؟ اس نے کہا تم ہی نے اسے بگاڑا ہے۔[1] اے ابن ابوقحافہ

جس مصیبت میں اسے دیکھ رہے ہو اس سے خود تم چھڑا لو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ "اچھا میں چھڑائے دیتا ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے۔ جو بلال رضؓ سے زیادہ مضبوط اور تیرے دین پر پوری قوت سے قائم ہے۔ میں اسے بدلے میں تجھے دیتا ہوں۔" اس نے کہا میں نے قبول کر لیا۔ انہوں نے فرمایا۔ پس وہ تیرا ہو گیا۔ اور اس طرح بلال رضؓ کو آزاد کرا لیا۔ جنگِ بدر والے دن بلال رضؓ کی تلوار نے اپنے مصائب کا انتقام خوب سے لے لیا۔ تلوار کی دھار نے پہچان لیا کہ یہ دشمنِ رسولؐ امیہ بن خلف ہے۔ اور اپنا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے جب بلال رضؓ نے دیکھا کہ یہ کفر کا سر کردہ امیہ بن خلف ہے تو کہا "اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ بآوازِ بلند یہ صدائیں کرتے ہوئے بلال رضؓ نے تلوار کھینچ کر امیہ کے پاؤں پر ماری۔ وہ گر پڑا۔ امیہ نے ایک چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ اس کے بعد اسے ٹکڑے کر ڈالا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا کے فرمان کے مطابق بدر کے مقتولوں کو گڑھے میں ڈال دیا گیا بجز امیہ بن خلف کے کیونکہ جب اُسے اٹھانے لگے تو اس کا جوڑ جوڑ الگ تھا۔ چنانچہ اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اُوپر مٹی اور پتھر ڈال کر لاش چھپا دی۔[1]

وہ خدا کا محبوب تھا اور اس کے رسولؐ کا بھی۔ کیونکہ وہ ان کے عشق میں گھائل ہوتا تھا۔ خدا کے محبوب سرورِ کائناتؐ نے بلال رضؓ سے اپنے پیار کا کیسے عظیم الشان رنگ میں ثبوت دیا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے ابی رویحہ رضؓ کو حضرت بلال کا بھائی بنایا تھا۔ اپنا جھنڈا عطا کیا اور اعلان فرما دیا کہ آج جو شخص بھی ابی رویحہ رضؓ کے جھنڈے تلے کھڑا ہو جائے گا۔ اسے امن دیا جائے گا۔ اس حکم میں کیا لطیف حکمت تھی کہ مکہ کے لوگ جو بلال رضؓ کے پیروں میں رسیاں باندھ کر جن گلیوں میں کھینچا کرتے تھے۔ جن میدانوں میں بلال رضؓ کے لئے امن کی جگہ نہیں تھی۔ انہی گلیوں اور میدانوں میں بلال رضؓ لوگوں کو آج امن کا پیغام سنا رہا ہے۔ رسولؐ خدا نے جان لیا کہ یہ جگہیں بلال رضؓ کی تذلیل و تضحیک اور عذاب کی جگہیں ہیں۔ بلال رضؓ کا دل آج انتقام کی طرف بار بار

[1]: سیرۃ النبیؐ کامل ص ۶۹۳ باب ۹۶

مائل ہوتا ہو گا۔ اس وفادار ساتھی کا انتقام بھی ضروری تھا۔ مگر انتقام بھی تو اسلام کی شان کے مطابق ہو۔ پس آپؐ نے بلالؓ کا انتقام اس طرح نہیں لیا کہ تلوار کے ساتھ ان کی گردنیں کاٹ دی ہوں۔ بلکہ اس کے بھائی کے ہاتھ میں بڑا سا جھنڈا دے کر اور بلالؓ کو اعلان پر مقرر کر ڈالا۔ کہ جو کوئی آج میرے بھائی کے جھنڈے تلے آجائے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ سبحان اللہ کیسا شاندار انتقام ہے۔ کیسا حسین وقت ہو گا جب حضرت بلالؓ اعلان کرتے ہوں گے۔ کہ اے مکّہ والو! مجھے عذاب سزا دینے والو! آؤ میرے بھائی کے جھنڈے تلے آجاؤ۔ تمہیں اپنی تذلیل کے بدلے ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ امن و آشتی دی جائے گی تو اس کا دل خود بخود انتقام کے جذبہ سے خالی ہو گیا۔ وہ اپنے محبوب رسول اللہ صلعم کے حسین فیصلہ پر کتنا خوش تھا۔

ایک دفعہ رسول کریمؐ نے بلالؓ کی خاص طور پر تعریف کی اور لوگوں سے فرمایا کہ بلالؓ جب اذان دیتا ہے۔ تو اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بجائے اَسْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بلالؓ کی اس "س" پر خاص طور پر خوش ہوتا ہے۔ ہؤا یوں کہ جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو مدینہ کے لوگ چونکہ حضرت بلالؓ سے ناواقف تھے اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ شین کی بجائے "سین" پر ہنسنے لگے۔ خدا کے رسولؐ کو جب علم ہؤا تو آپؐ نے فرمایا۔ لوگ بلالؓ کی سین پر ہنستے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس "سین" کو سُن کر خوش ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں بلالؓ کے سینے پر جب بڑے بڑے پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ کہو لات و منات اور عزیٰ کی جے۔ لیکن بلالؓ پتھروں کے نیچے سخت تکلیف میں بھی یہی کہتے کہ "اَسْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ وَ اَسْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" چونکہ اس وقت وہ سین کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ عرش پر خوش ہوتا تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ سین بلالؓ سے سُنا ہؤا تھا۔ خدا تعالیٰ کو بھی یہ یاد تھا۔ کہ ظالم جوتیوں سمیت چڑھ کر اس کے سینہ پر کُودتے تھے جبکہ تپتی ہوئی ریت پر ننگے بدن سے اس کو لٹایا ہوتا تھا اور وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اَحَدٌ اَحَدٌ کہکر خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتا تھا۔ اور

اپنی وفاداری اور دل کی مضبوطی کا ثبوت دیتا تھا۔ پس وہ خُدا کو محبوب تھا اور اُس کا سین بھی خُدا کو پیارا تھا۔

گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد ہی تھا۔ روپیہ پیسہ جو بھی آتا تھا ان کے پاس رہتا تنگی کی حالت میں وہ سودا سلف قرض لاتے تھے۔ اور جب کہیں سے رقم آتی تو ادا کر دیتے تھے گویا وہ حضورؐ کے مقربِ خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ پہلے مؤذن بھی اور دینِ متین کے سچے خادم بھی تھے؛

پہلی مواخاۃ

رشتۂ اُلفت مابین انصار و مہاجرین

نبوت کے بعد یہ سب سے پہلا موقعہ تھا کہ آپؐ کو اپنے پیروکار اور ماننے والوں کی آسودگی اور معاشی حالت کو سنوارنے کا موقعہ ملا۔ اور پہلی بار اس روحانی نو آبادی کی مذہبی، سماجی اور معاشی مضبوطی پر غور فرمایا گیا۔ آج تک تو آپؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہونے والے لامتناہی سلسلۂ مصائب کو دیکھ کر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جب بیعت عقبہ ثانیہ کے بہتّر مہمانوں نے آپؐ کو دعوت دے کہ تمام ذمہ داریاں قبول کر لیں تو آپؐ نے حوصلہ مند انصار کا شکریہ ادا فرمایا۔ اور تمام مہاجرین کو بطور مہمان مدینہ کے انصار کے گھر ٹھہرایا۔ انصار نے نہایت گرمجوشی سے مہاجرین کا استقبال کیا۔ رسولؐ خدا کی راہ میں اپنی آنکھیں تک بچھا دیں اور اس طرح ایک نئی سوسائٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ آپؐ نے دونوں یعنے مہاجرینؓ اور انصارؓ میں بھائی چارہ قائم فرما دیا۔

چونکہ مہاجرین عام طور پر بالکل بے سرو سامان تھے۔ انصار نے ان کے ساتھ حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اس پر مضبوط ترین

رنگ اس وقت چڑھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دو کا جوڑا بنا دیا۔ انس رضؓ بن مالک انصاری کے گھر میں نوّے اشخاص جمع ہوئے اور ان میں باقاعدہ رشتۂ اخوت کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسی عملی کوشش تھی جو افراط و تفریط سے بے نیاز اپنے اندر ایک جذبۂ محبت رکھتی تھی اور اسی کوشش سے انصار و مہاجرین کو اتنی پختہ رشتہ داریاں عطاء کیں کہ وہ ایک ہو گئے[۱] اور درمیان میں کوئی دراڑ باقی نہ رہی۔ "انصار رضؓ نے سب سے پہلے یہ پیشکش کی کہ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں۔ ہمارے باغات۔ اموال اور زمینیں تقسیم فرما دی جائیں۔ لیکن مہاجرین جو کہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور کھیتی باڑی کے کام سے ناواقف تھے۔ نیز ایک عظیم قوم بھی تھے اس لئے ان کے اخلاص کا شکریہ ادا کر کے جائیدادوں میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ لُٹے ہوئے خالی ہاتھ مہاجر رضؓ تھے۔ وہ پناہ گیر تھے مگر پناہ میں آ کر دل کے بادشاہ تھے۔ پس انہوں نے تجارت پر اکتفاء کیا اور آہستہ آہستہ مہاجرین کی تجارت بھی چل نکلی۔ انہوں نے اپنی اپنی جائیدادیں بنا لیں اور خود کفیل ہو گئے۔

حضرت عبد الرحمٰن رضؓ بن عوف سعد رضؓ بن الربیع کے بھائی بنے تھے۔ سعد رضؓ نے اپنا سارا مال و متاع ان کے سامنے نصف کر دیا۔ اور جذبۂ جوشِ محبت میں آ کر کہا کہ میری دو بیویاں ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر عدت کے بعد آپ سے شادی کر دیتا ہوں۔ عبد الرحمٰن رضؓ بن عوف نے شکریہ ادا کیا اور ان کے جذبات محبت کی قدر کی اور صرف یہ کہا "بھائی مجھے صرف بازار کا رستہ بتا دیجئے۔" کیونکہ وہ ایک ہوشیار سمجھدار تاجر تھے اور تجارت کی ابتداء سے کلیتہً واقف تھے۔

یہ سلسلہ مواخاۃ بہت سے فوائد پر مشتمل تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ عرب کے دستور کے مطابق اسی کا اثر وراثت تک جا پڑا۔ یعنی ہر انصاری کی وفات پر ترکہ میں مہاجر کو بھی حصہ ملتا تھا۔ اور کئی سال تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن جنگ بدر کے بعد یہ طریق وراثت خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق منسوخ ہو گیا اور

وراثت کا قانون صرف حقیقی رشتہ داروں پر قائم ہو گیا۔[۱]

آپؐ نے اپنے صحابہ رضؓ میں سے سب سے پہلے حضرت علی رضؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ھٰذَا اَخِیْ (یہ میرا بھائی ہے) اس طرح خدا کے رسولؐ سید المرسلین اور امام المتقین آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ دوسرے نمبر پر حضرت ہمزہ رضؓ بن عبد المطلب اور زید رضؓ بن حارث۔ تیسرے حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب اور معاذ رضؓ بن جبل پھر حضرت ابوبکر رضؓ اور خارجہ رضؓ بن زید۔ پس یہ سلسلۂ مواخاہ بے وطن مہاجرین کے لئے مددگار اور دوستوں کا ایک ایسا وفد پیدا کر دیا کہ قیامت تک انصار رضؓ کا نام زندہ رہے گا۔ اور اس رشتہ سے اتحادِ مذہبی۔ سیاسی اور تمدنی جو مضبوطی ہوئی وہ بہت حد تک نو آبادی کے لئے رحمت کا موجب ثابت ہوئی ۔

ہجرت کے بعد پہلا معاہدہ

میثاقِ مدینہ سنہ ۱ ہجری

ہجرت و غلبہ کے بعد یہ سب سے پہلا معاہدہ تھا جو مہاجر و انصار اور یہود کے درمیان قرار پایا تھا۔ یہ میثاق اپنی نوعیت کی پہلی اور عظیم الشان کوشش تھی۔ جو اخوت و برادری اور سیاسی وحدت کا ثبوت دیتی ہے۔ کیونکہ اب مسلمانوں کے علاوہ مدینہ میں یہودی بھی مقیم تھے۔ آپؐ نے یہودیوں اور عربوں کے سرداروں کو جمع کیا۔ اور ایک سیاسی وحدت کے لئے معاہدہ تحریر فرمایا۔ "یہ دستاویز محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے جو نبی ہیں قریش اور اہلِ یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور جہاد میں حصہ لیں[۲] مابین تحریر کی جاتی ہے :-

---

۱؎:- زرقانی ذکر مواخات ۔ ۲؎:- ابن ہشام صفحہ ۵۱۷ باب ۷۲ ۔

۱ - مسلمان اور یہودی آپس میں محبت اور اخلاص کے رشتہ میں منسلک ہو کر رہیں گے - اور سیاسی وحدت کو ملحوظ رکھیں گے -

۲ - ہر قوم کو اپنی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلہ بھائی ہیں -

۳ - مہاجر مسلمان اپنے پرانے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں کا فدیہ بھی دیں گے - تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ نیکی اور انصاف پر ہو -

۴ - ہر قسم کے تنازعات رسولِ خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور آپؐ ہر فیصلہ حکم شریعت کے مطابق کریں گے -

۵ - ہر گروہ بنی عوف، بنی حارث اور بنی ساعدہ وغیرہ اپنے خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں کا فدیہ بھی دیں گے -

۶ - متقی ایماندار ہر ظالم شخص کی مخالفت پر کمربستہ رہیں گے اور ایسے شخص کی مخالفت پر اکٹھے اٹھیں گے - خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو -

۷ - اگر یہودیوں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو وہ ایک دوسرے کی امداد کریں گے -

۸ - اگر کوئی مدینہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور بحصہ رسدی خرچ برداشت کریں گے - یعنے اپنے اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے -

۹ - پس مدینہ ہر ایک کے لئے محترم جگہ ہوگی -

۱۰ - کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا - اور نہ کسی کافر کی مومن کے خلاف مدد کرے گا - اور نہ کافر کی جائیداد اپنے پاس بطور امانت رکھے گا -

۱۱ - فریقین نہ معاہدہ جنگ علیحدہ کریں گے نہ صلح ہی کسی دوسری قوم سے علیحدہ کر سکیں گے -

۱۲ - دیانت داری اور انصاف کو ہمیشہ مدِنظر رکھا جائے گا - اور اگر مسلمانوں میں

سے کوئی ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے گا تو سب پر پابندی عائد ہو جائے گی -

۱۳ - یہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے - ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے اور ایماندار اس چیز کا بدلہ لیں گے - جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایماندار سب سے بہتر اور سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے -

پس اس دستاویز کے بہت سے فوائد رونما ہوئے اور مدینہ میں ایک منظم اور مضبوط حکومت قائم ہو گئی اور ہر قبیلہ - ہر قوم اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی قانون کے ماتحت آ گئے - اور حقیقی جمہوریت کی باگ ڈور شروع ہو گئی اور اس طرح مرکزی حکومت کی بنیاد پڑی جس کے صدر خدا کے سچے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو کل خدا کی راہ میں اپنا وطن - گھر بار سب قربان کر کے چل پڑے تھے - کل کے مہاجر آج کے صدر تھے - حاکم تھے اور مقتدر اعلیٰ تھے اور یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ اس نے اپنی غلبہ کی پیشگوئی پوری کی اور امداد کی راہیں کھول دیں ؀

اجازتِ جہاد بالسیف

۱۲ر صفر سنہ ۲ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ ۱۲ر صفر سنہ ۲ ہجری بمطابق ۱۵ر اگست ۶۲۴ء خدا تعالےٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو جہاد بالسیف کی اجازت عطاء فرمائی - شروع میں بعثت کے بعد مکّہ کی تیرہ سالہ زندگی میں خود تکلیفیں اٹھائیں اور مظالم برداشت کئے - بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی برضائے الٰہی صبر برداشت کرنے کی نصیحت فرمائی - اور لڑائی کی طرح نہ ڈالی - قریش مکّہ نے خدائے واحد کی عبادت اور توحید کے اعلان سے جبراً روکا - مارا - پیٹا یہاں تک کہ تین سال تک سوشل بائیکاٹ

کرکے زندگیاں ان پر تنگ کر دیں۔ آخر دار الندوہ کی مجلسِ شوریٰ اس نتیجہ پر پہنچی کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔ کہیں وہ بچ کر شہر نہ چھوڑ جائے وہ یہانتک خوفزدہ تھے۔ کہ کہیں اسلام جڑھ نہ پکڑ جائے۔ وہ یہانتک خوفزدہ تھے کہ ولید بن مغیرہ خالد بن ولید کا باپ جب مرنے لگا تو وہ رونے چیخنے لگا۔ لوگوں نے اس بزدلی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ موت کے خوف سے نہیں رویا۔ اسلئے روتا ہوں کہ میرے بعد محمدؐ کا دین نہ پھیل جائے۔ رؤساء قریش نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو ہم اس کے ضامن ہیں کہ اسکے دین کو نہ پھیلنے دیں گے"۔ گویا موت تو ان کے لئے آسان تھی توحید کی جڑ کے پھیلنے کا خیال انہیں موت سے زیادہ قبیح معلوم ہوتا تھا۔ وہ کئی بار حبشہ میں قسمت آزمانے آئے تھے۔ نجاشی کے دربار میں ہزاروں تحائف پیش کرکے ان کے معاوضہ میں اسلام کے ماننے والوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔ تاکہ پابہ زنجیر انہیں رکھا جائے۔ لیکن جب حقیقی شکار ہاتھ سے نکل کر بعافیت اپنی منزل پر پہنچ بھی جائے تو وہ قرار دادیں پیش کرنے والے سر پیٹ کر خاموش نہیں جائیں گے۔ بلکہ تڑپتی ہوئی تلواریں میانوں سے نکال لیں گے۔ رسولِ خداؐ کے سر کی قیمت مقرر کرنا ہی اعلانِ جنگ تھا۔ کہ جو شخص محمدؐ کو زندہ یا مُردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک سَو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ تعاقب کرنے والوں نے دیوانوں کی طرح وادی وادی چپہ چپہ چھان مارا حتیٰ کہ سراقہ بن مالک نے آپؐ کو پا جانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن پکڑنے کی بجائے وہ امن و معافی کا خواستگار ہوا۔ اور ایک دن توحید کا پرچم لہرانے والوں میں جا شامل ہُوا۔

الغرض ہر تدبیر کی نامرادی و ناکامی نے قریش مکہ کو مخالفت میں اور بھی اندھا کر دیا (بڑھا دیا)، اور انہوں نے مدینہ کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھیوں کو ایک تہدیدی خط ارسال کیا جس میں مسلمانوں کے خلاف خطرناک منصوبہ تھا۔ اور انصار کو بہت تشویش تھی۔ یہانتک کہ خوف سے راتوں کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔ اور دن کو بھی ہتھیار لگا کر پھرتے تھے کہ کہیں اچانک حملہ نہ ہو جائے۔

رسولؐ پاک کا تو یہ حال تھا کہ آپؐ حملہ کے خوف سے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ پس وقت اسلام پر بہت نازک تھا اور ایسے وقت میں خاموش نظارہ کرنا خودکشی سے کم نہ تھا۔ بس ان اضطراری حالات کا تقاضا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہو جس سے مدافعت کے سامان مکمل ہو سکیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ یعنی آج تمہیں جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً مدد پر قادر ہے۔ پس کفار جب بزور شمشیر اسلام سے منحرف کرنے کے لئے آگے بڑھے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو۔ اور اگرچہ دفاعی جنگ کی طرف اشارہ ہجرت کے اذن میں بھی تھا۔ تاہم یہ کھلی اجازت نبوت کے پندرھویں[15] سال ملی۔ پندرہ سال آپؐ مصائب و صعوبتیں برداشت کرکے اتمامِ حجت کرتے رہے اب حکم ملا" کہ اے مسلمانوں! لڑو اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر دیکھنا زیادتی نہ کرنا"۔ اس حکم کے باوجود حضورؐ امن و عافیت کے خواہاں تھے۔ آپؐ فرماتے "اے مسلمانوں تمہیں چاہیئے کہ دشمن کے مقابلہ کی خواہش نہ کرو اور خدا تعالیٰ سے امن کے خواہاں رہو۔ اگر تمہاری خواہش کے بغیر حالات کی مجبوری سے کسی دشمن کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر ثابت قدمی دکھاؤ"۔[1] پس ہر حکم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ خداؐ جنگ کے حالات سے ہی پناہ مانگتے تھے۔ اور امن و امان کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تھے تو اس کے امیر کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ جب تم دشمن کے سامنے ہو۔ جن میں تمہاری لڑائی چھڑی ہے۔ تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے انہیں تین باتوں کی دعوت دیا کرو۔ اگر ان باتوں میں سے ایک بھی وہ مان لیں تو پھر اُن سے مت لڑو۔

(۱) سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لیں تو ان کا اسلام لانا قبول کرو۔ اور ان سے ہاتھ کھینچ لو۔ (۲) پھر اس کے بعد انہیں مدینہ کی طرف

[1] بخاری و مسلم ابوداؤد

ہجرت کی تحریک کرو۔ اگر وہ ہجرت کریں گے تو مہاجرین کے حقوق دیئے جائیں گے۔ اور اگر اسلام کی دعوت کو ہی رد کر دیں تو

(۳) پھر اُن سے کہو کہ ٹیکس دینا شروع کریں اور اسلامی حکومت کے ماتحت آجائیں۔ اور اگر وہ تیسری صورت مان لیں تو بھی اُن سے نہ لڑو۔ لیکن اگر انکار کر دیں تو پھر خدا کا نام لے کر اُن سے لڑو۔[1]

اجازت جہاد کے لئے ایک یہ نقطہ ہی قابل غور ہے کہ جہاد کرنے والے کی نیت قطعی طور پر حفاظتِ دین ہونی چاہیئے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور خیال اُس کے دل میں پیدا ہوا تو وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ رسُولِ خدا نے فرمایا کہ جو مجاہدین خدا کی راہ میں نکلتے ہیں اور ان کو لڑائی میں مالِ غنیمت ہاتھ لگ جاتا ہے تو ان کا ⅔ حصہ ثواب آخرت کا کم ہو جاتا ہے۔ اور اگر مال غنیمت ہاتھ نہ آئے تو پورا پورا ثواب ملے گا۔[2]

پس حرفِ آخر یہی ہے کہ لڑائی محض خدا تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیئے۔ جس میں نفس کا غصہ یا انتقام شامل نہ ہو۔ ملک کو فتح کرنے یا اپنے رسوخ کو بڑھانے کے لئے تلوار اُٹھانا بھی جائز نہیں۔ جو پہلے حملہ کرے اس کی بھی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ کہ کسی خوف کے ماتحت تو جنگ شروع نہیں کی۔ اور اگر دشمن کسی وقت بھی صلح کے لئے جھکے تو خدا تعالیٰ پر توکل کر کے صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ[3]

---

[1] :۔ مسلم، ابو داؤد و ترمذی راوی حضرت بریدہؓ ۔ [2] :۔ مسلم و نسائی۔
[3] :۔ سورۃ انفال ع ۸

رُخ کعبہ کی پہلی نماز

تحویل قبلہ۔ رجب ۲ ہجری

نماز فرض ہو جانے کے بعد محمد رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مکّہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بھی بیت المقدس کی طرف ہی رُخ کر کے نماز باجماعت التزام کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ لیکن سب سے پہلی نماز جو آپؐ نے کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا فرمائی وہ ظہر کی نماز تھی۔[1] سولہ سترہ مہینے تک ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے قبلہ کا رُخ وہی تھا۔ جو پہلے نبی کا تھا۔ یعنی بیت المقدس کی طرف ہی تھا لیکن آپؐ کو پسند یہی تھا کہ قبلہ کا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہو۔ آپؐ خدا تعالےٰ سے توجہ کرتے تھے کہ کب کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا حکم ملتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ "ہم ضرور تجھے اس قبلہ کی طرف پھیرا دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔" پس آپؐ منتظر ضرور تھے۔ لیکن دعائیں تحویل قبلہ کے لئے آپؐ نے کبھی نہیں کیں۔ آخر آپؐ کی اس توجہ روحانی کی برکت سے تبدیلیٔ قبلہ کا حکم نازل ہو ہی گیا۔ اور خدا تعالےٰ نے حکم دے دیا کہ

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ[2]

پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیرا کرو۔

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے ظہر کی نماز بیت اللہ شریف کی طرف مُنہ کر کے پڑھی تھی اور یہ حکم مسجد بنی سلمہ میں نازل ہُوا تھا۔

---

[1] :۔ ابنِ کثیر [2] :۔ سورۃ بقرہ ع ۱۷

اسی لئے صحابہ کرام رضؓ اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں[۱]۔ اسی طرح نویلہؓ بنت
سے روایت ہے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں کہ یہ خبر آئی کہ بیت اللہ قبلہ ہو گیا
ہے۔ تحویل قبلہ کے حکم پر چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رُخ بدلنا پڑا اس لئے
مردوں اور عورتوں کی ترتیب بھی بدل گئی۔ یعنی مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں
کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اسلام میں حکم ہے کہ امام کے پیچھے پہلے مرد اور پھر
عورتیں ہوتی ہیں۔ پس یہ حکم ظہر کی نماز میں رجب کے مہینہ میں سنہ ۲ ہجری کو
نازل ہوا تھا[۲]۔

معترضین اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہودیوں کو محض خوش کرنے کے لئے آپؐ نے
مدینہ میں آکر بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا اور جب یہ مقصد حل نہ ہوا۔ تو پھر مکہ کی
طرف منہ پھیر لیا۔ وہیری کا یہ اعتراض سخت بے بنیاد ہے کیونکہ صحفِ سابقہ میں
پیشگوئیاں ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت قبلہ بدلا جائیگا جیسے کہ انجیل میں
قبلہ بدلنے کی پیشگوئی ہے۔ "ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے
کہ وہ جگہ جہاں پر پرستش کرنی چاہیئے یروشلم میں ہے۔ یسوع نے اس سے کہا" "کہ اے عورت
میری بات کا یقین رکھ کہ وہ گھڑی آتی ہے کہ جس میں تم نہ تو اس پہاڑ پر اور نہ ہی یروشلم میں
باپ کی پرستش کرو گے"۔ تو اس سے واضح ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب نہ تو پہاڑ قبلہ رہے
گا نہ یروشلم بلکہ ایک اور ہی مقام قبلہ مقرر کیا جائے گا۔

پس وہ مقام مکہ میں قرار پایا۔ کیونکہ مکہؔ قابل احترام جگہ ہے۔ نہ صرف قریش کے لئے
ہر اس شخص کیلئے جو مکہ کا رہنے والا تھا۔ کیونکہ مکہ کے رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو
اپنے شہر کا بانی خیال کرتے تھے۔ فتح مکہؔ تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بت بھی وہاں
پائے جاتے تھے۔ پھر وہ چشمہ جو خدا تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے نکالا وہ بھی مکہ
میں ہی تھا۔ اس لئے مکہ کو ہر لحاظ سے تقدیس حاصل ہے کہ وہاں اُمتِ محمدیّہ بیت اللہ
کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ سو یہ فریضۂ نماز تا قیامت بیت اللہ شریف کی طرف
منہ کر کے ادا کیا جاتا رہے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ؛

۱ :۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲۳ ؛ ۲ :۔ بیہقی کتاب دلائل النبوۃ ؛

پہلا حُکم - روزہ

۲ ہجری آخری عشرہ شعبان سنہ ۶۲۴ء
(بعمر ۵۴ سال ۵ ماہ ۲۱ - ۲۲ دن)

اہل عرب عموماً ترتیب زمانی قائم کرنے کے لئے مہینوں کا نام موسموں پر رکھا کرتے
تھے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کا حکم نازل فرمایا تو شدید گرمی تھی۔ رمضؔ
عربی میں شدید گرمی کو کہتے ہیں۔ اس لئے گرمی میں آنے والے حکم کی نسبت سے یہ
روزوں کا مہینہ کہلایا۔

ہجرت کے عین اٹھارہ ماہ بعد ماہ شعبان میں تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا۔ اُس
کے بعد رمضان کے روزوں کی فرضیّت کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ :۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ...... [۱]

یعنی اے مسلمانو! "تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں"۔ آج تک تو ارکان اسلام
میں پہلا رکن کلمہ طیبہ تھا۔ دوسرا رکن نماز تھی۔ اور تیسرا رکن زکوٰۃ اور آج چوتھا
رکن بھی شامل ہو گیا یعنی روزہ۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو عبادت و
ریاضت میں ایک دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ سبقت کی کوشش میں پیش
پیش تھے ان میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ آج سے تمہارے
تمہارے نفس کو صاف و پاک کرنے کے لئے ایک اور ذمہ داری عائد کی
جاتی ہے اور وہ ہے رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ جو مقیم اور تندرست
ہوں ان پر رکھنے لازمی ہیں۔ لیکن مریض اور مسافر کو اجازت دی کہ وہ روزہ نہ رکھے اور
اسی طرح بوڑھے اور ضعیف شخص کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔
اس کے عوض فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دے دیا۔ سبحان اللہ کتنی
سہولت ہے ارکان اسلام میں کہ ہر حکم سوائے کلمہ طیّبہ کے ہمّت و استطاعت کو

۱ :۔ سورۃ بقرہ : ۱۸۴ ؛

مدّ ِنظر رکھ کر ادا کرنے کی اجازت بھی دی گئی۔ اور روزہ تو سب احکامات سے
سہل اور لچکدار نقطہ لئے ہوئے ہے۔

جاہلیت کے زمانہ میں یہود عام طور پر عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور
ان کی وجہ تسمیہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون
کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس دن دس محرم کو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی
قوم کو دریائے نیل میں غرق ہونے سے بچالیا تھا۔ جبکہ حکمِ ربّی سے فرعون اور
اس کی قوم اسی دریا میں۔ اسی پاٹ پر اور انہی لمحات میں لہروں کے سپرد ہوکر غرق
ہوگئی تھی۔ سو یہ دن یومِ نجات قرار پایا اور یہودیوں نے شکرانے کے طور پر اس
دن روزہ رکھنا شروع کردیا۔ حضرت رسولِ خداؐ نے بھی اس شکرگزاری اور خدا
کے احسان کو مانتے ہوئے عاشورہ کا روزہ رکھا لیکن اس نفلی روزہ کے
لئے صحابہ کرام کو کبھی نہیں کہا۔ جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور عاشورہ
کا روزہ رکھا تو صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان شریف
کے روزے نازل ہوگئے تو عاشورہ کی پابندی آپؐ نے ترک فرمادی۔ اور
ذاتی خوشی کے لئے جس نے چاہا نفلی روزہ رکھ لیا۔

عاشورہ کے روزہ کے لئے سرورِ کائنات نے فرمایا کہ "اے یہود ہم
تمہارے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا یادگاری روزہ رکھنے
کے زیادہ حقدار ہیں۔"

الغرض روزہ کی فرضیّت، نماز کی فرضیّت اور زکوٰۃ کی فرضیّت اور آخری
رکن حج کی فرضیّت سے اللہ تعالیٰ نے بتدریج مسلمانوں کے لئے روحانی
ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ جب تمام قومیں دنیا کی روح میں مر چکی تھیں
اور فسادِ روحانی سے بحر و بر کو ہلاک کر دیا تھا۔ تب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا۔ اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا تو ایسے
وقت میں وحشیانہ حالتوں سے اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی انسانیت تک پہنچنے کیلئے

مالی، جانی، جسمانی قربانی ضروری تھی۔ سو وہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روحانی بلندی
عطا کرنے کے لئے اُن پر مختلف ذمہ داریاں ڈال کر انہیں توفیق دی کہ وہ یہ قربانیاں
کریں۔ انہوں نے اپنی جانیں فدا کیں۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ اپنے مال۔ اپنی عزتیں
اور آرام تلف کرکے جانفشانی اور صدق کے نمونے پیش کئے اور موت کے
گڑھے سے نکل کر حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہوگئے۔ اور یہ صرف اُن ذمہ داریوں
اور فریضوں کی ادائیگی کے طفیل ایسا وجود میں آیا۔

وہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کہیں تو نماز میں سبقت لینے کے لئے گھٹنوں
کے بل چل کر مسجد پہنچے اور کہیں روزہ کی ادائیگی کے لئے سال بھر کے ۵۰ فیصد
دن روزے رکھے اور کہیں مالی۔ قربانی کے لئے اپنے مال و متاع رحمۃٌ للعالمین
کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور خدا اور اُس کے رسولؐ کا نام گھر میں باقی رہنے دیا۔
اور یہ جذبۂ عمل ارکانِ اسلام کا پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہمیں فرمادیا :۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

یعنی (اے مسلمان مرد و زن)" اگر تو اس مہینے کو پائے تو مہینہ بھر روزے
رکھ"۔ تاکہ تو جان لے کہ تو اپنی خواہشات پر قابو رکھ سکتا ہے اور جذبات
کی تلاطم خیزیوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

پس خدا تعالےٰ نے خود ہی فرمادیا کہ روزوں کی افادیت و اہمیّت کیا ہے
فرمایا :۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

پہلی دفاعی جنگ "یوم الفرقان"

جنگِ بدر ۲ سنہ ہجری ۱۷ رمضان المبارک

حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں یہ قوت ہی نہ تھی کہ اکتساب نور کر سکتے۔ چنانچہ برسوں کی مستقل کوششوں کے بعد خدا کا رسولؐ بانیٔ اسلام وہاں سے رات کی تاریکی میں ان کے لئے مکمل تاریکیاں چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آیا۔ اور مدینہ والوں میں نور کو سمیٹنے کی بہت قوت تھی اسی لئے اسلام کے قدم یہاں بڑی سرعت کے ساتھ اُٹھنے لگے اور کلمہ طیّبہ کے نکتے نے پھیل کر ایک نئی قوم کو جنم دیا۔ ایک ایسی قوم کو جو نہ تو علاقہ کی طلبگار تھی اور نہ کسی حکومت کی خواہاں۔ صرف اللہ اور اس کے رسُولؐ کے اتباع میں زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔ دوسری طرف دشمن بھی کسی علاقہ کا طلبگار نہ تھا۔ کسی حکومت کا خواہاں نہ تھا۔ کسی شہرت کا بھوکا نہ تھا۔ اور کسی ظالم کو سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ مظلوم کے بچ نکلنے کا انتقام چاہتا تھا۔ صرف اور صرف اسلام کے نام لیواؤں کو بزور شمشیر ختم کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ بھیڑیئے کے اصلی روپ میں سامنے آگیا تھا۔ اُدھر عمرو بن حضری کے قتل کا واقعہ پیش آگیا جو جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ اس لئے ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ جل رہی تھی ادھر رسولِؐ خدا کو علم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان قافلہ لے کر مدینہ کے پاس سے گزر رہا ہے۔ اور قافلہ میں تقریباً ستر آدمی ہیں[1]۔ آپؐ نے یہ خبر پاکر دو مہاجر صحابی حضرت طلحہ رضؓ بن عتبہ اور سعیدؓ بن زید کو خبر رسانی کے لئے روانہ فرمایا۔ اور دوسری طرف احتیاطی تدابیر کے طور پر صحابہؓ کو اطلاع دے دی کہ اس قافلہ کی روک تھام کے لئے نکلنے کو تیار ہو جائیں۔ اُدہر ابوسفیان کو کچھ علم ہو گیا۔ تو وہ کسی خدشہ کے ماتحت اصل راستہ کو چھوڑ کر سمندر کے کنارے کی طرف ہٹ گیا۔ لیکن ایک سوار ضمضم نامی کو مکّہ کی طرف

[1]:۔ ابن ہشام و زرقانی؛

بھگا دیا کہ جا کر قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لئے اور دوسرے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے نکال لائے۔" لیکن ضمضم نے مکّہ میں جا کر نہایت ہنگامی صورت حال پیدا کر کے پیش کی اور واویلا شروع کر دیا کہ محمد (صلعم) اور اُس کے اصحاب رضؓ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ "چلو اور اسے بچالو"۔ کفار مکّہ چونکہ پہلے ہی مسلمانوں کی تباہی کے درپے تھے۔ عام اعلان کر دیا کہ ایک بڑا لشکر تیار کرو۔ اور اس مہم میں ہر وہ شخص شامل ہو جائے جو لڑنے کے قابل ہو۔ اور جو کوئی کسی مجبوری کے تحت شامل نہ ہو سکے وہ کسی دوسرے کو بھیجنے کا انتظام کرے۔ جیسے کہ ابو لہب اپنی عاتکہ بنت عبد المطلب کے خواب سے ڈر کر شامل نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی جگہ العاص بن ہشام کو بعوض چار ہزار درہم روانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ تین دن کی تیاری میں مکّہ والوں نے ایک ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔ اور چلنے سے پہلے کعبہ میں جا کر دُعا کی کہ "اے خدا ہم دونوں فریقوں میں سے جو گروہ حق پر ہے اور تیری نظروں میں جو زیادہ شریف ہے اور زیادہ افضل ہے تو اُس کی نصرت فرما۔ اور دوسرے کو ذلیل کر۔ کفّار کا لشکر بڑے جاہ و جلال سے مکّہ سے نکل کر بدر کی طرف بڑھا۔ لیکن جب جحفہ میں پہنچا تو ابوسفیان کے قاصد نے اطلاع دی کہ میرا قافلہ بچ کر نکل آیا ہے اور خطرہ کا مقام چھوڑ آیا ہوں۔ یہ پیغام سُن کر کچھ لوگ تو واپس چلے گئے اور کچھ نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لئے تین دن جشن منانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور بدر کی وادی کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ ادہر رسُولِؐ خدا کو جب علم ہوا کہ مکّہ والے اس خیال سے کہ قافلہ پر مدینہ والے حملہ نہ کر دیں۔ لشکر لے کر نکلے ہیں۔ تو آپؐ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم مدینہ میں بیٹھے رہے تو دشمن دلیر ہو جائے گا۔ ہمیں آگے چلنا چاہیئے آپ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت لے کر مدینہ سے باہر تشریف لے آئے۔ مدینہ سے آپؐ نے بہت کم لوگ اپنے ساتھ لئے۔ کیونکہ آپؐ اسے جرأت کے اظہار کا ایک موقع خیال کرتے تھے۔ اگرچہ الٰہی ارشادات سے آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ مکّہ سے ایک لشکر آرہا ہے۔ لیکن آپؐ کو یہ اجازت نہ تھی کہ آپؐ اس خبر کو ظاہر کریں۔ بدر کے

مقام کے قریب جاکر آپؐ نے یہ بات ظاہر کردی ۔کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ دشمن کا لشکر قریب آگیا ہے ۔ اور قافلہ کی بجائے شاید لشکر سے لڑائی ہو جائے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ مہاجرین یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور کہا:

"یا رسُول اللہ! ہم آپؐ کے آگے لڑیں گے۔ پیچھے لڑیں گے۔ دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جا! تو اور تیرا رب جاکر جنگ کریں۔ ہم بیشک یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے۔" قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ہمیں برک الضماد تک بھی لے چلیں تو آپؐ کا ساتھ دیں گے"۔ [1]

رسُولِ خُدا نے ان کی تعریف کی اور انصار سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس نے انصار کی طرف سے عرض کیا۔ آپؐ کو سچا سمجھ کر آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ خُدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہم کو لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی [2] تو یہ سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے ۔ فرمایا۔ تو پھر اللہ تعالےٰ کا نام لے کر بڑھو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو گروہوں میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہمیں غالب کرے گا۔ اور خدا کی قسم میں وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو کر گریں گے [3]۔ چنانچہ آپؐ ۱۲ رمضان بروز اتوار مدینہ سے انصارؓ و مہاجرینؓ کی ایک مختصر سی جمعیت لے کر خُدا کی راہ میں جہاد کے لئے چل پڑے۔ چلتے وقت آپؐ نے عمروؓ بن ام مکتومؓ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ اور ابولبابہؓ کو مدینہ کا عامل بنایا۔ تھوڑی دور نکل کر ڈیرہ ڈالنے کا حکم دیا اور فوج کا جائزہ لیا۔ کم عمر بچوں کو واپس لوٹا دیا۔ لیکن دو بچوں کے از حد اصرار پر انتہائی شوق کی بناء پر اجازت مل گئی ۔ ان میں سے ایک سعدؓ بن ابی وقاص کے

[1]: ابن ہشام، بخاری کتاب المغازی [2]: ابن ہشام صفحہ ۶۶۸ باب ۹۶ [3]: ابن ہشام و ابن سعد

چھوٹے بھائی عمیرؓ تھے [1]۔ اسلامی لشکر کی تعداد اب تین سو دس کے لگ بھگ تھی۔ مہاجرینؓ ساٹھ تھے باقی تمام انصار تھے۔ [2]

اسلامی فوج بہت نامکمل سامانِ حرب کے ساتھ تھی۔ کل ستر اونٹ تھے جن پر باری باری صحابہ کرامؓ بیٹھتے تھے۔ رسُولؐ خُدا کے ساتھ حضرت علیؓ اور مرثدؓ بن مرثدؓ ایک اونٹ پر اور حمزہؓ، زیدؓ بن حارثہ اور ابو کبشہ ایک اونٹ پر اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایک اونٹ پر بیٹھے تھے۔ زرہ پوش صرف چھ سات تھے۔ اس بے سرو سامانی کی حالت میں بدر کے مقام سے ایک منزل دُور ہی تھے کہ آپؐ کو اطلاع مل گئی کہ قریش کا ایک جرار لشکر مکہ سے آرہا ہے۔ لشکر میں تقریباً سات سو اونٹ ایک سو گھوڑے تقریباً تمام زرہ پوش تیر و نیزہ سے مکمل تھے۔ آپؐ نے اس نازک وقت میں صحابہ کرامؓ سے حضرت علیؓ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک جماعت کے ساتھ کچھ خبریں لینے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ وہ مفید خبریں لے کر پہنچ چکے تھے۔ اس لئے آپؐ نے حبابؓ بن منذر کے مشورہ سے ایک اچھے میٹھے پانی کے چشمہ پر ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اگرچہ قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ اُس وقت اس چشمہ میں پانی نہ تھا۔ اور مسلمانوں کو پانی کی قلت محسوس ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق "غمام" کے ساتھ استقبال کیا اور بارش برسا کر رسُولِ خدا کو فائدہ پہنچایا کہ زمین کے اجزاء ایک دوسرے سے متصل ہو گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔ لیکن قریش کا نچلہ میدان پھسلن زمین بن گیا۔ اور ان کے چلنے پھرنے میں بہت دقت ہوئی تھی [3]۔ چنانچہ سترہ رمضان ۲ ہجری بروز جمعہ فجر کی نماز میں آپؐ خدا تعالیٰ کے حضور سر بسجود رہے اور آپؐ نے فراغت کے بعد صفیں درست فرمائیں۔ ایک مختصر سا خطبہ جہاد دیا۔ آپؐ نے قریش کو اپنے سامنے آتے دیکھ کر فرمایا۔ "لو مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال دیئے ہیں [4]۔ پھر دُعا فرمائی! یا اللہ

[1]: اصابہ ذکر عمیر وقاص [2]: بخاری حالات غزوہ بدر [3]: ابن ہشام [4]: ابن ہشام باب ۹۵ صفحہ ۶۷۵

یہ قریش ہیں۔ یہ اپنے فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ تیری مخالفت کرتے ہیں۔ تیرے رسُول کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ میں تیری مدد کا طالب ہُوں۔ جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ یا اللہ آج صبح انہیں ہلاک کر دے[1]۔ قریش کے لشکر میں حرکت پیدا ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت تنظیم میں بھی عیاں تھی۔ کہ مسلمان اپنی اصلی تعداد سے زیادہ بلکہ دُو گُنے نظر آ رہے تھے۔ قریش نے ایک مخبر عمیر بن وہب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر کے گرد گھوڑا دوڑا کے دیکھے کہ لشکر کہیں مخفی کمک تو نہیں رکھتا۔ عمیر نے چکر کاٹ کر دیکھا تو اُسے جنات کا سا جلال نظر آیا۔ اور وہ ہیبت زدہ ہو کر واپس آ گیا اور اُس نے کہا کہ مجھے اونٹوں کے کجاووں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں نظر آتی ہیں اور یثرت کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں[2]۔

یہ خبر کافی انتشار کا موجب ہوئی وہ سب عتبہ۔ شیبہ۔ حکیم بن حزام تمام ابوجہل کے پاس مشورہ کرنے کیلئے گئے اور تجویز پیش کی کہ ہم آپس میں رشتہ دار ہیں۔ بھائی بھائی پر تلوار اٹھائے اور بیٹا باپ پر یہ زیب نہیں دیتا۔ لیکن ابوجہل نے بزدلی کا طعنہ دیا اور انتقامی جملوں سے دوبارہ ان کے سینوں کو عداوت سے بھر دیا۔ اگرچہ خوف و ہراس عمیر بن وہب کی روایت سے ان پر طاری تھا۔ لیکن یہ خوف لڑائی کو نہ تھام سکا۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔ رسولؐ خدا نے مصعبؓ بن عمیر کو سفید رنگ کا پرچم دیا۔ اور حضرت علیؓ کو سیاہ اور اسی طرح حضرت سعدؓ بن معاذ کو بھی سیاہ پرچم عنایت فرمایا[3]۔ عتبہ، شیبہ اور ولید آگے بڑھے ان کے مدِمقابل پر حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدؓ میدان میں نکلے[4]۔ حضرت حمزہؓ اور علیؓ نے تو ایک دو واروں میں ہی عتبہ۔ شیبہ کا کام تمام کر کے خاک میں ملا دیا۔ لیکن حضرت عبیدؓ اور ولید میں کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ جو کاری زخم کا موجب

۱:۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۵ ؎ ۲:۔ ابن سعد ؎ ۳:۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۶ باب ۱۱۲ ؎
۴:۔ ابوداؤد ؎

ہوئیں۔ اور جب ولید گرا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ سلامت رہے۔ اگرچہ ان کی ضربیں اتنی کاری نہیں کہ وہ بدر سے واپسی پر راستہ میں ہی انتقال فرما گئے۔ انفرادی جنگ کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی ؎

یہودیوں میں پہلا مسلمان

عبداللہ بن سلام الحصینؓ

نبوت کے تیرہ[13] برس بعد جب خدا تعالیٰ کے حکم سے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم روحانی نو آبادی قائم کرنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئے تو مسلمان چند سینکڑوں سے زیادہ نہ تھے۔ اور یہ الٰہی غلبہ کی ابتداء تھی۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ ہجرت کے معًا بعد مسلمان دن بدن بڑھتے چلے گئے اور بُت پرست و مشرک مسیحی تمام یکے بعد دیگرے اسلام میں شامل ہوتے گئے۔ لیکن یہودیوں میں سے بہت تھوڑے لوگوں نے آپؐ کی زندگی میں موسوی دین کو خیر باد کہا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عرب کے خطّہ میں رسُولؐ خدا کو منتخب فرما کر جو خصوصیت مکّہ کو دی تھی اس سے یہودی شدید غم و غصّہ کا اظہار کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہودی وہ لوگ ہیں جو پہلے کسی نبی کا شدت سے انتظار کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ابھی چند روز میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کا زمانہ قریب آ چکا ہے ہم اُس کی پیروی کریں گے ہم اس کے ساتھ رہ کر دوسروں کو عاد ارم کی طرح قتل کریں گے[5]۔" لیکن ہوا یہ کہ مدینہ کے کئی لوگ ان کی کیفیات ہی دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ جیسے کہ بیعت عقبیٰ اوّلی میں انصار کے چند خوش قسمت آدمی سبقت لے گئے۔ کیونکہ ان کا یقین

۵:۔ سیرۃ النبی کامل صفحہ ۲۴۳ باب ۶۶ ؎

تھا کہ یہی وہ نبی ہے جس کا یہود اکثر و بیشتر ذکر کیا کرتے ہیں۔ یہودی خود مخالفت کی آگ میں جلتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ مخالفت ان کا نصب العین ہو گئی اور مدینہ میں رسولِ خدا کو پریشان کرنے والا گروہ یہودی برسرِ پیکار رہا۔ مثلاً رسولِ خدا کو جھٹلاتے۔ سوالات کرتے۔ طرح طرح کے شبہات سامنے لاتے اور حق کو باطل سے مشتبہ کرنے کی سعی کرتے۔ لیکن ان میں بعض ایسے نفوس تھے جو اسلام کے سچے عاشق تھے۔ مثلاً عبداللہؓ بن سلام اور مخریق وغیرہ۔

مدینے میں عبداللہؓ بن سلام جن کا سابقہ نام حصین بن سلام تھا سب سے پہلے یہودی ہیں جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضورؐ نے ان کا نام بدل کر عبداللہؓ رکھ دیا۔ کیونکہ رسولِ خدا جب کوئی مسلمان ہوتا تو اس کا نام وہی رہنے دیتے تھے ہاں اگر مشرکانہ نہ ہو۔ لیکن عبداللہؓ بن سلام کا نام اس لئے بدل دیا کہ یہ یہودیوں سے پہلے مسلم تھے اور ان کو خصوصی طور پر اسلامی رنگ دینا ضروری تھا۔ وہ ایک یہودی عالم تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت معروف جیّد عالم تھے ان کے دل میں رسولِ خدا کی آمد کی خبر سن کر ہی یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ موعود نبی آ گیا ہے جس کا صدیوں سے انتظار تھا۔ یعنی یہ کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے لیکن اپنی حالت کا اظہار کسی پر نہیں کیا تھا۔ عبداللہؓ بن سلام نے اپنی زبانی کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔ جنہیں ابن اسحٰقؒ نے درج کیا ہے۔ عبداللہؓ بن سلام کہتے ہیں کہ جب میں نے رسولِ خدا کے متعلق سُنا۔ آپؐ کی صفت آپؐ کا نام اور آپؐ کا وہ زمانہ جس کے لئے ہم منتظر تھے۔ مجھے معلوم ہو گیا لیکن میں نے اس معاملہ کو راز میں رکھا۔ یہانتک کہ خدا کا رسولؐ مدینہ میں تشریف لے آیا[1]

اس وقت (رسولِ خدا کی آمد پر) عبداللہ بن سلام ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر کچھ کام کر رہے تھے۔ اور ان کی پھوپھی خالدہ بنت حارث اس درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ محمدؐ رسولِ خدا مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر سُنکر مارے خوشی کے جذبات پر

[1] ۔ ابن ہشام ص۵۳۷ باب ۷۹ ؎

قابو نہ رکھتے ہوئے تکبیر پڑھنی شروع کر دی۔ جب ان کی پھوپھی نے باآواز بلند تکبیر سُنی تو کہنے لگی اے عبداللہ تجھے کیا ہوا؟! اللہ تمہیں ناکام کرے۔ واللہ اگر تم موسیٰؑ بن عمران کی تشریف آوری کی خبر سنتے تو اس سے کچھ زیادہ نہ کرتے۔ عبداللہ بن سلام نیچے اُتر آئے اور اپنی پھوپھی سے کہا۔ پھوپھی جان! اللہ کی قسم وہ موسیٰؑ بن عمران کا بھائی ہے۔ اُنہی کے دین پر ہے اور اسی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ خالدہ بنت حارث خوش ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ "کیا یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہمیں دی جاتی رہی ہے کہ عین قیامت کے قریب بھیجا جائے گا[1] پھر عبداللہ بن سلام رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام اختیار کر لیا اور بعدہٗ اس کے گھر والے بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ شروع شروع میں تو انہوں نے کچھ عرصہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھا لیکن انہیں شوق ہوا کہ اس کی قوم کے لوگ بھی اس نور کی روشنی سے محروم نہ رہیں چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ آپؐ یہودیوں کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنے پاس بلائیں۔ کیونکہ یہودی لوگ جھوٹی باتیں بنانے میں ماہر ہیں۔ اسلئے میرے متعلق بے بنیاد باتیں بنائیں گے۔ آپؐ کسی حجرے میں اُن لوگوں کی نظروں سے چھپا کر میرے متعلق رائے دریافت فرمائیں۔ تاکہ اگر وہ میرے متعلق اچھی رائے کا اظہار کریں تو میرے اسلام لانے کی خبر ہی ان کی ہدایت کا موجب ہو جائے گی۔ چنانچہ آپؐ نے یہودی عمائد کو بلا کر رائے دریافت فرمائی کہ "الحصین بن سلام تم میں کیسا شخص ہے"؟ انہوں نے کہا۔ وہ ہمارا سردار ہے اور سردار کا بیٹا ہے۔ ہم میں تورات کا ماہر اور عالم ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تم بھی مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنے میں حجرے میں سے حضرت عبداللہؓ بن سلام باہر آ گئے اور اُن سے کہا اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو چیز لے کر آپؐ آ گئے ہیں اسے قبول کرو۔ واللہ تم لوگ خوب جانتے ہو کہ آپؐ اللہ کے ایسے رسول ہیں کہ تورات میں آپؐ کا ذکر آیا ہے۔ آپؐ کا نام مبارک اور صفات بھی لکھی ہوئی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے

[1] ۔ ابن ہشام ص۵۳۷ باب ۷۹ ؎

رسولؐ ہیں۔ اور آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔ بس کیا تھا۔ یہودی لوگ ان کی عیب جوئی کرنے لگے اور گالیاں دینی شروع کردیں[1] طعن و تحقیر کے الفاظ استعمال کئے۔ اور عبداللہ بن سلام اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے ؞

پہلا واقفِ زندگی شہید

حضرت خبیبؓ بن عدی۔ سنہ ۴ ہجری

حضرت خبیب بن عدی وہ پہلے شہید ہیں جنہوں نے اپنی شہادت سے پہلے دو[2] رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔

خبیبؓ اعلیٰ مرتبت کے آدمی تھے اُن کی شہادت اس طرح واقع ہوئی کہ جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کی وقتی ہزیمت نے قریش کو اور بھی دلیر کردیا تھا۔ ہر لحظہ مختلف قسم کے فتنے اور اشتعال انگیزیاں شروع ہوگئی تھیں۔ کبھی چھاپے مارے جاتے اور کبھی سفیان بن خالد جیسے سازشی سامنے آ کر خدا کے غضب کو للکارنے کے لئے نئی سے نئی اسکیم تیار کرتے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے یہ دن بہت خطرناک تھے۔ انہی ایام میں صفر کے مہینے ۴ھ ہجری کو واقع رجیع پیش آیا۔ قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگ ایک دن رسول کریمؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں اسلام موجود ہے لیکن مزید راہبری اور تربیت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپؐ اپنے رفقاء میں سے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ روانہ کیجئے تاکہ وہ ہم میں دین کی سوجھ بوجھ پیدا کریں۔ قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔[3] رسول خدا نے صحابہ کرام میں سے چھ اشخاص کی پارٹی ان کے ساتھ روانہ فرمادی۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

[1] :۔ ابن ہشام ص ۵۳۵ باب ۷۹ ؞ [2] :۔ ابن ہشام ص ۱۷۲ باب ۱۲۳ ؞

(۱) مرثدؓ بن ابو مرثد جو کہ حضرت حمزہؓ کے حلیف تھے۔ (۲) خالدؓ بن بکیر۔ (۳) عاصمؓ بن ثابت بن ابوالاقلح جن کی مواخاۃ بنو عمرو بن عوف بن مالک کے ساتھ تھی۔ (۴) خبیبؓ بن عدی۔ (۵) زیدؓ بن دثنیہ۔ (۶) عبداللہؓ بن طارق۔

عاصمؓ بن ثابت کو اس پارٹی کا امیر کر کے روانہ فرمایا لیکن بدقسمتی سے ایک جال تھا جو لحیان کی انگیخت پر بُنا گیا تھا۔ اور قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے بہت سے اونٹ انعام کے طور پر بنو لحیان سے مقرر کر لئے تھے[1]

اس لئے خفیہ اطلاع انہوں نے انہیں پہنچادی کہ مسلمان ہمارے ساتھ آرہے ہیں۔ جب یہ لوگ رجیع پہنچے تو عضل اور قارہ نے غدّاری کی اور قبیلہ کو مدد کے لئے پکارنے لگے۔ گو کہ یہ صورتِ حال کافی پریشان کن تھی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی طبائع میں گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ اور وہ بدستور اپنی سواریوں پر سوار رہے اور جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں وہ اُتر گئے اور کفّار کے مقابلہ پر آ گئے۔ چونکہ کفار کے دو سو ۲۰۰ نوجوان مقابلے پر تھے۔ سو ۱۰۰ تو تیرانداز ہی تھے پھر بھلا صحابہ کرامؓ کے پاس کیا چارہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اُونچی چٹان پر چڑھ کر دفاع کی بھرپور کوشش کرتے۔ کفّار نے آواز دی کہ تم پہاڑی سے نیچے آجاؤ ہم تمہاری حفاظت کے کلّی ذمّہ دار ہیں اور اس طرح دھوکہ دہی سے نیچے اترنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن کفّار نے یہ ایک جال بُنا تھا۔ لہٰذا بدعہدی کی اور تین کو شہید کردیا اور تین کو گرفتار کرلیا۔ گرفتار شدگان میں زیدؓ بن دثنیہ، خبیبؓ بن عدی اور عبداللہ بن طارق تھے۔ اگرچہ عبداللہ بن طارق کو تو راستے میں ہی شہید کردیا۔ لیکن خبیبؓ بن عدی کو حجیر بن ابواہاب نے خرید لیا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کا قصاص لینا چاہتا تھا۔ جو کہ جنگ بدر میں حضرت خبیبؓ بن عدی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ چنانچہ خبیبؓ بن عدی جو کہ بہت سخی اور خالص نسب تھے۔ جھوٹ اور آمیزش جن میں نام کو نہ تھی۔ بنی نوفل کی حراست میں اشہر حرم تک رہے[2] اور اُن پر اپنے حسن اخلاق اور مومنانہ رویے سے بہت اثرات پیدا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ

[1] واقدی حالات واقع رجیع ؞ [2] :۔ ابن ہشام و سیرۃ النبیؐ کامل ؞

جحیر بن اباب کی باندی ماریہ ان کے اخلاق سے اتنی متأثر ہوئی کہ بعد میں ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی کہ "میں نے خبیبؓ سا اچھا قیدی کوئی نہیں دیکھا۔ وہ یہ بھی کہتی تھی کہ میں نے دوران حراست خبیبؓ بن عدی کے ہاتھ میں ایک انگور کا خوشہ دیکھا تھا جو دنیا کے عام انگوروں سے مشابہ نہ تھا۔ ماریہ اسلام لا چکی تھیں۔ وہ روائت کرتی ہیں کہ میں نے اندر جھانک کر دیکھا کہ آدمی کے سر کے برابر انگوروں کا ایک گچھا حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ انگور توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔ میں نے دنیا میں ایسے انگور کبھی نہیں دیکھے[1] کیونکہ یہ خدائی رزق تھا۔

ابن اسحاق سے روائت ہے کہ پھر حضرت خبیبؓ کو جیسے کہ حجر بن ابوہاب کی نیت تھی۔ قتل کرنے کے لئے مقام تنعیم پر لایا گیا کہ پھانسی پر لٹکا دیں لیکن پھانسی سے قبل انہوں نے ایک خواہش کا اظہار کیا کہ "مرنے سے پہلے مجھے دو[2] رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

قریش نے جو شاید قتل کے جشن میں نماز کا نظارہ بھی کرنا چاہتے تھے تفریحاً یہ اجازت دے دی کہ نماز ادا کر لی جائے۔

چنانچہ حضرت خبیبؓ نے بہت توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور پھر کفار کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ "میرا دل تو چاہتا ہے کہ نماز لمبی ادا کروں اور اپنے پیارے خدا کے ساتھ آخری ملاقات طویل کر دوں۔ لیکن خدا کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ گمان کرو گے کہ میں نے نماز میں طوالت محض خوف و ہراس کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ تو میں اور بھی نماز پڑھتا۔"[2] پھر حضرت خبیبؓ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے پڑھتے آگے جھک گئے اور خود شہادت کے لئے پیش کر دیا۔ ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ❊ عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذٰالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاءْ ❊ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

یعنی جبکہ میں اسلام کی راہ میں اور مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا

[1] :- ابن ہشام ص۱۷۱ باب ۱۲۳ ❊ [2] :- بخاری کتاب الجہاد ❊

ہوں۔ تو مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر قتل ہو کر گروں۔ یہ سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکات نازل فرمائے گا۔ انشاءاللہ۔

ان آخری الفاظ پر دشمنِ خدا نے آگے بڑھ کر وار کیا اور یہ عاشقِ رسولؐ خاک پر تھا[1]۔ ان کی آخری دعا یہ تھی جس کا کفار پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ ایک مدت تک خوف زدہ رہے انہوں نے کہا: "اے اللہ! ان کفار کو ایک جگہ اکٹھا کر اور انہیں الگ الگ قتل کر کے ایک کو بھی نہ چھوڑ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ معاویہ بن ابوسفیان کہا کرتے تھے کہ خبیبؓ کی بددعا کا خوف میرے باپ پر اتنا تھا کہ وہ زمین کی طرف جھکا رہتا تھا ❊

جنت البقیع کا پہلا مدفون

حضرت عثمانؓ بن مظعون

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ۔

عرب کے شاعر لبید کا یہ شعر سن کر باآواز بلند "درست قطعی درست" کہنے والا شخص حضرت عثمانؓ بن مظعون تھا۔ جن کا شمار سابقین میں ہوتا ہے وہ آسمانِ اسلام کے روشن ستاروں میں سے ایک تھے۔ اور ان لوگوں میں سے تھے جو چھوٹی عمر میں اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ بہت نیک عابد اور صوفی منش آدمی تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ نے بہت فوقیت عطا فرمائی تھی۔ اول تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے گیارہ مردوں میں سے ایک تھے۔ دوسرے حضور پرنور نے انہیں یہ اعزاز دیا کہ وہ جنگِ بدر کے موقعہ پر جب پہلی بار جنگ نہیں ہوئی تھی۔

[1] :- بخاری کتاب المغازی والجہاد ❊

ربیع الاوّل کے مہینے میں عامل مدینہ منتخب فرما گئے تھے۔ پھر انہیں یہ بھی فوقیت حاصل ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو پہلے اسلامی قبرستان میں دفن کیے گئے تھے اور یہ ان کی ذاتی قربانیوں کا دنیوی اجر تھا۔ وہ تاریخ کے اوراق میں زندہ رہیں گے کیونکہ وہ اسلام کے لئے زندہ رہے اور اسلام کے لئے ہی مر گئے۔ ان کی قربانیوں کا ذکر مؤرخین نے بہت عمدہ الفاظ میں کیا ہے۔ مثلاً

ایک دفعہ جب مکّہ سے ہجرت کا ارادہ کر کے وہ جانے لگے تو ایک رئیس مکّہ نے انہیں پناہ دی۔ کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے کہا کہ مَیں اپنی دوستی کی بناء پر تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں آج سے تمہیں اہل مکّہ اور رؤسائے قریش کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ مَیں نے عثمانؓ بن مظعون کو پناہ دی ہے۔ اس طرح وہ عرب کے دستور کے مطابق جابر و ظالم لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے اور وہ آزادانہ طور پر ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے مسلمان بھائی بہن نشانۂ ستم بنے ہوئے ہیں تو ان کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ آرام سے پھرتے رہیں۔ اور ان کے بھائی اسلام کی وجہ سے تپتی سِلوں پر تختۂ مشق بنیں۔

چنانچہ وہ اس رئیس کے پاس گئے اور صاف کہدیا کہ "میں وہی موت مروں گا جو میرے بھائی سینہ سے لگائے پھرتے ہیں۔ تمہاری پناہ مَیں واپس کرتا ہوں۔ رئیس نے اعلان کر دیا کہ آج سے پناہ ختم ہو گئی۔

اتفاق سے ایک دن عکاظ کے میلے پر وہ لبیدؔ شاعر کے قصیدے سُن رہے تھے کہ رؤساء علماء اور فضلاء داد دے رہے تھے کہ لبیدؔ نے یہ شعر پڑھا کہ "ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے"۔ حضرت عثمانؓ نے پیشتر اس کے کہ کوئی عالم و فاضل داد دیتا ہے۔ بے ساختہ آواز سے پکارا۔ بالکل درست قطعی درست۔ بے شک خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ چھوٹی عمر کے تھے اور ادیب و شاعر بھی نہیں تھے۔ اُدھر لبیدؔ ایک کہنہ مشق شاعر

اور اسّی سالہ بڈھا تھا۔ سٹ پٹا اُٹھا اور عمائدین شہر سے مخاطب ہُوا کہ ادب تم سے اُٹھ گیا ہے۔ جو آج ایک اٹھارہ سالہ کچا ذہن اٹھ کر داد دے رہا ہے یہ سوئے ادبی سب کو ناگوار گزری۔ اور حضرت عثمانؓ کو انہوں نے ڈانٹا۔ پھر دوسرا شعر لبیدؔ کے مُنہ سے نکلا۔ تو وہ شعر پہلے شعر سے بڑھ کر تھا ؎

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ

یعنی ہر نعمت ایک دن زائل ہونے والی ہے۔ مگر عاشق رسولؐ خاموش نہ رہ سکا اور جھٹ بولا۔ "یہ بالکل غلط ہے جنّت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی"۔ اب وہ شخص جس کو حضرت عثمانؓ کے داد دینے پر بُرا منایا تھا مذمت پر کیسے صبر کر سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور مجلس برخاست کر دی۔ ایک جوشیلے نے اٹھ کر انتہائی جوش و غصّہ سے حضرت عثمانؓ بن مظعون کو ایسا گھونسا مارا کہ ان کی ایک آنکھ وہیں بے نور ہو گئی اور ڈیلا باہر آگیا۔ اس پر اُس رئیس کو جس نے پناہ واپس لی تھی دُکھ ہُوا۔ لیکن باقی رؤسائے شہر کو اپنی مخالفت پر آمادہ کرنا بُرا تھا۔ اس لئے وہ حمایت نہ کر سکا۔ البتہ اتنا کہہ گیا۔ کہ مَیں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ سے نہ نکلو"۔ "اب دیکھا پناہ میں سے نکلنے کا مزہ"۔

مگر اسلام کا بہادر سپاہی بولا۔ کہ اگر ایک آنکھ نکل گئی تو کیا ہُوا۔ خُدا کی قسم میری دوسری آنکھ بھی اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ اسے خدا کی راہ میں نکلنے کا کب موقعہ ملتا ہے؟ یہ جاں نثاری تھی رسول خُدا کے عاشقوں کی کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو ترستے تھے اور جان دے کر زندہ ہوتے تھے۔

سنہ ۲ ہجری کے اواخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے لئے مدینہ میں مقبرہ تجویز کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ موت و حیات انسان کے ساتھ ہے اور جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا تھا وہاں فانی انسانوں کے لئے بھی آخری آرامگاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اور اس کا نام "جنت البقیع" رکھا۔ چنانچہ اس دار فانی میں سب سے پہلا شخص جو اس دار فانی سے رخصت ہو کر

اپنے خالقِ حقیقی سے ملنے کے لئے جنت البقیع کی لحد میں اتارا گیا۔ وہ عثمان بن مظعون تھا۔ جو بہت چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن[1]

آپؓ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ایک دفعہ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! میری خواہش ہے کہ تارک الدنیا ہو جاؤں اور تمام زندگی اسلام کے لئے وقف کر دوں۔ اور بیوی بچوں سے علیحدہ زندگی اختیار کر کے اپنی زندگی عبادت میں ہی گزار دوں۔ مگر آپؐ نے اس کی اجازت قطعی نہ دی۔ کیونکہ آپؐ اعتدال پسند تھے اور ایسی عبادت کو پسند فرماتے جو استقلال سے کی جائے اور اس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تمہیں چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ بیوی بچوں کا حق بیوی بچوں کو دو۔ مہمان کا حق مہمان کو دو اور اپنے نفس کا حق نفس کو دو۔ یہ سب حقوق خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اور انکی ادائیگی عبادت میں شامل ہے[2]"

حضرت رسولؐ خدا کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر بطور علامت کے نصب کروا دیا۔ اور پھر آپؐ کبھی کبھی جنت البقیع میں جا کر دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی قبر رسولِ خدا کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے پہلو میں ہے۔[3]

---

[1]: محمد مارگولیس ص۲۸۱ ٭ [2]: بخاری کتاب الصوم ٭ [3]:۔ شبلی ٭

غلاموں کی آزادی کا پہلا حکم

غلامی ہمیشہ جنگ کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب دو ملکوں یا قبیلوں میں جنگ ہوتی ہے تو مفتوح قوم کے بیشتر لوگ مارے جاتے ہیں اور کچھ بچے ہوئے لوگوں میں سے فاتح قوم قید کر لیتی ہے۔ وہ بچے یا عورتیں یا سپاہی جو قیدی بنائے جاتے ہیں۔ بحیثیت غلام کے فاتح کی ملکیت ہو جاتے ہیں اور عرب میں بھی تقریباً یہی دستور رائج تھا کہ مفتوح کو قتل کی بجائے غلام بنا لیا جاتا۔ پھر جو چاہے مالک سلوک کرے۔ سزا دے یا فروخت کر دے یہ قیدی غلام کا مقدر تھا۔ غرض عرب میں غلام اور عورت دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہزارہا غلام پائے جاتے تھے۔ بلکہ امیر کی پہچان ہی غلاموں کی کثرت پر موقوف تھی۔ مگر رسولِ خدا نے غلاموں کے ساتھ نرمی اور شفقت کے سلوک کی سختی سے پابندی کی نبوت سے پہلے ہی خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپؐ کے پاس زید بن حارث کو بطور تحفہ پیش کیا تو آپؐ نے اسے ازراہِ شفقت آزاد کر دیا تھا۔ اس سے محنت و مشقت کیا لینی تھی۔ بلکہ پدرانہ محبت تھی اور یہاں تک کہ اسے متبنیٰ بنا لیا۔ اور یہ بہت بڑی عظیم مثال تھی کہ اپنے غلاموں کو مالک بیٹے کا سا درجہ دے۔ گو بعد میں بذریعہ وحی متبنیٰ کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ تاہم جو ایثار و قربانی آپؐ نے غلاموں کے لئے دکھائی ہے۔ تاریخ اس کی مثال نہیں دے سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ شروع میں اسلام زیادہ سے زیادہ غلاموں میں ہی پھیلا اور اسلام میں ان کی پوزیشن مضبوط تر ہو گئی۔

سب سے پہلا حکم سورۃ بلد رکوع ۱ خدا تعالیٰ نے جو فرمایا یہ تھا۔ کہ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ[1] اور تجھے کس نے بتایا کہ چوٹی کیا ہے (غلام کی) گردن چھڑانا ہے۔ اس مخصوص قرآنی حکم

---

[1]:۔ الشمس: ۱۴۔۱۳ ٭

کے نتیجہ میں غلاموں کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ یہانتک کہ انہوں نے اسلام کا ایک گہرا اثر دل پر بٹھالیا۔ بیشک آپؐ عورتوں اور غلاموں کے لئے رحمۃٌ للعالمین تھے۔ ان کے نجات دہندہ تھے۔ ان کے محسن حقیقی ثابت ہُوئے کیونکہ ایک تو انہیں آزادی حاصل ہوئی۔ دوسرے مسلمانوں کو ایک قدم اور آگے بڑھ کر آپؐ نے باہم شادی بیاہ کا حکم دیدیا۔ اور اس طرح مساوات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ آپؐ نے قرآن کا یہ حکم سُناکر کہ "اے مسلمانوں! نہ شادی کرو تم مشرک عورتوں سے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور یہ جان لو کہ ایک مسلمان لونڈی ایک مشرک آزاد عورت سے بہتر ہے۔ اور ایک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے[۱]" غلاموں کی پوزیشن مستحکم تر کردی۔ آزاد مسلمان اور مومنہ لونڈی کی شادی نے ان کی عزّت و توقیر اسلامی سوسائٹی میں بڑھادی۔ اِنہی الٰہی احکامات کا نتیجہ تھا کہ اُسامہؓ بن زیدؓ کو لشکر اسلامی نے اپنے لئے کمانڈر انچیف قبول کرلیا تھا۔ بڑے بڑے امراء و معمر صحابہؓ کو ایک غلام زادے کے ماتحت کام کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ یہ آپؐ کی دُور بین نگاہ تھی کہ آپؐ نے کئی بار اپنے آزاد کردہ غلام زادے اُسامہؓ بن زیدؓ کو جنگی مہموں پر امیر مقرر کرکے جلیل القدر ہستیاں بنادیا۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان کے نمونے سے روشنی حاصل کریں۔ بعض ناسمجھ لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا۔ "تم لوگوں نے اُسامہؓ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا ہے۔ اور اس سے پہلے تم اس کے باپ زیدؓ کی امارت پر طعن کرتے تھے۔ مگر خدا کی قسم! جس طرح زیدؓ امارت کا حقدار اور اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا۔ اسی طرح اُسامہؓ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں میں ہے[۲]"

حضرت اُسامہؓ ابھی بچہ تھے کہ ان کی ناک بہہ رہی تھی۔ آپؐ نے اُسے صاف کرنا چاہا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یارسُولؐ اللہ میں صاف کردیتی ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ عائشہؓ! تو اُسامہؓ سے محبت کر میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں[۳]۔

[۱] : سورۃ بقرہ ع ۲۷ ؛ [۲] : بخاری کتاب فضائل اصحابؓ ؛ [۳] : ترمذی ؛

ابو امیر سے روایت ہے کہ رسُولؐ خُدا فرمایا کرتے تھے۔ "مَیں اس بات کو بہت پسند کرتا ہُوں کہ دنیا کے اموال میں سے اپنے غلام کو برابر کا حصّہ دوں بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن میرے ثواب میں کمی آجائے۔"

پس وحی الٰہی کے مطابق غلاموں کو آزاد کرکے نہ صرف آپؐ نے غلاموں پر احسانات کئے بلکہ ان کی گردن سے مظالم کا جُوا اتار پھینکا۔ بلکہ آقاؤں پر بھی برابر کے انعامات کئے کہ انکی طبائع میں وہ فخر و غرور جو ملازموں اور غلاموں کی فہرست کی لمبائی سے ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اور آقا اور غلام کی ذہنیت کو درست کردیا۔ تکبّر اور بڑائی آقا سے گئی۔ خودداری اور عزّت نفس غلام میں پیدا ہوئی۔

ابو مسعودؓ بدری روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ رسولِؐ خدا تشریف لائے تو مَیں اپنے کسی غلام کو مار رہا تھا۔ غصّہ کی حالت میں مَیں نے رسُولؐ پاک کی آواز بھی نہ پہچانی اور مارتا گیا۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنے آقاؐ کو پاکر سخت شرمندہ ہُوا اور اس غلام کو آزاد کردیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہارے منہ کو جھلستی[۱]۔

خاوند کے حقوق کے بارہ میں آپؐ نے فرمایا کہ "طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے"۔ ایک دفعہ ایک غلام رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی یارسُولؐ اللہ! میرے آقا نے اپنی لونڈی کے ساتھ شادی کردی تھی۔ مگر وہ اب چاہتا ہے کہ نکاح کو فسخ کرکے ہمیں ایک دوسرے سے جُدا کردے۔ آپؐ یہ بات سن کر سخت غصّہ کی حالت میں ممبر پر چڑھ گئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "اے مسلمانوں! یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور لونڈی کی شادی کرتے ہو اور خود بخود پھر اپنی مرضی سے ان میں علیحدگی کرنا چاہتے ہو۔ سُن لو! کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ طلاق دینے کا حق صرف خاوند کو ہے۔ تم اپنے غلاموں کو مجبور نہیں کرسکتے[۲]۔

پس مختصر یہ کہ غلامی کا طوق کروڑوں کی گردنوں سے اتار پھینکنے والا محبُوب

[۱] : مسلم کتاب الایمان ؛ [۲] : ابن ماجہ کتاب الطلاق ؛

انسان جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے جارہا تھا تو آخری لمحات میں جبکہ موت کا غرغرہ طاری تھا۔ آپؐ نے اپنی بیٹی کو وصیت نہیں کی۔ اپنی بیوی کو نصیحت نہیں کی۔ عزیزوں کے لئے پیغام نہیں چھوڑا۔ بلکہ جس محبوب شخص کا ذکر آپؐ کے ہونٹوں پر تھا وہ تھا غلام۔ اور نماز جن کے لئے آخری لمحات میں فرمایا :-

اَلصَّلٰوۃ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ[1]

اے مسلمانوں! نماز اور غلام کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔ سبحان اللہ کیسی جامع نصیحت فرمائی کہ دو لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو یکجا کر دیا اور مسلمانوں کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کیا کرو۔[2] دراصل یہ سب کچھ غلامی مفقود کرنے کا طریقہ تھا۔ جن سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک حرف غلامی کی جڑھ پر تبر رکھنا ہی تھا۔ تاکہ آئندہ غلامی کا وجود ختم ہو جائے۔

حضورؐ نے خود تریسٹھ غلام آزاد فرمائے تھے جبکہ حضرت عائشہؓ نے سٹاسٹھ[67] غلام آزاد کر دیئے تھے ۔

---

[1] :- ابن ماجہ الواب الوصیت ۔ [2] :- بخاری کتاب العتیق ۔

ہجرت کے بعد پہلا بچہ

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ

مہاجرین کے لئے عبداللہ ابن زبیرؓ کی پیدائش کا دن اجتماعی خوشی کا دن تھا کیونکہ مدینہ میں مشرکوں نے ایک پریشان کُن خبر مشہور کر دی ہوئی تھی۔ کہ ہم نے جادو کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں کوئی نرینہ اولاد نہ پیدا ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے دشمنوں کو ہر جگہ ناکام کرنے کے لئے ان کی ہر تدبیر خاک میں ملادی۔ اور پہلے ہی سال حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خدا تعالیٰ نے پہلا بیٹا عطاء فرمایا۔ اس بچہ کی پیدائش پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اور حضرت زبیرؓ بچہ کو اُٹھا کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو آپؐ نے کھجور کو اپنے مُنہ سے نرم کر کے اس کا لعاب بچہ کے مُنہ میں ڈالا۔ اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور یہی لعاب مبارک بچے کی پہلی خوراک تھی۔ جو اس نے آتے ہی دُنیا میں حاصل کی تھی ۔

حضرت زبیرؓ بن العوام ایک متقی اور جاں نثار کبار صحابہؓ میں سے تھے۔ وہ ایک بہادر و شجاع مسلمان تھے۔ جنگِ یرموک میں جب رومی لشکر پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر لوہے کی صفیں بن گئے تھے تو یہ حضرت زبیرؓ ہی تھے جو کفار کی آہنی صفیں چیر کر ان کے عقب میں نکل جاتے اور پھر حملہ کرتے اور کشتوں کے پُشتے لگاتے ہوئے واپس پلٹتے تھے۔ اس دن اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ حالانکہ اس وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر بمشکل دس برس تھی۔ انہیں گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ تاآنکہ بچہ جاں نثاری اور شجاعت کے مناظر دیکھے۔ اور کل ایسی شجاعت کا مظاہرہ خود کر سکے۔ سو حقیقت میں اس

دس سالہ بچہ نے جو جاں بازی کے مناظر دیکھے تھے اپنے دل و دماغ پر ایسے ثبت کر لئے کہ مستقبل میں اُسکی جانبازی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ عقل حیران رہتی ہے۔ تاریخ عبداللہؓ بن زبیرؓ کو ایک مقام پر جزوی خلیفہ دکھاتی ہے۔ یزید بن معاویہ جب فوت ہوا تو اہلِ حجاز یمن۔ عراق اور خراسان کے مسلمانوں نے انکی خلافت کی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ حضرت عبداللہؓ نے بنو امیہ کے قابل اعتراض مسلک کو دیکھ کر اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی۔

حضرت عبداللہؓ کی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ وہ خود ایثار و قربانی کا مجسمہ تھیں۔ ہجرت کے واقعات میں ہم انہیں بعض اہم مقامات پر ملتے ہیں۔ مثلاً ہجرت کے موقعہ پر زاد راہ باندھنے کے لئے انہوں نے اپنی کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑہ میں زاد راہ رسُولؐ خُدا کو باندھ کر دیا تھا۔ اور ایک خود استعمال کیا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کو والدہ محترمہ حضرت عبداللہؓ کو ذات النطاقین کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپؓ ذات النطاقین دو کمر بندوں والی عورت کہلاتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ کی طبیعت کچھ سخت تھی تاہم وہ اسماءؓ کے کردار کی دل و جان سے قدر کرتے تھے۔ لیکن غصّہ کے معاملہ میں اپنے مزاج سے مجبُور تھے۔ آپؓ وفا کیش صحابیہ تھیں۔ جب زبیرؓ بن العوام کو جنگ جمل کے بعد ایک غدّار نے سجدہ کی حالت میں ہی شہید کر دیا تھا۔ تو اسماء رضی اللہ عنہا کی رُوح تڑپ اُٹھی۔ لیکن وہ اس دلفگار سانح کو بھی صبر و رضاء سے برداشت کر گئیں۔ اور اپنے آخری سہارے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ایک عابد و فاشعار شجاع نوجوان تھے۔ وہ اتنی لمبی نماز حرم شریف میں ادا کرتے کہ حرم کے کبوتر ان کے کندھوں پر آ بیٹھتے تھے۔ دین اسلام سے انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حجّاج کی فوجیں مکّہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور اُن کی وجہ سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو انہوں نے جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دینے کا عزم کر لیا۔ حجّاج بن یوسف نے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ تو

حضرت عبداللہؓ نے اپنی عظیم ماں سے مشورہ مانگا۔ تو ماں نے مشورہ دیا: "کہ حق پر ہو تو اپنے اصولوں کو قربان نہ کرو۔ دُنیا کے مقابلہ میں دین کا خیال رکھو" انہیں معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا قتل کر دیا جائے گا اور شہادت ہی انجام ہو گا۔ پھر بھی اپنے بیٹے پر نازاں تھیں وہ بیمار تھیں۔ عرض کیا موت میں ہی راحت ہے ماں نے کہا بیٹا سن لو۔ مَیں تو اس وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتی۔ جب تک دو خبروں میں سے ایک سُن نہ لوں۔ یا تو تُو شہید ہو جائے اور مَیں اسے عاقبت کے لئے سعادت خیال کروں یا تو کامیاب ہو جائے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ماں کی دعاؤں کے ساتھ باہر جانے ہی والے تھے نابینا ماں نے اپنے بیٹے کو آخری بار چھاتی سے لگانے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے تو انہیں اپنی زرہ کا احساس ہوا۔ اور ماں کو آہنی زرہ پر اعتراض ہوا۔ کہنے لگیں۔ جہاد پر جا رہے ہو تو حفاظت کی کیا ضرورت ہے؟ ماں کی غیرت ایمانی کا یہ مجاہدانہ جلال دیکھ کر بیٹے نے فی الفور زرہ اُتار دی اور نفرت سے زمین پر پھینک دی۔ اور برہنہ سینہ لے کر میدان میں اُتر گئے۔ اور ماں کے آخری الفاظ سارا وقت کانوں میں گونجتے رہے کہ بیٹا موت سے ڈر کر کوئی ایسی بات قبول نہ کرنا جس میں ذلّت ہو۔ بخدا! عزّت کی تلوار ذلّت کے کوڑے کی مار سے بہتر ہے۔" شہادت کے دھنی نے شہادت پائی۔ اور شہید کی آرزو رکھنے والی ماں شہید کی ماں بن گئی۔ شہادت کی خبر پاتے ہی وہ خُدا تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہو گئی۔ وہ عظیم ماں صدمات سے چور چور جب شہادت کے بعد اپنے بیٹے کو سولی پر چڑھا ہوا پا کر پاس سے گزری تو مُسکرا کر صبر سے کہنے لگیں کہ "بیٹا میرا شہسوار بیٹا تو کب تک سواری پر رہے گا۔ جب قاتل حجاج سے مڈھ بھیڑ ہوئی تو بولیں۔ اے حجاج تو ظالم ہے۔ حجاج نے کہا عبداللہؓ بن زبیرؓ منافق تھا۔ جواب دیا۔ "خُدا کی قسم وہ منافق نہ تھا۔ وہ عابد۔ نماز روزے کا پابند اور خدا تعالیٰ کا مقرب تھا۔ حجاج نے کہا تم سٹھیا چکی ہو۔ حضرت اسماءؓ نے کہا "مَیں نے رسُولِ خداؐ صلعم

سے سُنا تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ثقیف سے ایک کاذب اور ہلاکت بکھیرنے والا آئے گا۔ کذّاب تو دیکھ چکی ہُوں یعنے مختار بن ابی عبید اور ہلاکت بکھیرنے والے تم ہو۔

شہادت کے روز حضرت عبداللہؓ اپنی ماں کے پاس دعائیں لینے کے لئے حاضر ہوئے تو عرض کی امّاں دشمن کا ارادہ ہے کہ شہادت کے بعد میری کھال الٹی کھینچ لی جائے۔ فرمایا! بیٹا جب بکرا ذبح ہو جائے تو اُسے کیا کہ اس کی کھال سیدھی کھینچی جائے یا اُلٹی۔ چنانچہ دلیر و شجاع بیٹا میدانِ شہادت میں جا پہنچا۔ مسجد سے باہر نِکلے اور شامیوں کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے جس طرف مُنہ کرتے دشمن کی صف پلٹ دیتے۔ وہ لڑ رہے تھے کہ کوہ صفا کی جانب سے ایک پتھر اُن کے سر پر آ لگا۔ سر جُھک گیا۔ اور آپؓ نے یہ شعر پڑھا ؎

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمٰى كُلُوْمُنَا
وَلٰكِنْ عَلٰى أَقْدَامِنَا يَقْطُرُ الدَّمُ

یعنے زخموں سے ہمارا خون ایڑیوں پر نہیں رستا بلکہ سامنے اس کے قطرے گرتے ہیں۔ اس کے بعد دشمن نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت پر شامیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا۔ اس کی ولادت پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے والے اس کی وفات پر نعرۂ تکبیر کہنے والوں سے بہتر تھے۔

الغرض یہ وہی عبداللہؓ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنا بیٹا بنایا ہُوا تھا۔ اسی لئے وہ اُمِّ عبداللہؓ کی کنیت سے مشہُور تھیں۔ انہیں ان سے بے حد پیار تھا۔ اور اخلاقِ حسنہ میں بھی حضرت عائشہؓ کی تربیت کی جھلک نمایاں تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو حضرت عائشہؓ کو قبر میں اتارنے کی سعادت بھی حاصل ہے[1]۔

[1]: شبلی حِصّہ دوم۔

پہلا مقتول

حضرت رسُولِ خُداؐ کا پہلا وار ابی بن خلف کا قتل

قَتَلَنِيْ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ

جنگ اُحد میں شدید زخموں کی وجہ سے آپؐ میں اتنی نقاہت و کمزوری تھی کہ آپؐ کو گھاٹی پر چڑھنے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ آپؐ چٹان پر خود نہ چڑھ سکتے تھے۔ طلحہؓ بن عبداللہ جن کے لئے ایک دفعہ رسولِ خُداؐ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص زمین پر چلتا ہُوا شہید دیکھنا چاہے تو طلحہؓ بن عبداللہ کو دیکھ لے[1] نیچے آکر بیٹھ گئے اور آپؐ نے ان کی مدد سے چٹان پر چڑھ کر اپنے آپؐ کو سنبھالا لیکن جونہی آپؐ گھاٹی پر چڑھ کر بیٹھے ہی تھے تو ابی بن خلف پتہ لگاتا لگاتا وہاں پہنچ گیا۔ ایک دفعہ آپؐ سے وہ مکّہ میں ملا تھا۔ اور اس نے آپؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میرے پاس ایک جائے پناہ ہے اور وہ جائے پناہ وہ گھوڑا ہے جسے مَیں نے ایک فرق (پیمانہ) دانہ روزانہ کھلا کر پرورش کیا ہے۔ یعنی اُسے ہر لحاظ سے عمدہ اور اعلیٰ غذا دے کر تنومند بنایا ہے تاکہ مَیں اس پر سوار ہو کر تمہیں نعوذ باللہ قتل کر سکوں لیکن خُدا کے پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ "انشاء اللہ مَیں ہی تمہیں قتل کروں گا"۔ چنانچہ اُحد کے دن جب جیتی ہوئی جنگ مسلمان ہار گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید زخم بھی آئے تو یہ موذی کافر پھر تلاش میں نکلا کہ اپنا منصب پُورا کرے اور دوزخ کا ایندھن بنے۔ وہ اس مقام پہ جا پہنچا جہاں آپؐ خُدا کی راہ میں گئے ہُوئے تھے اور زخموں پر دو انگار رہے تھے۔ اور بے سکت تھے۔ وہ للکارا اور گستاخی سے یوں مخاطب ہُوا۔ "اے محمدؐ اگر تم بچ گئے تو اللہ مجھے زندہ نہ رکھے"۔ گویا کہ وہ پھر چیلنج کرنے آیا تھا اور اس دن کا وعدہ یاد دلا رہا تھا۔ جو مکّہ میں گھوڑے کی بڑائی بیان کرتے ہُوئے اُس نے کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ اسے پا کر بہت رنجیدہ اور خفا ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ

[1]: ابن ہشام حصّہ دوئم ص۲۵۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت حارثؓ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے خدا کے سچے رسولؐ! کیا ہم اس کی طرف رُخ کریں۔ آپؐ نے فرمایا دَعْهُ (اسے چھوڑ دو) کیونکہ اُس نے چیلنج رسولؐ پاک کو کیا تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو اجازت طلب کرنا ضروری تھا۔ ایک دفعہ پہلے آج ہی کے دن میدانِ جنگ میں ابن قیمہ بدبخت نے خدا کے رسولؐ پر وار کر کے خوشی کا نعرہ لگایا تھا۔ کہ مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مار لیا۔ حالانکہ یہ اس کا زعم تھا۔ خدا کا رسولؐ اپنے فدائیان کے درمیان صحیح وسلامت تھا۔ ہر وار جو ابن قیمہ کرتا تھا۔ خدا کے فرستادہ نبیؐ کی حفاظت کے لئے اس کے فرشتے آگے آجاتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بچانے کے لئے آپؐ کے جاں نثار حضرت طلحہؓ ہر وار اپنے اُوپر لیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے بے کار ہوگیا۔ اور اسی طرح یہ دن ابن قیمہ کی خوشیوں کو پامال کرنے کا دن تھا۔ دوسری بار بدبخت ابن خلف آگے بڑھا اور قریب تھا کہ خدا کے شیر پر حملہ کر دیتا۔ پیشتر اس کے کہ وہ وار کرتا جب وہ ذرا قریب پہنچا تو رسولِ خداؐ نے حارثؓ بن حسمہ سے نیزہ لے لیا۔ اور ایسا زور سے گھما کر مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر جا گرا اور پھر اُٹھ کر چیختا چلاتا واپس بھاگ گیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت ہے کہ نیزہ رسول اللہؐ نے لیا تو آپؐ اسے ایسی حرکت دی کہ ہم سب لوگ اس طرح اُڑ کر بھاگے جیسے کاٹنے والی مکھی اُونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب اُونٹ اسے اپنی حرکت سے اڑاتا ہے۔ پھر آپؐ ابی خلف کی طرف بڑھے اور اس کی گردن پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے پر سے لڑکھڑا گیا۔ لیکن جو بھاگا تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا وہ بچ کر اہل مکّہ کے پاس تو پہنچ گیا۔ لیکن اس کے جسم پر جو زخم رسولؐ خدا کے وار سے آیا تھا۔ وہ مہلک تو ضرور تھا۔ لیکن کاری نہیں تھا۔ اگرچہ اس کی گردن میں بڑی خراش آئی تھی اور صرف خون رگوں میں رُک کر جمع ہوگیا تھا۔ پھر بھی اس نے کہا "قَتَلَنِیْ وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ" یعنی خدا کی قسم مجھے محمدؐ (صلعم) نے مار ڈالا ہے۔ وہ زندہ بھی یہ تاثر لے چکا تھا کہ ہلاکت اس کا پیچھا کر چکی ہے۔ قریش نے کہا واللہ تو دل چھوڑ بیٹھا ہے۔ ابھی تیرے اندر کافی قوت

ہے۔ لیکن اُس نے کہا محمد (صلعم) نے مکّہ میں ہی مجھے کہا تھا کہ مَیں تمہیں قتل کروں گا۔ خُدا کی قسم اگر آج مجھ پر تھوک بھی دیتے تو مَیں مر جاتا[۱]۔ پس خُدا کی مشیت اسی میں تھی کہ وہ جا کر قریش کو اپنی شکست کا اعتراف اپنی زبان سے کر کے اپنی ہار اور رسولؐ خدا کی جیت پر مُہر لگا کر موت کو گلے سے لگاتا۔ چنانچہ جب قریش مکّہ کے قریب جا رہے تھے تو سرف کے مقام پر اُس نے دم توڑ دیا۔ اور پیوندِ خاک ہوگیا۔[۲]

یوں خُدا کے شیر کا وار خالی نہ گیا۔ بلکہ مہلک ثابت ہُوا۔ اسے اپنے اہل و عیال تک جانا نصیب نہ ہُوا۔ حسانؓ بن ثابت اپنے اشعار میں ابی بن خلف کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔

"اے ابی بن خلف اپنی بوسیدہ ہڈیاں اٹھائے ہُوئے تو رسولِ خُدا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تو اُن کی حقیقت سے ناواقف تھا۔ اور دھمکیاں دے رہا تھا"

اِس طرح آج اُس کی جائے پناہ جائے ہلاکت بن گئی ؎

زکوٰۃ

بعمر ۵۴ سال ۷۔ ۸ ماہ ۔ شوال ۲؁ ہجری ۶۲۴؁ء

زکوٰۃ ذکی سے نکلا ہے جس کے معنے پاکیزگی کے ہیں۔ اور یہ عمل بھی پاکیزگی اعمال و مال پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے یہ تیسرا رکن ہے جو ہجرت کے دوسرے سال نازل ہُوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرما کر مسلمانوں کو پھر بیدار کیا کہ۔ اے خُدا اور اُس کے رسولؐ کو ماننے والو تم پر ایک اور ذمہ داری نازل ہوتی ہے تاکہ تمہیں غافل نہ ہونے دے اور پاکیزہ رکھے۔ اصل میں مسلمانوں کے لئے شروع کے تیرہ سال سخت مشکلات و پریشانیوں

۱۔ ابن ہشام حصّہ دوم باب ۱۱۲ ص۵۱ ؎ ۲۔ ابن سعد ؎

کے تھے۔ مصائب نے ہر طرف سے گھیرا کیا ہوُا تھا۔ کیونکہ یہی آزمائش کے سال تھے اس لئے خداتعالیٰ اپنے صابر و شاکر بندوں کے ذمے زیادہ بوجھ ڈالنا پسند نہیں فرماتا تھا۔ لیکن جب غلبہ اسلام کی گھڑی شروع ہوئی تو ذمہ داریاں اور شرعی احکامات بتدریج نازل ہونے شروع ہُوئے اور ایک بنیادی رکن زکوٰۃ تزکیہ مال کے لئے نازل فرمادیا۔ فرمایا:۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

"یعنی اہل ثروت کے اموال میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے سب کا حق ہے"

سُبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا پردہ کس عمدگی سے ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ فرماتا ہے کہ سائل تو سرِ بازار آہی گیا اور بھیک مانگنے لگ گیا لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پیٹ سے خالی ہے لیکن زبان پہ مُہر ثبت ہے اور حیا و شرم آڑے آئی ہوئی ہے۔ ایسے محروم طبقے کے لئے اہل ثروت کا حق ہے کہ اپنے مال کا حصّہ کاٹ کر زکوٰۃ جمع کریں تاکہ اُن نادار لوگوں کی جو معاشرہ کا سامنا نہیں کر رہے مدد کی جاسکے یہ خاموش مدد صرف اور صرف انتظام سے ہی ہو سکتی ہے۔ دوسرے زکوٰۃ کی فرضیت و ادائیگی انسان کے دل سے دنیوی محبّت کے مرض کا ازالہ کرنے والی ہے۔ اور دولت مندوں کو نافرمانی سے روکنے والی حقیقت ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"بے شک کبھی انسان حدِ آدمیت سے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہم جنسوں سے مستغنی پاتا ہے"

ایسے انسان کے لئے زکوٰۃ کی حد مقرر فرماکر اعتدال پر لانے کی ایک حکمت بیان فرمادی۔ جس طرح روزہ بھوکے اور غریب کی ناداری کا احساس دلاتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی دولتمندوں کے قلوب میں فقراء اور مساکین کی محبت پیدا کرتی ہے۔ جس کی بناء پر ان کے دلوں سے حسد اور کینہ۔ غیظ اور غضب کی کیفیّت زائل

ہو جاتی ہے۔ پھر اگر انسان فاضل دولت کو روک رکھے تو انسان معطّل و بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ اُس کا کچھ حصّہ فقراء پر صرف کرے تاکہ اس کا مال درست ہو اور یہ عمل انسان کے محاسن اور نعمتوں میں سے ہے۔

اس کے برخلاف دولت مند اگر زکوٰۃ ادا نہ کریں تو فقراء میں معاشی تنگی اکر بے چینی و اضطراب کا موجب ہو جائے۔ اور ایک وقت ایسا آجائے کہ فقراء کی نگاہیں حقارت سے اٹھیں اور امراء کا جینا محال کردیں۔ کبھی چوری کر کے اور کبھی ڈاکہ ڈال کر اور حد تو یہ کہ کبھی قتل تک کی نوبت آجائے گی اور یہ ردّ عمل ہوگا اُس مال کو روک کے رکھنے کا جو غرباء کا حصّہ تھا۔ سو بہتری اسی میں تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت پر اور ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی خلفاء راشدین میں سے ہر خلیفہ اس شرعی رکن پر زور دیتا رہا۔ لیکن حضرت خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکرؓ نے تو جنگ تک روا کردی لیکن زکوٰۃ کے حکم کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونے دی۔ اس کی اہمیت اس جملے سے واضح ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:۔

"کہ خدا کی قسم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اگر جنگ بھی کرنی پڑی تو دریغ نہیں کروں گا"

اصل میں مخالفین زکوٰۃ نے اس بناء پر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا کہ ان کے نزدیک آیت قرآنی "خذ من اموالھم صدقۃ" (اے رسُول تو ان کے اموال میں سے ایک حصّہ بطور زکوٰۃ وصول کر) کا مخاطب صرف خدا کا رسُول تھا۔ جو وفات پا چکے ہیں۔ اب کوئی دوسرا شخص زکوٰۃ لینے کا حقدار نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مخالفین زکوٰۃ کے اس استدلال کو سختی سے ردّ فرمایا اور نہایت دلیری اور عزم سے ان مشوروں کو بھی ردّ کر دیا جو مخالفین زکوٰۃ سے نرمی برتنے کے متعلق تھے۔ چنانچہ آپ کے فولادی عزم کے باعث ارکان اسلام میں سے زکوٰۃ جیسا اہم رکن کمزور نہ ہوُا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

الغرض جس رکن کا مرکزی مقصد ہی اُس کے الفاظ میں پنہاں ہو تو اُس کی ادائیگی سے انسان یقیناً روحانی، قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ ویسے زکوٰۃ کا اہم ترین فائدہ نظام جماعت کے لئے مال سرمایہ بہم پہنچانا ہے۔ زکوٰۃ مال۔ مال کی مرض اور بخل کو ختم کرتی ہے۔ دوسروں کیساتھ ہمدردی کرنا اور شخصی اغراض کی جگہ جماعتی اغراض کے لئے اپنے اوپر ایثار کرنا۔ زکوٰۃ کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے ذیل کی آٹھ مدات بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ فقیروں کے لئے۔

۲۔ مسکینوں کے لئے۔

۳۔ زکوٰۃ جمع کرنے والوں کی تنخواہوں کے لئے۔

۴۔ نومسلموں کے لئے۔

۵۔ غلاموں کی آزادی کے لئے۔

۶۔ ایسے قرضداروں کے لئے جو قرضہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔

۷۔ اللہ کے راستے نیک کاموں میں۔ اور

۸۔ مسافروں کے لئے۔

المختصر فاضل دولت اور معاشی بدحالی کو ساتھ ساتھ ختم کرنے کا صرف زکوٰۃ ہی تیر بہدف علاج ہے جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور بُنیادی ستون ہے۔

پہلی بار نوحہ کی ممانعت

۳ سنہ ہجری

جنگ اُحد میں بظاہر فتح کے بعد شکست کا ایک پہلو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بہت اثر تھا۔ آپؐ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی شہید ہوئے تھے۔ خصوصاً ان شہداء کی جو اسلام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے تھے۔ شہادت کا رنج آپؐ کی طبیعت پر زیادہ تھا۔ وہ لمحہ آپؐ کے لئے رُوح فرسا تھا۔ جب آپؐ نے اختتام جنگ پر اپنی جمعیت کے زخمیوں اور شہداء کو جمع کیا خاص طور پر آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کا بُرا حشر تھا۔ اُن کی لاش کی بے حرمتی کرتے ہُوئے عرب کی رسم کے مطابق مثلہ کیا گیا تھا۔ یہ مہیب نظارہ آپؐ پر بہت گراں گزرا۔ چونکہ آپؐ صبر و استقلال کی تصویر تھے۔ فرمایا:۔

"مجھے آج تک ایسی مصیبت نہیں پہنچی۔ میں اس سے زیادہ غضبناک مقام پر کبھی کھڑا نہیں ہوا۔ لیکن ساتھ ہی خُدا کے پیارے رسولؐ کو تسلّی و تشفی ہوئی اور مزید فرمایا کہ جبرائیل علیہ السّلام نے مجھے بتایا ہے حمزہؓ کا نام اہلِ سماء میں لکھا گیا ہے اور حضرت حمزہؓ اللہ اور اس کے رسولؐ کا شیر ہے"۔ [1]

شہداء کے کفن دفن کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ شہداء کے بدن پر جو کپڑے ہیں۔ وہ بدن پر ہی رہنے دیئے جائیں۔ اور شہداء کو غسل بھی نہ دیا جائے۔ نماز جنازہ بھی اس وقت ادا نہ کی جا سکی تھی۔ بغیر غسل اور بغیر نماز جنازہ ایک ہی کفن میں شہداء احد کو دفنا دیا گیا۔ البتہ بموجب ارشادِ نبویؐ لحد میں اتارتے وقت ان کی بزرگی و برتری کو ملحوظ رکھا گیا۔ وہ شہید جو قرآن مجید زیادہ جانتے تھے انہیں لحد میں پہلے اتارا گیا [2]۔ اگرچہ بعد میں چند دنوں کے وقفے سے نماز جنازہ غیب ادا کی گئی۔ اور بڑے

۱: سیرۃ ابن ہشام ۲: بخاری حالات اُحد

درد و اضطراب سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

میدان اُحد سے جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو اونٹنی کی نکیل سعدؓ بن معاذ نے تھامی ہوئی تھی۔ اور لوگ اپنے نبیؐ کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آ رہے تھے۔ آپؐ جب داخل ہُوئے تو انصار کے گھروں میں آپؐ کو رونے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ آپؐ نے جب یہ چیخ و پکار سُنی تو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اور آپؐ نے فرمایا "لٰکِنْ حَمْزَۃُ فَلَا بَکَّالِیَ لَہٗ۔ یعنے ہمارے رضائی بھائی حمزہؓ کے لئے کسی اور عورت نے اس طرح ماتم نہیں کیا۔" رؤساء انصار نے خیال کیا کہ شاید حضورؐ نے ان کی توجہ نوحہ خوانی کی طرف مبذول کرائی ہے اور اس حسرت کا اظہار فرمایا ہے کہ غریب الوطن حمزہؓ کی نوحہ خوانی کا بھی خیال کیا جائے۔ وہ اپنی عورتوں کے پاس گئے اور انہیں حضرت حمزہؓ کے ماتم کے لئے متوجہ کیا۔ اور کہا "جہاں تم اپنے پیاروں کے غم میں آنسو بہا رہی ہو اور عزیزوں کے بچھڑنے پر سر دھن رہی ہو خدا کے رسُولؐ کے چچا کے شہید ہونے پر نوحہ کرو۔ کیونکہ بحیثیت مہاجر ہونے کے ان کا نوحہ کرنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ عورتیں بوجھل قدم اور غم سے نڈھال دل و دماغ کے ساتھ حضورؐ نبی پاک کے مکان پر پہنچ گئیں اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔

آپؐ کو اچانک اپنے گھر سے رونے چیخنے کی آواز سُن کر بے تابی ہوئی تو آپؐ نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ عرض کیا گیا کہ انصار کی عورتیں حضرت حمزہؓ کا نوحہ کرتی ہیں۔ تو آپؐ نے ان کی محبت کی قدر کی اور فرمایا۔ خُدا تعالیٰ ان کے غموں کو کم کرے اور انہیں اجرِ عظیم دے۔ لیکن اسلام میں اس طرح نوحہ کرنا جائز نہیں[1]۔ اس دن سے بال نوچنا چیخ چیخ کر رونا پیٹنا لمبے لمبے بَین ڈالنا ممنوع قرار دیدیا گیا ہے[2]

یہ ممانعت جنگِ اُحد کے بعد پہلی بار سختی سے کر دی گئی اور صبر کی تلقین لازمی امر قرار دیا گیا۔ یُوں تو آنکھوں میں آنسوؤں کا آجانا فطری امر ہے۔ غم سے جذبات مغلوب ہونا بھی طبعی امر ہے لیکن خُدا کے پیارے رسُولؐ نے خُدا کی رضاء پر راضی رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات پر آپؐ نے فرمایا۔ "ہر نوحہ کرنیوالی

[1]۔ تاریخ الخمیس ۔ [2]۔ ابن سعد ۔

جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں سعدؓ کی نوحہ کرنے والی ماں مستثنیٰ ہے[1]۔ اس چھوٹے سے جملے میں آپؐ نے خبردار کیا کہ نوحہ کرنے والی عورت ایک تو عورت ہوتی ہے دوسرے وہ مبالغہ آرائی کرتے کرتے جھوٹ بھی بولتی چلی جاتی ہے۔ حتّٰی کہ اپنا مقام دوزخ بنا لیتی ہے۔ تیسرے نوحہ کرنے اور چیخنے اور شور کرنے سے مرنے والے کو سکون نہیں پہنچتا۔ بلکہ وہ مرنے والے کے لئے بے تابی اور بے چینی کا سامان مہیّا کرتی ہے۔ کیونکہ میّت اپنے گرد اگرد سے تین دن تک واقف رہتی ہے۔ صرف بول نہیں سکتی۔ شور شرابا سُن کر بے چین ہوتی ہے اور یہ شور اس کی بے بسی کو بڑھا دیتا ہے۔

حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ کو ان کی نعش دیکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ مگر جب حضرت صفیہؓ نے اصرار کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ مگر خُدا کی راہ میں ایسا ہوا ہے۔ اس کی رضاء پر ہم راضی ہیں میں نہ تو رؤوں گی نہ بَین کروں گی۔ بلکہ صبر کروں گی۔ تب رسُولِ خُدا نے اپنی پھوپھی کو حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی[2]۔

گریہ وزاری کے لئے خدا تعالیٰ کا دربار سب سے بہتر مقام ہے۔ جہاں انسان اپنے خُدا کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے غم کا اظہار کرتا ہے۔ چونکہ حضورؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عام الحزن میں کس طرح آپؐ نے پے در پے صدمات برداشت کئے۔ مگر خاموشی و صبر کے ساتھ خُدا کی رضاء پر راضی رہے۔ اپنے جگر گوشہ حضرت قاسمؓ اور حضرت ابراہیمؓ کو اپنے حقیقی مولیٰ سے ملتے دیکھا۔ اور راضی برضاء رہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ؔ

[1]۔ ابنِ ہشام جلد دوم باب ۱۳۱ صفحہ ۲۶ ۔ [2]۔ ابنِ ہشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ۔

پہلا حکم بندشِ شراب

ربیع الاوّل ۲؁ سنہ ہجری

عرب کا خطّہ بہت آزاد اور غیر مہذب ہونے کے علاوہ تمدنی اور اخلاقی بیماریوں کا مرجع بھی تھا ۔ اور بُت پرستی ۔ شراب نوشی اور قتل و غارت میں تو خاصہ امتیاز حاصل تھا ۔ اگرچہ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی کئی بیماریوں کا قلع قمع ہو گیا تھا ۔ کیونکہ یہی کلمہ توحید کا نصب العین تھا ۔ جو بہت حد تک پُورا ہو گیا ۔ لیکن شراب نوشی کی جڑھیں بدستور اپنا مقام بنائے ہوئے تھیں ۔ اور یہ جڑھیں اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ کردار کو نگل گئی تھیں ۔ اور قومی اخلاق کا ایک حصّہ بن چکی تھیں ۔ یہاں تک کہ ہر گھر ، ہر مقام اور ہر سوسائٹی اس وقت مکمل کہلاتی تھی ۔ جب شراب نوشی کا خاص اہتمام ہو ۔ اب انتہاء یہاں تک ہو چکی تھی کہ خاص فیشن کے لوگوں میں شراب نوشی کے لئے خاص اوقات مقرر تھے ۔ "جب وہ مجلسیں جما جما کر بد مستیاں کرتے تھے"[۱] لیکن خدا کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں اس وجود پر جس نے نبوت سے قبل بھی اپنی چالیس سالہ زندگی میں شراب جیسی پلید چیز کو مَس تک نہ کیا ۔ اور اس بَد عادت سے ہمیشہ مجتنب رہے آپؐ کی فطرتِ صحیحہ ہی اس طرف سے قطعی متنفر تھی ۔ گو بعض صحابہؓ بھی ابتداء سے ہی تارکِ شراب تھے ۔ جیسے حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ[۱] ۔ تاہم باقی صحابہ کرامؓ اسے استعمال کرتے تھے ۔ کیونکہ مذہبی طور پر شراب حرام نہ تھی ۔ حالانکہ شراب نوشی کے بد نتائج بھی کئی دفعہ سامنے آئے تھے ۔ جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں حضرت علیؓ کے اُونٹ ذبح کر دیئے تھے اور جب حالت کو بگڑتے دیکھ کر رسُولِ خداؐ سمجھانے کے لئے گئے ۔ تو حضرت حمزہؓ نے اپنے نشے میں اپنے محبُوب نبیؐ کو پہچانا تک نہیں تھا[۲] ایسے ہی کئی قباحتیں پیدا ہو گئی تھیں ۔ کیونکہ شراب تو بُرائیوں کو جنم دیتی ہے ۔ صحابہ کرامؓ عموماً پریشان ہوتے کہ یہ بَد اخلاقی

[۱] :۔ ابنِ ہشام ؎ [۲] :۔ بخاری الواب غزوۂ بدر ؎

حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے ۔ لیکن شرعی رنگ میں کسی کو بھی روکا نہیں جا سکتا ۔ وہ حکم امتناعی کے منتظر تھے ۔ جیسے حضرت عمرؓ اور معاذؓ بن جبل خصوصاً ان بَد عادات کی وجہ سے پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے ۔ مگر کوئی قطعی فیصلہ ذاتی طور پر نہیں کر سکتے تھے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائی احکام کے منتظر تھے ۔ کیونکہ آپؐ کو بھی اس مکروہ اور ضرر رساں عادت کے متعلق تشویش ضرور تھی ۔ لیکن چونکہ اسلام کے احکام بتدریج آتے تھے ۔ اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی جانی تھی اور یہی منشاء الٰہی تھا ۔

چنانچہ غزوہ اُحد کے بعد ۳؁ سنہ ہجری کو خدائی احکامات نازل ہو گئے جنکی رُو سے اسلام میں شراب قطعی حرام کر دی گئی ۔ لیکن خرید و فروخت جاری رہی ۔ جو کہ ۸؁ ہجری میں قطعی طور پر ممنوع قرار دی گئی ۔ اور اس سال فتح مکّہ کے زمانہ میں آپ نے علی الاعلان ان چیزوں کی ممانعت فرما دی ۔ یعنی اوامر و نواحی کے اعتبار سے قطعی حکم سورۂ مائدہ میں اترا ۔ نیز آپؐ نے بھی فرمایا ۔

اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ، اَلْمَیْتَۃِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْاَصْنَامِ ۔

یعنے خُدا اور اس کے رسُولؐ نے شراب ۔ مُردہ ۔ سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے[۵]

اگرچہ سورۃ بقرہ میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بیشک شراب میں بعض فوائد ہیں ۔ لیکن اس کے نقصانات فوائد پر غالب ہیں اور پھر دوسری بار سورہ نساء میں فرمایا تھا کہ اے مومنو ! جب تم نشہ کی حالت میں ہو نماز میں شامل نہ ہوا کرو لیکن حتمی طور پر ارشاد باری اس وقت ملا جب حضرت عمرؓ نے زیادہ دعائیں کیں ۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمادیا ۔ "اے مسلمانو ! شراب اور جُوا ناپاک اور ضرر رساں افعال ہیں جن سے شیطان تمہارے اندر عداوت اور دشمنی پیدا کرتا ہے اور ان کے ذریعہ تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے غافل کرتا

[۵] :۔ شبلی ص ۱۳۹ ؎

ہے۔ پس تم ان چیزوں سے دُور رہو۔[۱] اس قطعی حکم کے بعد پھر کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت جوش اور رضامندی کے ساتھ اس انسانی عقل کو سلب کرنے والی عادت سے ایسا اجتناب کیا کہ تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم ایک مکان میں جو ابو طلحہؓ انصاری کا تھا بعض دوسرے صحابہؓ کے ساتھ شراب پینے میں محو تھے کہ منادی کی آواز آئی کہ "شراب قطعاً حرام کر دی گئی ہے۔" تو ابو طلحہؓ نے کہا۔ اٹھو اور شراب کے مٹکے زمین پر بہا دو۔[۲] حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن شراب گلیوں میں بہتی نظر آتی تھی۔ کسی شخص نے تحقیق نہیں کی بلکہ فوراً شراب نوشی ترک کر کے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا پر عمل کیا۔ آج ہر شخص سبقت لے جانے کے لئے تیار ہے۔ اور صحابہؓ اتنا انتظار بھی نہیں کرتے کہ کون سچ کہتا ہے اور کون جھوٹ بلکہ یہ سوچ کر کہ شراب پھر خریدی جا سکتی ہے۔ اگر منادی غلطی پر مبنی ہے۔ لیکن اگر منادی سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ میں رسولِ خدا کا حکم ماننے میں کسی سے پیچھے رہ جاؤں۔ گویا ہر صحابیؓ صدیق تھا۔ اور دلیل سے حکم ماننے کا منتظر نہیں تھا۔ بلکہ کلمۂ صداقت پر ایمان لے آیا تھا۔ پس آج ۸ھ ہجری کو صحابہ کرامؓ نے شراب اپنے حلق میں انڈیلنے کی بجائے پاؤں میں روند ڈالی تھی۔ اور نالوں میں بہا کر اس کی ہستی گم کر دی۔

پس شراب نوشی کی وہ عادت جو عرب کی گھٹی میں تھی اور وہ طفیلی جڑھیں جو اخلاق کو چاٹ رہی تھیں۔ ایک قرآنی آیت سے کلیتہً ترک ہو گئیں اور کٹ کر نیست و نابود ہو گئیں رسولِ خدا احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں سلام ہوں کہ آپؐ نے اس چیز کی جڑھ پہ تبر رکھ دیا جو عقلمند کو وقت کا بے وقوف بنا دیتی ہے۔ آج ان ہستیوں سے جو کسوٹی پر گھس کر اور کٹھالی میں ڈال کر کندن بن چکی تھیں۔ ایسا معاشرہ تیار ہو چکا تھا جو اندرونی طور پر یکسر بدل گیا ہوا تھا۔

اس روحانی سوسائٹی کا ہر ایک شخص خدا پرست با اصول بن کر سامنے آ گیا۔ تو یہ تھا رسولؐ خدا کا روحانی انقلاب جس نے شراب کو طبائع سے یکسر نکال کر امت کو ایسے راستوں پر ڈال دیا جو قرآن و نماز کے نور سے منور تھے۔ اور اندر سے

[۱] :۔ سورہ مائدہ ع۱۲ ٭ [۲] :۔ مسلم ٭

ان کے قلب و ذہن کو بدل کر نئے کردار پیدا کر دیئے۔ اور یہی نصب العین تھا جو رسول پاک صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم لے کر ہمارے پاس آئے تھے۔ وہؐ جانے سے پہلے سرخرو تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ؕ

مدینہ کی پہلی مہاجر عورت

امّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمیٰ

مدینہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والی عورت حضرت امِ سلمیٰؓ تھیں[۱] جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی بیوی اور ابو امیہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا اپنا اصلی نام ہند اور باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتکہ تھا۔ شروع میں انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہ قریش کے ایک معزز گھرانے کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضورؐ کے رضائی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کیساتھ ہوا تھا جو ابو سلمیٰ کی کنیت سے مشہور تھے نہایت مخلص اور پرانے صحابی تھے بہت بڑے شہسوار بھی تھے۔ حضور انکی بہادری اور شجاعت کے معترف اور ان کی بہت عزت و تعریف کیا کرتے تھے۔ بنو اسد کی سرکوبی کے لئے حضورؐ نے ابو سلمیٰؓ کو ۴ ہجری کو روانہ فرمایا تھا۔ مقام قطن پر جنگ تو نہ ہوئی۔ لیکن بنو اسد منتشر ہو گئے۔ لیکن ابو سلمیٰؓ واپسی پر غیر معمولی مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور وہ زخم جو جنگِ اُحد میں اُن کو پہنچا تھا خراب ہو گیا۔ اور وہ اس طرح وفات پا گئے[۲] حضورؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ نماز جنازہ کے بعد صحابہ کرامؓ نے پوچھا۔ "یا رسولِ خدا! سہو تو نہیں ہوا؟" آپ نے فرمایا۔ یہ تو ہزار تکبیر کے مستحق تھے[۳]

حضرت امِ سلمیٰؓ اس وقت حاملہ تھیں۔ وہ آغازِ نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ

[۱] :۔ شبلی حصہ دوئم ص۱۲ ٭ [۲] :۔ صحابہ حالات امِ سلمیٰ ٭ [۳] :۔ شبلی حصہ دوئم ٭

حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ جب کفّار کی ایذاء رسانی حد سے بڑھ گئی اور ان کا اپنا ہی وطن ان پر تنگ ہو گیا۔ تو ایسی بہادر خاتون خدا تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر بے یار و مددگار صورت میں حبشہ نکل گئی تھیں۔ وہاں سے انہوں نے دوسری ہجرت کی اور حبشہ سے مدینہ کی طرف تشریف لے آئیں۔ مدینہ میں آنے والی مہاجر خواتین میں سے وہ پہلی خاتون تھیں۔

اُمِ سلمٰی کی عدت کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ایک شارع نبی کی بیوی بننے کی اہل تھیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ایک قدیم صحابی رضؓ کی بیوہ تھیں۔ اور پھر صاحب اولاد بھی تھیں۔ اس لئے حضورؐ کو ان کے پسماندگان کا خاص خیال تھا۔ لیکن حضرت اُم سلمٰیؓ نے فرمایا۔ مجھے چند عذر ہیں۔ مَیں سخت غیور ہوں۔ صاحب عیال ہوُں۔ میرا سن بھی زیادہ ہے۔ مَیں اولاد کے قابل نہیں رہی[1]۔ لیکن چونکہ رسُول خُدا کی غرض ہی اور تھی اسلئے آپؐ نے ان زحمتوں کو گوارا فرمایا اور وہ بھی رضامند ہو گئیں۔ چنانچہ ان کے لڑکے سلمٰی رضؓ نے ماں کا ولی بن کر اُن کو نبی پاکؐ کی زوجیت میں دے دیا۔ چنانچہ یہ تقریب ۴ ہجری شوال کی آخری تاریخوں میں انجام پذیر ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے چکّی، گھڑے اور چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت فرمائے۔ اور یہی سامان آپؐ نے باقی بیویوں کو عنایت فرمایا تھا[2]۔

حضرت ام سلمٰی رضؓ بہت غیوّر اور باحیا اور علم و دانش میں بھی ایک ممتاز مقام کی مالکہ تھیں۔ صلح حدیبیہ میں حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ صلح کے بعد آپؐ نے حکم فرمایا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں۔ لیکن صحابہ رضؓ اس قدر شکستہ دل تھے کہ ایک شخص بھی نہ اُٹھا۔ یہاں تک کہ دہرانے پر بھی کوئی آمادہ نہ ہوُا۔ کیونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے تمام لوگ قدرتی طور پر رنجیدہ تھے۔ حضرت اُم سلمٰی رضؓ نے حضورؐ سے عرض کی "یا رسُول اللہ! آپؐ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ

باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے سر کے بال منڈوالیں"۔ جب صحابہ کرام رضؓ نے یہ دیکھا کہ آپؐ نے احرام توڑ دیا ہے۔ اور اب فیصلے میں تبدیلی کے تمام امکانات ختم ہو گئے ہیں۔ تو صحابہ کرام رضؓ کا یہ عالم تھا۔ کہ ہر شخص خود ہی اپنی حجامت بنوانے کی خدمت سرانجام دے رہا تھا۔ حضرت ام سلمٰی رضؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلے کو حل کر گیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ بیشک انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ عورت ہیں لیکن حضور نبی کریمؐ کا ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا جو مدعا تھا وہ انہوں نے نمونہ اور حسنِ سلوک سے پُورا کر دکھایا۔ آپؐ کو ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو عملی تعلیم دینی تھی۔ تاکہ شاہ و گدا، امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ ہر حیثیت کے لوگ آپؐ سے فیضیاب ہوں۔ اور ہم نے دیکھا کہ کاشانۂ نبوت میں بیک وقت مختلف الخیال مختلف المزاج و حیثیت کی چند بیویاں تھیں۔ کچھ تو رؤسائے عرب کی چشم و چراغ تھیں اور کچھ غریب نادار تھیں۔ صاحب جمال تھیں اور صاحب کمال بھی تھیں۔ تیز مزاج بھی تھیں اور حلیم الطبع بھی تھیں۔ گویا آپؐ نے تمام تر پہلو مکمل کر کے اپنی اُمّت کے لئے کامل نمونہ رکھدیا۔ اور اسی طرح اُمّت کی تعلیم و تربیت کا کام اور بھی آسان ہو گیا۔

حضرت اُمّ سلمٰی رضؓ سے کتب احادیث میں بہت سی روایات مروی ہیں اور انکا درجہ بھی ازواج نبی کریمؐ میں دوسرے نمبر پر ہے اور کل صحابہ کرامؓ میں بارھویں نمبر پر ہے۔ وہ لکھنا پڑھنا بھی جانتی تھیں۔ اور فہم و ذکاء میں اپنی مثال آپ تھیں۔ انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ تقریباً چوراسی سال کی ہو کر سب ازواج کے اخیر میں فوت ہوئیں۔ باسٹھ ہجری میں آپ رضؓ کا وصال ہوُا[1]۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں[2]۔ حبشہ اور نجاشی کے بیشتر واقعات ہمارے پاس اُم سلمٰی رضؓ سے ہی مروی ہیں۔ عمرو بن سعد کی ناداری اور حضرت جعفر رضؓ کی پُر مغز گفتگو کا نقشہ اِم سلمٰی رضؓ نے بہت اعلیٰ رنگ میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

پہلا امین الامت

حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح

اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنًا وَاِنَّ اَمِیْنَنَا اَیَّتُھَا الْاُمَّۃِ اَبُوْعُبَیْدَۃُ الْجَرَّاحِ۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک امّت کا ایک امین ہوتا ہے اور اے امّت! ہمارا امین ابو عبیدہؓ بن جراح ہیں۔ یہ وہ خطاب ہے جو سرورِ کائناتؐ کی طرف سے (حضرت ابو عبیدہؓ) ایک ایسے صحابی کو دیا گیا جس کا اسلام لانیوالوں میں آٹھواں نمبر تھا۔ ان کا اصل نام عامرؓ تھا اور باپ کا نام عبداللہ تھا۔ لیکن دادا کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ نام سے زیادہ کنیت مشہور تھی۔ اور سلسلۂ نسب رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچویں پشت سے جا ملتا تھا۔ بعثت نبوی سے پہلے اُن کا شمار اُن چیدہ لوگوں میں کیا جاتا ہے۔ جو شراب و جُوا سے پرہیز کرتے تھے اور بُت پرستی سے بیزار تھے۔ شعر و شاعری اور فضول گوئی سے اجتناب کرتے تھے۔ زیرک اور صاحبِ رائے تھے۔ لوگ عموماً ان کو اپنے معاملات میں مشیر مانتے تھے۔ اسلام کا پیغام سن کر ایک دن کی مہلت مانگی اور دل و عقل دونوں سے بخوبی جائزہ لیکر اسلام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اور حضورؐ نے عشرہ مبشرہ کی خوشخبری عطاء فرمائی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو خدا تعالیٰ نے تقریباً تمام غزوات میں شمولیّت کا شرف بخشا۔ جنگ بدر جو کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا۔ وہ اس میں بھی شامل تھے۔ اس وقت ان کی عمر انتالیس سال تھی۔ یہ جوشیلہ نوجوان مجاہد خُدا کی راہ میں نکلا ہوُا انسان خُدا اور رسُول کے دشمنوں سے دوستی پر کیسے رضامند ہو سکتا ہے۔ جب میدان کارزار میں باپ بیٹے کے سامنے ہوُا تو حق و باطل کی جھڑپ شروع ہوُئی۔ باپ کفر و الحاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوُا تھا۔ اور بیٹا نخل اسلام کا پاسبان تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تلوار کی پیاس بجھانے کے لئے بے تاب تھے۔ باپ جو کفر کی طرف سے

قسمت آزمائی کرنے آیا تھا۔ بیٹے پر جھپٹا مگر بیٹا ہر بار طرح دے جاتا رہا۔ لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے کہ نہ ٹلتے تھے۔ آخر فتح حق کی ہوتی ہے۔ بُتوں کا شیدا باپ توحید کے دلدادہ بیٹے کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہوُا۔ اور خدا تعالےٰ نے اس موقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (مجادلہ ع ۳)

کہ مومن خُدا اور اسکے رسُول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے خواہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی جنت کے مستحق ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔ پس ابو عبیدہؓ وہ شخص ہیں جن سے خدا تعالیٰ ان کی زندگی میں ہی راضی ہو گیا تھا۔ اور انہیں یہ خوشخبری مل گئی تھی۔

اسی طرح جنگِ اُحد میں بھی اُنہوں نے حصّہ لیا اور بصد شوق لیا۔ شروع شروع میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ لیکن چند نفوس کی غلطی سے جیتی ہوُئی جنگ ہار میں تبدیل ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضورؐ تک زخمی ہو گئے۔۔۔ خود کے دندانے رخسار میں پیوست ہو گئے۔ اور دو۲ دانت بھی شہید ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے خود کے ٹکڑے نکالنے کی اجازت چاہی جو ملنے پر انہوں نے اپنے دانت سے ایک ٹکڑے کو کھینچا خود کا ٹکڑا تو باہر آگیا۔ لیکن ان کا اپنا دانت اکھڑ گیا۔ اور وہ پشت کے بل جا گرے۔ پھر دوسری بار دوسرا ٹکڑا اسی طرح نکالا۔ پھر ان کا دوسرا دانت بھی اکھڑ گیا۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ میں سے یہ سعادت بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو ہی نصیب ہوئی کہ ان کے ہونٹوں نے زندگی میں رسُولِ خدا کے رخسار مبارک کو دو۲ دفعہ مَس کیا۔ اسی طرح صلح حدیبیّہ میں بھی ان کے دستخط تھے۔ فتح مکّہ کے موقعہ پر بھی قلب لشکر کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ ہی تھے۔ حضورؐ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے جھنڈا عطاء فرمایا تھا۔ انہیں خُدا تعالیٰ نے ایثار و فدائیت کے جذبہ سے نوازا تھا۔ ہمیشہ ان کی خدمات حضورؐ کی خوشنودی کا موجب ہوئیں اگر

آپؐ نے انعام کے طور پر انہیں امین الامۃ کا لقب عطاء فرمایا ہے تو بیشک آپؓ نے یہ حق ہر لحاظ سے ادا کر دیا۔ خُدا تعالیٰ کے اس برگزیدہ امین کو خدا نے اتنا نوازا کہ ایک دفعہ انہیں غزوۂ ثلاثل میں حضورؐ نے ایسے دستے کا امیر بنا دیا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شریک تھے۔ گویا کہ وہ دونوں رفیق النبیؐ ابوعبیدہؓ کی نگرانی و معاونت میں جہاد کر رہے تھے۔

۳ سنہ ہجری میں نجران سے مسیحیوں کا ایک وفد آیا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضور نبی کریمؐ سے مسیحؑ کی الوہیت اور صداقت کی گفتگو ہوتی رہی۔ واپسی پر انہوں نے درخواست کی کہ کوئی "امین" ان کے ساتھ بھجوا دیں۔ جس پر نبی کریمؐ نے جواب دیا کہ "ہاں میں تمہارے ساتھ حقیقی امین بھیجوں گا۔" آپؐ نے یہ تین بار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ منتظر تھے کہ قرعہ فال کس کے نام پر پڑتا ہے۔ حضورؐ نے آپؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "ابوعبیدہؓ اٹھو اور اُن کو اہلِ نجران کے ساتھ روانہ فرما دیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ سب سے پہلے وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ناظم بیت المال کا تمام کام انہوں نے سنبھالا تھا۔ حضور نبی کریمؐ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے دو صحابہ کرامؓ کو خلافت کے لئے انصار و مہاجرین کے سامنے پیش کیا تھا۔ ایک ان میں سے حضرت عمرؓ تھے اور دوسرے حضرت ابوعبیدہؓ تھے۔ اگرچہ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپؓ مہاجرین میں سے سب پر فضیلت رکھتے ہیں اور رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ ایسا کونسا شخص ہے جو آپؓ سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہو۔ یہ کہکر اُن دونوں نے سب سے پہلے آپؓ کی بیعت کر لی۔ گویا کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی پہلی بیعت کا شرف بھی انہیں نصیب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "آج ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ نامزد کرتا۔ اگر خُدا مجھ سے پوچھتا تو میں عرض کرتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کی زبان مبارک سے سُنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے[1]

[1]: ۔طبقات جلد ۳ ؛

حضرت ابوعبیدہؓ وہ پہلا شخص تھا جس نے راشن بندی کا اجراء کیا[1]۔ وگرنہ اس سے پہلے راشن بندی کا سلسلہ اسلام میں نہیں تھا۔ غزوہ سیف الحمیر میں جب مجاہدین کے پاس راشن ختم ہونے لگا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے سب سے کھجوریں اکٹھی کر کے راشن بندی کر دی۔ ایک ایک مٹھی کھجور ایک صحابیؓ کو روزانہ ملتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ بھی ختم ہو گئیں۔ تب صحابہ کرامؓ گٹھلیاں چوس چوس کر پانی سے پیٹ بھرتے تھے۔ یا کیکر کے پتے جھاڑ کر کھا لیتے تھے۔ اسی لئے اس لشکر کا نام جیش الخبط پڑ گیا تھا۔ وہ فاتح شام بھی تھے۔ قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا کر غزوۂ احزاب والی پیشگوئی پوری کرنے کی سعادت بھی انہیں نصیب ہوئی۔ اور اس موقعہ پر لوگوں نے انہیں اَلْقَائِدُ الْمَیْمُوْنُ الطَّائِرُ کا خطاب دیا۔ فاتح شام اور خوش نصیب قائد نے سرزمین شام میں شہادت پائی اور وادی بیان میں سپرد خاک کر دیئے گئے[2]

وفات سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ "اے مجاہدین اسلام! میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں کہ اگر اسے قبول کرو گے تو ہمیشہ بہتری میں رہو گے۔ نماز با جماعت اور سنوار کر ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ صدقہ دینا۔ حج اور عمرہ کرنا۔ عاجزی اور انکساری اختیار کرنا۔ اپنے امراء کی بھی خیر خواہی کرنا۔ ان سے خیانت نہ کرنا۔ عورتیں تمہیں غافل نہ کریں۔ اور یاد رکھو اگر ہزار سال بھی کسی شخص کو میسر نصیب ہو تو پھر بھی اُس کی وہی حالت ہوگی جو اس وقت میری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے لئے موت مقدر کر چھوڑی ہے۔ زیرک وہ ہے جو اُس کا اطاعت گزار ہے اور اس دن کے لئے تیاری کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ امیر المؤمنین کو میرا اسلام پہنچانا۔ اور عرض کرنا کہ میرے ذمہ کوئی امانت باقی نہیں۔ یہ کہ میں نے اس کی نگہداشت کی ہے۔ اور ادا کر دی ہے[3]۔ اُن کی وفات پر معاذ بن جبلؓ نے کہا تھا۔ اے لوگو! آج وہ شخص دنیا سے رخصت ہو گیا جس سے زیادہ پاک و صاف دل اور کینہ سے مبرا اور باحیا خیر خواہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔"[4]

[1]: بخاری کتاب المغازی ؛ [2]: ۔اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۸۶ ؛ [3]: ۔ابوعبیدہ صفحہ ۱۹۳-۱۹۴ ؛ [4]: ۔مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ ؛

پہلی صلوٰۃ الخوف

جنگِ ذات الرقاع - ۵ہجری

شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبیوں کی امامت عطاء ہوئی۔ اس برکت والی رات سے لے کر آخری سانسوں تک آپؐ نے نماز کو اپنی محبوب ترین چیز کی طرح سینے سے لگائے رکھا اور اتنا سنوار کر ادا فرمایا کہ ہر سجدہ میں آپؐ نے خدا کو دیکھ لیا۔ اور یہ حقیقی عبادت اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے دن تک آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی غذا رہی۔ سفر و حضر۔ رنج و خوشی اور جنگ و امن ہر ساعت و لمحہ آپؐ نے نماز کو جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلوٰۃ ہی فرمایا۔

ذات الرقاع پہلی جنگ ہے جس میں رسُولِ خُدا نے پہلی بار صلوٰۃ الخوف ادا کی تھی[1]۔ غزوہ بنو نضیر کے بعد رسُول کریمؐ چند ایام مدینہ میں ٹھہرے اور پھر قبیلہ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو غلفان کے ساتھ جنگ کے ارادے سے نجد کا رُخ کیا۔ ابو ذر غفاریؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ مقام نخل میں آپؐ نے ڈیرے ڈال دیئے اور جنگ ذات الرقاع کی ابتداء ہوئی۔ اسے ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جھنڈوں کو پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہاں حضورؐ کو بہت سے قبیلوں کا سامنا تھا جن کی جمیعت بڑی تھی۔ اگرچہ جنگ کی نوبت نہیں آئی پھر بھی ایک دوسرے سے خوف اور اندیشہ اس حد تک تھا کہ رسول پاکؐ نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔ صحابہ کرامؓ نے بھی آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی جس کا طریق کار یہ تھا کہ "جابرؓ عبداللہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خُدا نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔ اس وقت دوسرا گروہ آیا اور آخری دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا[2]"

مؤرخین نے اپنے اقوال کا الگ الگ ذکر کیا ہے مگر قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نماز خوف میں امام کھڑا ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ ایک گروہ

[1]: - صلوٰۃ الخوف از طبری ؛ [2]: - ابن ہشام جلد دوئم ؛

کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ پر متعین رہتا ہے۔ امام پہلے گروہ کو رکوع و سجدہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھا دیتا ہے پھر یہ گروہ پیچھے ہٹ کر دشمن کے لئے صف آراء ہو جاتا ہے اور دوسرا گروہ خُدا کے لئے صف بنا لیتا ہے۔ اور دوسری رکعت مکمل کرتا ہے۔ اس طرح ہر گروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ کر نماز پوری کر لیتا ہے اور ایسے دو۲ رکعت قصر نماز یعنی صلوٰۃ الخوف تمام فوج ادا کر لیتی ہے اور اگر لڑائی پورے زور و شور پر ہو تو ہر سپاہی کو اپنی اپنی جگہ اشارات سے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ پیدل۔ لیٹے ہُوئے۔ بیٹھے ہوئے، شست باندھے ہُوئے۔ ہر حال میں نماز کی ادائیگی واجب اور فرض ہے۔

چونکہ جنگوں میں عموماً فوجیں توپ، تلوار۔ تیر و سنان سے ہر طرف طوفان برپا کر رہی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسے میں نماز کا سوچنا مجاہد کی شان کی عظمت و بلندی کا مظاہرہ ہے۔ اسلام کی جنگوں میں سپاہی تو شجاعت و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہُوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں۔ لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی ہے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا و زاری اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ عموماً جنگوں میں سپہ سالاروں کو سپاہیوں کی قوت و بازو پہ ناز ہوتا ہے۔ مگر اسلام کے قائدِ اعظمؐ کو صرف اور صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان میں فوجیں مرتب کیں۔ لیکن اصلی توکل اور اعتماد خدائے ذوالجلال پر ہی تھا۔

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے ذات الرقاع جسے غزوہ نجد بھی کہتے ہیں ۵ہجری کو یہ حکم نازل فرمایا:-

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ...... وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ[3]

[3]: - نساء ع ۱۵ ؛

پہلی نقل مکانی

مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَاظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا۔

(سورۃ حشر)

سورہ حشر پوری کی پوری بنو نضیر کے بارے میں ہی اتری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں اور خفیہ سکیموں کا بہترین انتقام لیا۔ اور وہ لوگ جو رسولِ خدا کو ہر ممکن نقصان دینے پر آمادہ تھے۔ اور شرارت میں دلیر ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں مغلوب کیا اور اپنے پیارے نبیؐ کو غلبہ عطا فرما کر ثابت کر دیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی جگہ سے ان کے پاس پہنچا جہاں کا انہیں خیال ہی نہیں تھا۔ اور ان کے دلوں میں مرعوبیت پیدا کر دی۔ مسلمان اپنے آبائی ملک مکہ سے تو باہر آئے ہی تھے۔ یہاں بھی یہودی قبیلوں اور منافقین نے امن کی زندگی بسر کرنے نہ دی۔ اندر ہی اندر قریش سے مل کر فتنے کھڑے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ رسولِ خداؐ اپنے چند صحابیوں کو لے کر بنو نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے۔ آپؐ ایک مکان کے سایہ میں دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے تھے کہ بنو نضیر کے باہم مشورہ سے ایک شخص عمرو بن حجاش یہودی ایک بہت بھاری پتھر لے کر مکان کے اُوپر چڑھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ پتھر اُوپر سے لڑھکا کر آپؐ کو نقصان پہنچاتا۔ کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہود کے اس بد ارادہ سے مطلع فرما دیا۔ اور آپؐ جلدی سے وہاں سے اُٹھ آئے اور سیدھے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ یہ خفیہ سازش اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دی۔ وگرنہ بنو نضیر واقعہ رجیع اور بئر معونہ کی طرح دردناک داستان ایک دفعہ پھر دُہرانے لگے تھے آپؐ اس وقت حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس وقت رسولِ خدا نے قبیلہ اوس کے ایک رئیس محمد بن مسلمہ کو بلا کر فرمایا کہ تم بنو نضیر سے

کہو کہ وہ اپنی شرارتوں میں بڑھ گئے ہیں۔ اور ان کی غداری انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اب ان کا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور آپؐ نے ان کو دس دن کی میعاد بھی دی۔ لیکن جب صحابہ کرام پر اس سازش کا انکشاف ہوا۔ تو وہ متفکر ہوئے۔ محمد بن مسلمہ کے جانے پر ان لوگوں نے کہلا یا۔ کہ محمدؐ جو چاہتا ہے کرے۔ ہم مدینہ سے نکلنے کے لئے تیار نہیں۔ آپؐ نے بے ساختہ کہا اللہ اکبر یہود تو جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔[۱] اور رسولِ خدا نے یہودیوں کیلئے تیاری کر لینے اور ان کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ پر ابن اُمِ مکتوم کو عامل مقرر فرمایا۔ اور آپؐ بنو نضیر کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئے۔ اور پڑاؤ ڈال دیا۔ آپؐ نے اُن کا چھ رات تک محاصرہ جاری رکھا۔ اور ان کے رؤساء کو کہلا بھیجا کہ تمہاری روز روز کی غداریوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم امن کی زندگی بسر کرنے نہ دو گے اور نہ خود امن سے رہو گے۔ لہٰذا از سرِ نو معاہدہ کر کے مجھے یقین دلاؤ کہ آئندہ تم بدعہدی اور غداری نہیں کرو گے لیکن بنو نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ آخر یہودی قلعہ بند رہے اور مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں اترنے کا حوصلہ نہ کیا۔ گو کہ عبداللہ بن ابی سلول نے بنو نضیر کے رؤساء کو کہلا بھیجا کہ "تم جمے رہو اور ڈٹے رہو۔ ہم تمہیں بے مدد نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے"[۲] جب محاصرہ نے طول کھینچا تو سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا کہ وہ درخت جو جنگلی کھجوروں کے ہیں کاٹ دیئے جائیں تا کہ ان درختوں کو کٹتا دیکھ کر بنو نضیر مرعوب ہو جائیں۔ اور اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیں۔ تا کہ چند معمولی قسم کے درختوں کے نقصان سے جانی نقصان نہ ہو اور فتنہ و فساد کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے منشاء کے مطابق سفید قسم کی کھجور کے درخت کاٹے تو انہوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔ ابن اسحاق سے روایت ہے

۱- ابنِ ہشام ؛ ۲:- ابنِ ہشام صـ ۱۹۹ باب ۱۲۶ ؛

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت کاٹے اور ان میں آگ لگانے کا حکم دیا تو اسیر یہودیوں نے پکارنا شروع کیا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم تو فساد سے منع کرتے تھے۔ اور جو فساد کرے اُس کی مذمت کرتے تھے۔ اب یہ درختوں کا کاٹنا اور ان میں آگ لگانا یہ کیا ہے؟"[۱] لیکن جیسے قرآن مجید میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ صرف بعض درخت اور وہ بھی سفید قسم کے درخت کاٹنے کی اجازت تھی۔ اور باقی درختوں کو محفوظ رکھنے کا حکم تھا[۲]۔ یہود نے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد قلعے کے دروازے کھول دیئے اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا ساز و سامان لے کر امن و امان کے ساتھ چلے جانے دیا جائے[۳]۔ انھوں نے کہا "کہ خون نہ بہایا جائے۔ شرط یہ ہو کہ وہ اسلحہ زرہ وغیرہ کے سوا اپنے اونٹوں پر جو مال و متاع لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ چنانچہ رسُول خُدا نے یہ بات منظور فرمالی۔ اور یہود کی حالت یہ تھی کہ مکان گرا کر دروازوں کی چوکھٹوں تک اونٹوں پر لاد لاد کر لے جا رہے تھے۔ اپنا تمام کا تمام سامان اپنے ساتھ کر لیا۔ اور بخیر و عافیت بال بچوں کے ساتھ نقل مکانی کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ پہلے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ یہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر طاری ہوا۔ حالانکہ منافقوں کی شر انگیزی اور درپردہ امداد بہت کافی تھی۔ ابن اسحاق سے عبداللہ بن ابوبکرؓ نے بیان کیا کہ یہودیوں نے جب اپنا سارا مال و متاع لاد لیا تو ان کے ساتھ دفیں اور مزامیر بھی تھے۔ ان کے غلام پیچھے پیچھے گاتے اور شور مچاتے جا رہے تھے۔ اور یہ دن جس دن کہ یہود جلاوطن ہوئے ۴ھ ہجری ماہ ربیع الاول تھا[۴]۔ غیر منقولہ جائیداد باغ اور سامانِ حرب مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو رسُول خُدا نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے۔ لیکن انصار میں یہ مال تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ سہل بن حنیف ابو دجانہ سماک کے افلاس کو مدنظر رکھتے ہُوئے انہیں عنایت کر دیا گیا تھا۔ یامین بن عمیرہ اور ابو سعد بن وہب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے بنو نضیر

[۱]:۔ ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ باب ۱۲۶ ؛ [۲]:۔ قرآن مجید سورہ حشر ؛ [۳]:۔ ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ باب ۱۲۶ ؛ [۴]:۔ ایضاً صفحہ ۱۹۹ باب ۱۲۶

کے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ وہ شام کی طرف چلے جائیں۔ لیکن ان کے بعض سردار سلام بن ابوالحقیق اور حیی بن اخطب[۱] اور کنانہ بن ربیع وغیرہ یہود کی بستی خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور خیبر والوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی[۲] اور نئے فتنے شروع کر دیئے۔

رسُولِ خُدا کو وہ منصوبہ جو پتھر پھینکنے کا بنو نضیر کے یہود نے بنایا تھا بہت گراں گزرتا تھا۔ آپؐ نے ایک دن یامین بن عمیرہ سے کہا تھا کہ "یامین تمہارے چچیرے بھائی عمرو بن حجاش نے مجھ سے کیسا سلوک کیا تھا۔ اور کتنا ارادہ تھا۔ (اگر خدا تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو بہت قبیح ارادہ تھا) کیا تمہیں معلوم ہے؟ رسُول خُدا کی اس بات پر یامین بن عمیرہ نے اجرت پر ایک آدمی کو تیار کر لیا کہ وہ عمرو بن حجاش کو قتل کر آئے۔ اس کی غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ چنانچہ وہ اس آدمی کے ہاتھوں ہلاک ہُوا۔

پہلا آسمانی نکاح

امّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش

۵ھ ہجری

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (سورۃ احزاب ع ۵)

حقیقت میں اس نکاح کا سبب قرآنی وحی بنتی ہے جس سے رسُول خُدا حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینبؓ بنت جحش رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں فرمایا "جب زیدؓ نے زینبؓ سے قطع تعلق کر لیا تو ہم

[۱]:۔ ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ باب ۱۲۶ ؛ [۲]:۔ بخاری حدیث بنی نضیر

نے زینب رضؓ کی شادی تیرے ساتھ کر دی۔ تاکہ مومنوں کے لئے اپنے مُنہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی روک نہ رہے۔ بعد اس کے کہ وہ مُنہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کر لیں۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ حکم اس طرح ہی پورا ہونا تھا[1]

خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے رسُولؐ کو حضرت زینب رضؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیکر اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اُجاگر کیا جس سے عرب کی ایک قدیم اور بُری رسم منسوخ ہوگئی عرب کی سرزمین میں یہ رسم راسخ تھی کہ کوئی بھی مطلقہ سے شادی نہیں کرتا تھا۔ اور خصوصاً مُنہ بولے بیٹے کی بیوی حرام خیال کی جاتی تھی۔ آپؐ نے اپنا ذاتی نمونہ پیش کر کے امت کو بتا دیا کہ اگر مُنہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کریں تو ان سے شادی کرنے میں کوئی روک نہیں رہتی۔ پس اس شادی کی غرض دیگر مقاصد کے علاوہ عرب کی جاہلانہ رسم کو مٹانا بھی تھا۔

ہجرت کے پانچویں سال شعبان کے مہینے میں یہ شادی مبارک عمل میں آئی۔

حضرت زینب رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اسمیہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں طبیعت کے لحاظ سے بہت متقی اور پرہیزگار تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کہا کرتی تھیں کہ مَیں نے زینب رضؓ سے نیک عورت نہیں دیکھی۔ وہ بہت متقی۔ بہت راست گو۔ بہت صلہ رحمی کرنے والی۔ بہت صدقہ و خیرات کرنے والی اور نیکی اور تقرب الٰہی کے اعمال میں نہایت سرگرم تھیں۔ بس اتنی بات تھی کہ ان کی طبیعت ذرا تیز تھی۔ مگر تیزی کے بعد وہ جلد ہی نادم ہوجایا کرتی تھیں[2] صدقہ و خیرات میں تو ان کا مرتبہ یہ تھا کہ کوئی بیوی بھی مقابلہ نہیں کر سکی۔ اپنے جاہ و جلال اور خاندانی بلندی کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت برتر خیال کرتی تھیں۔ یعنی کسی قدر بڑائی کا احساس انہیں ضرور تھا۔ حضرت رسُولِ خُداؐ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث کے ساتھ کر دی تھی۔ گو وہ پہلے ناپسند کرتی تھیں۔ مگر بعد میں حضورؐ کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہُوئے رضامند ہوگئیں[3]۔ لیکن شادی کے بعد بھی ان کی طبیعت میں سے احساسِ برتری ختم نہ ہُوا۔ مگر وہ خاموش اپنے اس احساس کو دباتی رہیں۔ اور

[1] سورہ احزاب ع ۵ ؛ [2] مسلم جلد ۲ فصل عائشہ رضؓ ؛ [3] ابن سعد جلد ۸ حالاتِ زینب رضؓ ؛

زید رضؓ بن حارث ان کی اس مخفی خلش کو محسوس کرتے تھے۔ اور انہیں اپنی پوزیشن کا احساس شدت سے تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے رسُولِ کریمؐ سے ان کی درشتیٔ مزاج کی شکایت کی اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا[1] آپؐ نے زید رضؓ بن حارث کو طلاق دینے سے منع فرمایا۔ اور اپنی طرف سے سلجھاؤ کی ہر ممکن کوشش بھی کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس طرح بھی ہو سکے نبھاؤ کی کوشش کرو"۔ فرمایا:۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "حلال چیزوں میں سے طلاق خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے"۔ چونکہ حضرت زید رضؓ اپنے آقاؐ کی نصیحت پر جان و دل قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے اپنے تقویٰ کی بناء پر خاموش ہو گئے۔ لیکن اگر طبائع میں میلان نہ ہو تو مزاجیں کم و بیش ہی ملتی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت زید رضؓ نے طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت زینب رضؓ کی عمر پینتیس سال تھی۔

آپؐ بہت حد تک غیر جانبدار اور غیر متعلق رہے۔ مگر آپؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوچکی تھی۔ کہ آپؐ کے نکاح میں زینب رضؓ ضرور آئے گی۔ مبادا اکمزور لوگوں کو اعتراض ہو کہ متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ آپؐ خاموش رہے۔ لیکن آخر عدت کے ختم ہونے پر آپؐ نے انہیں زید رضؓ کے ہاتھ ہی پیغام بھیجا تو ان کے بھائی احمد بن جحش نے ان کی طرف سے ولی ہو کر چار سو درہم میں رسُولِ خُداؐ کے ساتھ نکاح کر دیا[2]۔

چونکہ یہ شادی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت زینب رضؓ اکثر فخر سے کہا کرتی تھیں۔ کہ ان کا نکاح آسمان پر خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے ہُوا تھا۔ مگر دوسری امہات المؤمنین کی شادیاں ظاہری رسوم کے مطابق ہوئی تھیں۔ یہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ یہ ایک ایسی شادی تھی جو ایک امتیازی رنگ رکھتی تھی یعنی اس میں منشاءِ الٰہی بھی شامل تھا۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں اس شادی کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ[3]

یعنی اے نبیؐ تو لوگوں سے خائف ہوتا ہے حالانکہ صرف ہم ہی اس بات کے حقدار

[1]: فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۰۳ ؛ [2]: کتاب النکاح باب زوج زینب بنت جحش ؛ [3]: سورۃ احزاب ع ۵

ہیں کہ ہم سے ڈرا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا حضرت زینبؓ سے شادی کرنے سے خائف تھے۔ کہ منافقوں اور کمزور ایمان والوں کے مطاعن سے بچیں۔ اور حتی الوسع ٹالتے رہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے آپؐ کو اس طرف مائل کیا اور تاکید فرمائی کہ یہ شادی کرنے سے آپؐ اپنی امّت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں گے تا آئندہ قیامت تک لوگ مطلقہ سے شادی کرنے سے گریزاں نہ ہوں اور آپؐ کا یہ عمل بطور سنتِ رسولؐ تا قیامت زندہ رہے۔ چنانچہ منافقوں نے بہت شور کیا۔ اور کمزور ایمان والے لوگوں نے جھوٹے بے بنیاد پراپیگنڈے گئے۔ مگر خدائی طاقت کے سامنے انسانی طاقت بے حقیقت چیز ہے۔ وکان امر اللہ مفعولاً۔ چونکہ اس نکاح سے عرب کی جاہلانہ رسم توڑنا مقصود تھی۔ اسلئے آپؐ نے بہت بڑے پیمانہ پر دعوتِ ولیمہ کی۔

حضرت زینبؓ بہت مخیّر عورت تھی۔ حضرت عائشہؓ ان کے ذاتی تقویٰ اور طہارت کی بہت مداح تھیں۔ یہ وہی خوش نصیب ام المؤمنین ہیں جن کے متعلق رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے وہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچے گی"۔ اس پر سب بیویوں نے اپنے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن حضرت زینبؓ کی وفات پر یہ عقدہ کھلا کہ یہ ہاتھوں کے لمبا ہونے سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والے ہاتھ ہیں ؎

پہلی عورت کی خدائی بریّت

واقعہ افک اور حضرت عائشہ صدیقہ۔ ۵ ہجری

بنو مطلق کے محاذ پر جاتے وقت قرعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام نکلا۔ حضور نبی پاکؐ کی یہ عادت تھی کہ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے۔ اس دفعہ قرعہ چونکہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا تھا اس لئے وہ جنگ بنو مطلق میں ساتھ تھیں۔ واپسی پر قافلہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے منزل کی۔ اور رات کا کچھ حصّہ اس منزل میں گزارا۔ بعد ازاں روانگی کا اعلان فرمایا اور لوگ روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔ واپسی پر ان کے گلے کا ہار جو کہ موتیوں کا تھا ٹوٹ گیا۔ وہ ہار کی تلاش میں واپس وہیں گئیں اور ہار مل گیا۔ لیکن ہار پا کر جب واپس آئیں قافلہ جا چکا تھا۔ اور خادم نے یہ سوچ کر کہ آپؓ کجاوے کے اندر ہی ہودج میں تشریف فرما ہیں (کیونکہ آپؓ بہت ہلکی اور نازک تھیں) کجاوہ کسا اور اونٹ کا سر پکڑ کر کھڑا کر دیا اور چل پڑا۔ اس لئے ذرّہ برابر شک نہ ہوا کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

"اب جو لشکر گاہ واپس آئی تو یہاں نہ کوئی بلانیوالا تھا نہ جواب دینے والا۔ سب جا چکے تھے۔ میں اپنی چادر لپیٹ کر اسی جگہ لیٹ گئی۔ سوچا کہ جب میری تلاش ہوگی تو یہیں لوٹ کر آئیں گے۔ پھر خدا کی قسم میں لیٹی ہوئی تھی کہ صفوان بن معطل سلمیٰ کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی کی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی چیز پڑی ہے۔ وہ آگے آئے اور میرے پاس آکر رک گئے۔ پردہ عائد ہونے سے پیشتر انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انہوں

نے دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھ کر کہا " اے یہ تو رسُولِ خدا کی خاتون ہیں۔ پھر مَیں اپنی ہی چادر میں لیٹی رہی۔ انہوں نے پوچھا " آپ رضؓ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں خدا آپ پر رحم کرے"۔ مگر مَیں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر انہوں نے اپنا اونٹ مجھ سے قریب کر کے کہا۔ "اس پر بیٹھ جاؤ"۔ اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ میں بیٹھ گئی انہوں نے اُونٹ کا سر پکڑ کر کھڑا کیا اور جلد سے جلد چلے تاکہ لشکر کو پکڑ سکیں مگر خُدا کی قسم ہم ان لوگوں کو نہ پکڑ سکے اور نہ ہی کسی نے مجھے تلاش کیا۔ اب صبح ہو گئی تھی۔ اور لوگ پہنچ کر ٹھہر چکے تھے۔ اس کے بعد صفوان مجھے لے کر پہنچے۔ پھر جو افک نے کیا وہ معلوم ہے۔ لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اور خُدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا معاملہ ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اس عرصہ میں بہت متفکر اور دلگیر رہیں۔ کیونکہ رسُولِ خدا کی لطف و عنایت جو پہلے تھی اب اس حد تک نہ تھی۔ آپؐ کا رویہ کچھ بدلا ہوُا پاکر حضرت عائشہ رضؓ کا متفکر ہونا لازمی امر تھا۔ لیکن خدا کا محبوب رسُولؐ خدا سے دعا گو بھی ضرور تھا۔ ان کی دعاؤں کا ماحصل یہی ہوتا کہ خدا تعالیٰ خود ہی اپنے فضل سے اصل حالات کو عیاں کر دے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضؓ بن طالب اور اُسامہ رضؓ بن زید رضؓ کو مشورہ کے لئے بلایا۔ کیونکہ وحی کے نزول میں وقفہ پڑ گیا تھا۔ ہر دو نے یہی مشورہ دیا کہ عائشہ رضؓ آپ کی بیوی ہیں یا رسُولَ اللہ! یعنے جو خدا نے آپ سے منتخب کی ہیں وہ یقیناً آپ کے اہل ہوں گی۔ اور ہم تو عائشہ کے متعلق سوائے نیکی کے کچھ نہیں جانتے۔ ملازموں نے بھی آپؐ کی بیوی حضرت عائشہ رضؓ کے حسن اخلاق کی تعریف کی اور کہیں بھی شک کی گنجائش ظاہر نہیں کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی "مجھے میرے اہل کے بارے میں بہت دکھ دیا گیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا سدباب کر سکے اور خدا

کی قسم مجھے تو اپنی بیوی کے متعلق سوائے خیر و نیکی کے کوئی اور علم نہیں ہے۔ اور جس شخص کے متعلق الزام لگاتے ہیں۔ اس میں بھی مَیں نے خدا کی قسم ہمیشہ خیر ہی دیکھی ہے"۔ صحابہ کرام رضؓ بھی اس فضول تراشی سے نالاں تھے۔ افک کے ملزموں کی گردنیں اڑانے پر آمادہ تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ مَیں خود اپنی نظروں میں سب سے زیادہ حقیر ہو گئی تھی۔ اور اس لحاظ سے کہ میرے بارے میں کچھ قرآن مجید میں اُترے جو سجدوں میں تلاوت کیا جائے۔ بہت کم تر سمجھتی تھی۔ البتہ یہ امید ضرور تھی کہ رسُولِ خُدا کوئی چیز خواب میں ضرور دیکھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ میرے حق میں ان سب چیزوں کی تکذیب کر دے گا"۔

بہت دنوں کے بعد ایک دن رسُول کریمؐ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی بطور ہمدردی رو رہی تھی کہ حضورؐ نے کلمۂ تشہد پڑھا اور خدا کو یاد کیا۔ پھر حضرت عائشہ رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ "عائشہ رضؓ مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو مجھے اُمید ہے کہ خُدا تعالیٰ ضرور تمہاری بریّت کرے گا۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو خدا تعالےٰ سے مغفرت طلب کرو۔ اور اس کی طرف جھکو۔ کیونکہ جب بندہ خدا کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوُا جھک جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ رسولؐ خدا کی اس تقریر کے بعد حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ "میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے"۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے آپؓ کو برأت کی بشارت عطاء فرمائی۔ اور آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور باوجود سردی کے پسینہ کے قطرے آپؐ کے چہرہ پر اس طرح بہہ رہے تھے جیسے چاندی کے ٹکڑے موتیوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آپؐ نے پیشانی سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا۔ عائشہ رضؓ! خوشخبری سُن لو خدا تعالیٰ نے تمہاری بریّت صاف ظاہر کر دی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی والدہ بے اختیار ہو کر بولیں۔ عائشہ رضؓ اُٹھو! اور رسولِؐ خُدا کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ "مَیں

کیوں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میں تو صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس نے میری بریّت ظاہر فرمائی ہے۔

حسّانؓ بن ثابت بھی اس منافقین کے گروہ کے ایک فرد تھے اور ایسے ہی عبداللہ بن ابی سلول بھی شامل تھے۔ یہ کس قدر خطرناک فتنہ تھا جو منافقین کی طرف سے کھڑا کیا گیا۔ اس میں صرف ایک پاکدامن اور نہایت درجہ متّقی اور پرہیزگار عورت کی عصمت پر ہی حملہ کرنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر ان کی غرض یہی تھی کہ بانیٔ اسلام رسُولِ خُدا کی عزّت کو برباد کریں۔ اور سوسائٹی میں ایک خطرناک ہلچل پیدا کر دیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پلید پراپیگنڈے سے الجھا کر ٹھوکر کا موجب بنائیں۔

ولیم میور دشمن اسلام بھی لکھتا ہے کہ:۔

"عائشہؓ کی قبل اور بعد کی زندگی بتاتی ہے کہ وہ اتہام سے بری تھیں"۔

پس خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ایک عظیم عورت کی بریّت فرما کر عورتوں کی عظمت قائم کی اور عورتوں کے مدارج بلند کر دیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ علیٰ ذالِکَ ؞

پہلا مُرتد

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ۔

(سورۃ مائدہ آیت ۵۵)

تیرہ سال تک ظلم وستم کے جو پہاڑ مسلمانوں پر قریشِ مکّہ نے توڑے تھے۔ وہ چشمِ فلک نے کبھی کہیں نہیں دیکھے ہوں گے۔ لیکن مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ اتنا پکّا تھا کہ آروں کے نیچے بھی وہ ڈگمگائے نہیں بلکہ مصائب پر صبر اور استقامت کا وہ نمونہ دکھلاتے رہے کہ اُس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو کہ بہت ممتاز اور منفرد ہستی تھے نے رسُول پاکؐ سے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن اب ہم مسلمان ہیں تو کمزور و ناتواں ہو گئے ہیں۔ آپؐ ہمیں جنگ کی اجازت دیجئے۔ لیکن آپؐ نے صبر و عفو کا حکم دیا۔ پس خدا تعالیٰ نے آپؐ کو صحابہؓ بھی صابر و شاکر دیئے تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک برچھی کے تلے بھی "اَحَدٌ اَحَدٌ" پکارتا تھا۔ پس صحیح روایات سے ہمیں مصائب سے ڈر کر ارتداد کی راہ اختیار کرنے والی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ ہاں البتہ چند بدنصیب شک و شبہات کا شکار ضرور ہوئے تھے اور وہ گنتی میں ایک یا ۲ دو تھے۔ پس یہ قلیل نفری بھی ڈر کر نہیں بلکہ شک کی زد میں آ کر اسلام سے منحرف ہوئی۔ اور مرتد ہو کر اپنا دین و دنیا کھو بیٹھی۔

یوں تو ارتداد کا سلسلہ ہر نبی کے زمانہ میں واقع ہوتا ہی آیا ہے۔ آپؐ کی مکّی زندگی میں کہیں بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ارتداد نے شکل دکھائی ہو۔ البتہ مدنی زندگی میں ایک ۲ دو مسلمان اپنے قدموں پر لوٹ گئے تھے۔ اور وہ بھی ڈر کر ہرگز نہیں۔

کیونکہ ہر شخص اسلام میں داخل ہونے سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کا جو حشر ہوتا تھا۔ وہ دیکھ کر ہمت کر کے آگے بڑھتا تھا۔ وہ مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر داخلِ اسلام ہوتا تھا۔ پس مصیبتیں کسی شخص کو اسلام سے پھیر نہ سکیں ہاں طبیعت کی کمزوری اور بعض اوقات کم ہمتی تھی جس سے ایمان کی چنگاری چمک چمک کر بجھ جاتی تھی۔ اور بالآخر اندھیرے کو قبول کر لیتی تھی۔ اور روشنی کی کرنوں سے دُور ہو جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک بدنصیب جو اسلام کے حلقہ میں شامل ہو کر بیزارِ دین ہو گیا تھا۔ وہ تھا عبداللہ بن جحش [1]

وہ شخص شروع میں بت پرستی سے بیزار تھا۔ قریش کے ایک مخصوص دن میں اس نے بت پرستی سے تائب ہونے کا عہد بھی کیا تھا۔ قریش ہر سال ایک ایسا دن منایا کرتے تھے جس دن وہ ایک بُت کے پاس جمع ہو کر اس کی عزت و تعظیم کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ ایسے ہی ایک عید کے دن پوجا پاٹ کی بجائے چار دوستوں نے خفیہ گفتگو کی تھی کہ

"آؤ ہم مل کر عہد کریں کہ ہم سچائی پر قائم رہیں گے اور علم حاصل کریں گے
اور لوگوں کی بھلائی کے لئے قربانیاں دیں گے۔"

یہ چاروں دوست زید[1] بن عمرو۔ ورقہ[2] بن نوفل۔ عبداللہ[3] بن جحش اور عثمان[4] بن الحویرث تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ علمائے دین تھے۔

چاروں بت پرستی سے بیزار تھے۔ اور قطعی محسوس کرتے تھے کہ ہماری قوم سچائی اور راستی پر نہیں ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بُت بے جان لاشے دستِ انسانی کا شاہکار ہیں۔ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہمیں دینِ ابراہیمی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ وہ حنفیہ طریق دین کے متلاشی تھے۔ عبداللہ بن جحش حضور نبی پاکؐ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ وہ سمیہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا جو عالم دین بھی تھا۔ اس نے ساری عمر علماء سے علوم کتبہ حاصل کرنے میں صرف کر دی تھی۔ اور بہت کچھ حاصل بھی کر لیا تھا۔ لیکن شکوک کے میدان

[1] :۔ ابنِ ہشام حصہ اوّل باب ۳۷، صـ۲۱۶ ؎

سے باہر نہ نکل سکا۔ شرحِ صدر اسے کہیں بھی حاصل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آ گیا کہ اس کی متزلزل بصارت کو اسلام کے نور نے روشنی عطاء کی لیکن چونکہ طبیعت میں انقباض زیادہ تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ان کرنوں سے منور نہ رہ سکا۔ بلکہ دوبارہ انہیں اندھیروں میں جا کودا جہاں سے وہ آیا تھا۔ عبداللہ بن جحش کی بیوی اُمّ حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں مسلمانوں کے ساتھ وہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ حبشہ جا کر عبداللہ بن جحش نے پھر نصرانیت اختیار کر لی۔ اور اسلام سے الگ ہو گیا اور یہ بدنصیب شخص اسی حالت میں مر گیا۔[1]

وہ شخص جب کبھی رسول کریمؐ اور صحابہ کرام کے پاس سے گزرتا تو یہی کہتا ہوا گزرتا کہ ہم نے تو آنکھیں کھول دی ہیں اور تم ابھی چندھیائے ہوئے ہو۔ یعنے ہم نے تو بینائی حاصل کر لی ہے۔ اور تم ابھی ٹٹول رہے ہو۔[2]

عبداللہ بن جحش کی وفات کے بعد رسول اکرمؐ نے اُمّ حبیبہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور خدا تعالٰے نے انہیں نوازتے ہوئے ام المؤمنین بنا دیا۔ رسولِ خداؐ نے اُمّ حبیبہؓ کے متعلق نجاشی والئ حبشہ کے پاس عمر بن امیہ ضمیری کو روانہ فرما کر پیغام روانہ کیا تھا۔ تو نجاشی نے یہ پیغام انہیں پہنچا دیا۔ جو انہوں نے قبول کر لیا۔ اور اس طرح آپؐ کا نکاح ام حبیبہؓ کے ساتھ نجاشی نے چار سو درہم حق مہر پر پڑھایا اور خود اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ام حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید تھے ؎

---

[1] :۔ ابن ہشام صـ۱۳۶ ؎ [2] :۔ ابنِ ہشام صـ۲۱۷ ؎

پہلا منافق

عبداللہ بن ابی سلول ۔ رئیس المنافقین

عبداللہ بن ابی سلول منافقوں کا سرغنہ تھا اور ابن ہشامؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن
ابی سلول نہ صرف منافق تھا۔ بلکہ واقع افک کا بھی مجرم تھا۔ اور یہ الفاظ وَالَّذِی
تَوَلّٰی کِبْرَہٗ اسی کے لئے ہیں[1] جب رسولؐ خدا مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن
ابی سلول وہاں کے باشندوں کا سردار تھا۔ وہ قوم کا اعلیٰ ترین آدمی قرار دیا جاتا
تھا۔ اس کی قوم کے دو آدمی بھی اس کی برتری کے متعلق اختلاف رائے رکھنے کے
مجاز نہیں تھے۔ اگرچہ اوس و خزرج کے قبیلے ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔
لیکن صرف یہی ایک شخص تھا جو دونوں کو ہم آہنگ کر چکا تھا۔ انہیں دنوں میں
خدا تعالیٰ نے مدینہ میں اسلام کا ظہور کیا۔ جبکہ اس کی قوم نے ابی سلول کے لئے
تاج تیار کر لیا تھا۔ تاکہ پہنا کر اسے حاکم بنائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت
رسولؐ خدا کی آمد اور اسلام کے غلبے سے لوگوں کے دل لازماً ابی سلول سے پھر
گئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں اُس کے دل پر ایک کینہ کا جذبہ اجاگر ہونا ضروری تھا۔
وہ خیال کرنے پر مجبور ہو گیا کہ حکومت مجھ سے اسلام نے چھین لی ہے۔ لیکن
جب دیکھا کہ اسلام کے سوا چارہ نہیں تو خود بھی وہ چار و ناچار اسلام میں
داخل ہو گیا[2] لیکن نفاق و کینہ پر جما رہا۔ اور دل سے کافر ہی رہا۔ چند ایک
منافقین جو مشہور تھے ان کا ہر میدان میں ساتھ دیتا رہا۔ اور اس طرح
منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی۔ مثلاً حاطب بن امیہ جس کا بیٹا
یزید بن حاطب مسلمان ہوا۔ مسجد ضرار کا بانی ابو حبیبہ بن الازعر۔ جتیل بن حارث
اوس بن قبطی جس نے رسولِ خداؐ سے جنگِ خندق کے دن کہا تھا کہ ہمارے گھر

[1]: ۔ ابنِ ہشام ص۳۴۶ باب ۱۳۷ ؛ [2]: ۔ شبلی حصہ دوئم ؛

غیر محفوظ و عریاں ہیں ہمیں جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے کہ گھروں
چلے جائیں۔ جنگِ احزاب میں اس کے متعلق قرآن میں اشارہ ہے) اِنَّ بیوتنا
عورۃ"۔ عبداللہ بن ابی سلول ہی وہ شخص ہے کہ جو بنی نضیر کو جھوٹے مشورے
دیا کرتا تھا۔ بنو نضیر کے محاصرہ میں انہیں خفیہ خبریں دیتا۔ اور پھسلاتا کہ تم
ڈٹے رہو)۔ یہی وہ لوگ تھے جو انہیں کہتے تھے کہ اگر تم نکالے جاؤ گے تو ہم بھی
تمہارے ساتھ مل کر نکل پڑیں گے۔ اگر کوئی تم سے جنگ کرے گا۔ تو ہم تمہاری
ضرور مدد کریں گے۔[1]

اُسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسولِ خداؐ مجھے اپنے ساتھ
لے کر سعدؓ بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ راستے میں آپؐ کا گزر عبداللہ
بن ابی سلول کے پاس سے ہوا۔ اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے
تھے۔ آپؐ نے مناسب خیال نہ فرمایا کہ یونہی بغیر ملے چلے جائیں۔ چنانچہ آپؐ
اترے اور سلام کیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اللہ تعالیٰ
کی جانب دعوت دی اور پرہیزگاری کی تلقین کی۔ ابی سلول چپ رہا اور کوئی
بات نہ کی۔ رسولؐ خدا نے جب تمام بات ختم کر لی تو بولا۔ جناب! "آپ کی باتوں
سے بہتر کوئی بات نہیں اگرچہ یہ قطعی سچی ہیں۔ لیکن اپنے گھر بیٹھئے جو شخص ان
باتوں کو سننے کے لئے آئے اس سے بیان کیجئے۔ جو آپؐ کے پاس نہ آئے اسے
ان باتوں سے تکلیف نہ دیجئے اور اس کی مجلس میں ایسی باتیں نہ کیجئے جسے
وہ ناپسند کرتا ہو"۔ رسول کریم کھڑے ہو گئے اور سعد بن عبادہ کی طرف تشریف
لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے چہرہ مبارک پر پریشانی اور غم کے آثار تھے اور
ان باتوں کی علامتیں موجود تھیں جو ابی سلول نے کہی تھیں۔ سعدؓ بن عبادہ نے
عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپؐ کے چہرہ پر کچھ تغیر دیکھ رہا ہوں۔ گویا آپؐ
نے ایسی باتیں سماعت فرمائی ہیں جو آپؐ کو ناپسند تھیں۔ آپؐ نے فرمایا! ہاں اور
اس نے وہ ساری باتیں سنائیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! عبداللہ بن ابی سلول سے نرمی

[1]: ۔ ابنِ ہشام ص۵۴۸ باب ۸۰ ؛

فرمائیے۔ واللہ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے پاس اس وقت لایا جب ہم نے اس کے لئے تاج تیار کر لیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ اس کی حکومت آپؐ نے چھین لی ہے[1]"

منافقت کی حد اس مقام تک بڑھ گئی کہ اس نے کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ لیکن ایسے موقعہ پر جہاں بھی اُس نے آنا مجروح ہوتے دیکھی وہ سامنے آ جاتا اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اکڑ جاتا۔ مثلاً جنگِ اُحد میں رسول خدا کو اُس نے مشورہ دیا کہ آپؐ مدینہ میں ہی ٹھہریں۔ یہی مناسب ہے باہر نکل کر حملہ نہ کیجئے۔ لیکن وہ مسلمان جو جنگِ بدر میں حصّہ نہ لے سکے تھے مُصِر تھے کہ یا رسُول اللہ! باہر نکل کر ہمیں دشمنوں سے جنگ کرنے کا موقعہ عنایت فرمائیے۔ تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ ہم میں کسی قسم کی بُزدلی یا کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار لشکر کی معیت میں جمعہ کے روز نماز سے فارغ ہو کر غنیم پر حملہ آور ہونے کے لئے مدینہ سے نکل پڑے لیکن رئیس المنافقین جب مقام شوط پر پہنچا تو اڑ گیا کہ رسُول خدا نے میری بات نہیں مانی اور ان کی مان کر دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی ہے۔ لہٰذا ایک ثلث آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہتے ہوئے کہ لوگو! مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اپنے آپ کو موت کا لقمہ کیوں بنایا جائے؟ واپس ہو گیا۔ عبداللہؓ بن ابی سلول کے لئے ذاتی اور قومی شرف حاصل ہونے کی بناء پر ایک جگہ مسجد میں مقرر تھی جہاں وہ بے روک ٹوک کھڑے ہو کر نماز جمعہ ادا کرتا تھا۔ جمعہ کے بعد جب رسُولِ خدا ممبر پر خطبہ کے لئے بیٹھتے تو بحیثیت ایک رئیس کے کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب ہوتا۔ "اے لوگو! یہ اللہ کے رسُول تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ نے ان کی برکت سے تمہیں عزّت و حرمت دی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ آپؐ کی اعانت و نصرت کر کے تقویت پہنچاؤ۔ آپؐ کے احکام سنو! اور فرمانبرداری پر کاربند رہو۔" لیکن جنگ اُحد کے بعد منافقت کر کے واپس آگیا۔ جب وہ کھڑا ہونے لگا تو مسلمانوں نے

[1] :- ابنِ ہشام باب ۹۰ صفحہ ۶۳۵-۶۳۶

[...]ں کے کپڑے پکڑ لئے اور مزاحمت کی کہ دشمنِ خُدا بیٹھ جا۔ تُو اس قابل نہیں کہ کچھ [...]ے۔ جب باہر کود تا پھلانگتا جا رہا تھا تو ایک انصاری نے وجہ پوچھی جس کا [...]ں نے جواب دیا۔ کہ مَیں ان کا معاملہ مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہؤا تھا۔ انصاری [...]ے ڈانٹ کر کہا۔ تیرا بُرا ہو۔ واپس جا اور رسُولِ خُدا سے معافی مانگ۔ دعائے [...]غفرت کی درخواست کر۔ بدنصیب ابی سلول نے کہا۔ "خدا کی قسم مجھے ضرورت [...]یں کہ ان سے استغفار کی درخواست کروں۔"

ایک دفعہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو مطلق پر شعبان ۶ ہجری [...]ت دسمبر ۶۲۷ء میں لشکر کشی کی تو وہاں انصار و مہاجرین میں کنوئیں کے پانی [...]ر کچھ جھگڑا اچھل پڑا۔ یہانتک کہ تلواریں نکل آئیں۔ عبداللہ نے موقعہ غنیمت [...]ا جھٹ کہا کہ اے انصار یہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج تمہیں یہ [...]ن دیکھنا پڑا۔ مَیں تمہیں پہلے ہی سمجھاتا تھا کہ تم ان مہاجرین کو اپنے سر نہ چڑھاؤ۔ [...]گھبراؤ نہیں۔ مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے معزز [...]سان یعنی وہ کمبخت خود مدینہ کے سب سے ذلیل انسان یعنی نعوذ باللہ محمد رسُولِ خدا [...]ہاں سے نکال دے گا۔ اور یہ فتنہ کبھی سر نہ اُٹھائے گا۔ جب اس نے یہ [...]اظ کہے تو انصار و مہاجرین اس کے رویہ سے سمجھ گئے کہ اس نے ان کے جوش [...]ے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ وہ سنبھلے اور تلواریں میانوں میں واپس [...] گئیں۔ مگر زیدؓ بن ارقمؓ نے مخبری کی اور جا کر صورتِ حال سے رسولِ خدا کو [...]اع دی کہ عبداللہ نے اس طرح کہا ہے۔ رسُولِ خدا نے عبداللہؓ بن ابی سلول [...]ر اس کے دوستوں کو بلایا اور فرمایا کیا بات ہوئی۔ جس پر اس نے اصل [...]ہ سے بالکل انکار کر دیا۔ یعنی خدا کی قسم زیدؓ نے جو بیان دیا ہے۔ وہ مَیں [...]ے نہیں کہا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی بات ہوئی ہے۔ لیکن بات سچی تھی [...]بلی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس کے بیٹے کے پاس جا پہنچی۔ وہ ایک مخلص نوجوان [...]ر یہ سنتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اور رسُولِ خُدا کی خدمت میں اسی وقت حاضر ہؤا

[...]:- ابنِ ہشام صفحہ ۲۳۰ باب ۱۳۶

اور کہنے لگا۔ یا رسُول اللہ! آج میرے باپ نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس بھی یہ رپورٹ پہنچی ہے۔ اس نے کہا یا رسُول اللہ! اس جُرم کی سزا سوائے قتل کے کیا ہو سکتی ہے؟ آپؐ میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیں مگر مَیں یا رسُول اللہ! یہ درخواست کرنے کے لئے حاضر ہُوا ہُوں کہ اگر آپؐ میرے باپ کے قتل کا حکم نافذ فرمائیں تو کسی اور کو نہ دیں بلکہ مجھے حکم دیں۔ مَیں اپنے باپ کو قتل کر دوں۔ اور اس کا سر آپؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ کیونکہ اگر کسی اور مسلمان کو آپؐ نے حکم فرمایا۔ تو ممکن ہے کہ شیطان مجھے ورغلائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور مَیں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور جوش میں اس پر حملہ کر دوں۔ اس لئے کسی اور کو حکم دینے کی بجائے مجھے دیجئے کہ مَیں خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر ڈالوں۔ رسولِ خدا نے فرمایا ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ہم اسے کوئی سزا دینا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے باپ کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا ہی سلوک کریں گے۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول وہاں سے اٹھا اور اس کا دل جل رہا تھا۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ جب لشکر مدینہ کی طرف لوٹا تو پیشتر اس کے کہ عبد اللہ بن سلول مدینہ میں داخل ہو۔ اس کا بیٹا عبد اللہؓ بن عبد اللہ سواری پر سے اُترا اور باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے نکال لی۔ باپ سے کہا "تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے کہ مدینہ کا معزز ترین انسان مَیں ہوں اور مدینہ کا ذلیل ترین انسان (نعوذ باللہ) محمد رسولِ خدُاؐ ہیں۔ خدا کی قسم اس وقت تک تُو مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک تو مُیرے سامنے اقرار نہ کرے کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان مَیں ہُوں اور محمد رسُولِ خدُاؐ مدینہ کا معزز ترین انسان ہے۔ ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اُڑا دوں گا۔

عبد اللہ نے جب یہ نظارہ دیکھا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا اس کے سامنے تلوار لے کر کھڑا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ مَیں مدینہ کا ذلیل ترین انسان اور محمد رسُولِ خدؐا معزز ترین انسان ہیں تو اس کا دل لرز گیا۔ کہ اگر مَیں نے ایسا نہ کیا تو میرا بیٹا میرا خاتمہ کر دے گا۔" چنانچہ تمام دوستوں کے سامنے جن کے سامنے اپنی بڑائی کے گیت گایا کرتا تھا۔ اقرار کیا کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان مَیں ہُوں اور محمد رسُول اللہ مدینہ کے معزز ترین انسان ہیں۔ اور پھر عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول نے اپنے منافق باپ کو حدود مدینہ میں داخل ہونے دیا۔

خدا تعالیٰ کے پاک نبیؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسُول اللہ! آپ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایسا تھا ویسا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر مجھے خدا تعالیٰ اختیار دیتا کہ ستر بار نماز جنازہ پڑھوں تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔ آپؐ اس سے ہمیشہ عفو و حلم سے ہی پیش آتے رہے۔ جب وہ مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ اس نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضگی کے باوجود آپؐ نے اپنا قمیض مبارک اسے پہنا کر دفن کیا۔ کیونکہ آپؐ تو ابرِ رحمت تھے جو دشت و چمن پر برابر و یکساں برستا ہے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پہلی عجمی تدبیر اور معجزات

خندق کا کھودنا۔ ۵ سنہ ہجری

اسلام دشمن قبائل ایک متحدہ تدبیر کے ماتحت اپنی تمام طاقتوں کو جمع کر کے اسلام کی بیخ کنی کا مکمل ارادہ کر کے نکلے اور اسلام کو ملیامیٹ کرنے کی سر دھڑ کی بازی لگانے والے پندرہ ہزار نفوس اپنے گھروں سے نکل چکے تھے۔ بعض مؤرخین نے ان سر پھروں کا اندازہ دس ہزار سے چوبیس ہزار بھی لگایا ہے۔ یعنی مدینے جیسے معمولی قصبے کے خلاف سارا عرب چڑھائی کے لئے نکل چکا تھا۔ اگرچہ بدر کی جنگ میں ائمۃ الکفر ہلاک ہو گئے تھے۔ اور جڑھیں کٹ گئی تھیں اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں ایسی جلی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی اُحد کی لڑائی میں ناکامی بھی بجھا نہ سکی۔ ان کے سردار خاک میں کیا ملے۔ کہ خاک شعلے ہی اگلتی رہی۔ حتیٰ کہ حملوں کے سلسلے برابر چھ سال تک مستقل چلتے رہے۔ اب کے اخیر فروری مطابق شوال ۵ سنہ ہجری کو قریش اور غطفان قبائل بنو سلیم اور بنو اسد اور یہود وغیرہ تمام اتحاد کی کڑی میں منسلک ہو کر ابوسفیان کی سرکردگی میں مسلمانوں کی مٹھی بھر جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے چڑھ آئے۔ اس وقت مسلمانوں کے مرد جوان بوڑھے۔ بچے سب ملا کر تین ہزار سے زائد نہ تھے۔

جب خدا تعالیٰ کے رسول صلعم کو علم ہو گیا کہ وہ ارادۂ جنگ لے کر نکل رہے ہیں تو آپؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو بلا کر مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ تو حضرت سلمان فارسی نے (جو فارسی۔ عجمی طریقۂ جنگ سے واقف تھے) عرض کی کہ یا رسول اللہ! "جب شہر بے حفاظت ہو اور سپاہی تھوڑے ہوں۔ تو ایسے موقعہ پر ہمارے ملک میں خندق کھود دیتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے بیٹھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ یعنی محصور ہو جاتے ہیں۔" آپؐ کو مختلف آراء کے مقابلہ میں حضرت سلمانؓ فارسی کی رائے وزنی اور نفع بخش معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور حکم دیا کہ مدینہ میں خندق کھودنے کا انتظام کر لیا جائے۔[۱]

مدینے کے ایک طرف ٹیلے تھے۔ دوسری طرف ایسے محلے تھے جن کے مکان ایک دوسرے سے پیوست تھے اور تیسری طرف یہودی بنو قریظہ تھے یہ قبیلہ مسلمانوں سے اتحاد کر چکا تھا۔ سو وہ طرف اس طرح محفوظ تھی۔ اب باقی چوتھی طرف جو غیر محفوظ تھی وہ سرحد شمالی تھی۔ جہاں سے ہجوم کر کے دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے نشان دہی کی اور اپنی نگرانی میں تقسیم کار کے اصول کے مطابق دس دس ہاتھ یعنے پندرہ فٹ کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ کے سپرد کر دیا۔ کام زور شور سے جاری ہو گیا۔

رسولِ اکرمؐ خیر البشر اس وقت کہاں تھے؟ آپؐ کھڑے کہیں حکم نہیں دے رہے تھے بلکہ صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش مزدوروں کے ایک مزدور تھے۔ کارندوں کی شگفتگیٔ طبع کی خاطر آپ مندرجہ ذیل اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہ

یعنی۔ اے خدا! اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو اپنے فضل سے ایسے سامان کر کہ انصار و مہاجرین کو اُخروی زندگی میں بخشش اور عطاء نصیب ہو جائے۔

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

یعنی۔ ہم وہ ہیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے کہ ہم ہمیشہ جب تک کہ ہماری جان میں جان ہے خدا تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے۔

[۱]۔ ابنِ ہشام ص ۲۴۳

یہ صحابہ کرامؓ کا اپنے محبوب کے لئے جواب تھا۔ اور اس طرح یہ عجمی تدبیر سرانجام پاتی رہی۔ آقا و مولیٰؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ساتھ مزدوری کرتے رہے۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسولِ خداؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ بھی جنگِ احزاب میں مٹی ڈھو رہے تھے۔ اور آپؐ کے گورے گورے پیٹ پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اور آپؐ یہ فرماتے جا رہے تھے کہ "الٰہی اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نمازیں پڑھتے۔ پس ہمیں اپنی جناب سے تسلی عطاء فرما۔ کہ اگر جنگ پیش آجائے تو ہمارے پاؤں کو ثبات نصیب ہو۔ وہ دشمن کے مقابلہ پر بالکل نہ ڈگمگائیں۔ بھوک اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ آجاتا۔ اور رسولِ خداؐ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر پھرتے تھے۔ مسلمانوں کو اجر و ثواب کی ترغیب دینے کے لئے آپؐ بنفسِ نفیس ان کے ساتھ شامل ہوتے اور حد درجہ مشقت و مستقل مزاجی سے کام لیا۔ لیکن منافقین نے تساہل و تاخیر سے کام لیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی سے روایت ہے کہ مَیں خندق کے گوشے میں کھدائی کر رہا تھا۔ کہ ایک پتھر ایسا آگیا۔ جو کسی طرح بھی توڑنا ممکن نہ تھا۔ حضور نبی کریمؐ کو خبر دی گئی اور آپؐ نے کدال اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے پتھر پر ماری کہ اس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ آپؐ نے اللہ اکبر فرمایا۔ پھر دوبارہ آپؐ نے کدال ماری اور دوبارہ روشنی نمودار ہوئی۔ پھر فرمایا اللہ اکبر سہ بارہ بھی روشنی کے نمودار ہونے پر آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے پوچھا۔ یا رسولِ خدا یہ روشنی کیسی تھی؟۔ آپؐ نے فرمایا سلمان! تم نے اسے دیکھ لیا؟ مَیں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا۔ "میرے خدا نے مجھے ترقیات کا نقشہ دکھایا تھا۔ پہلی دفعہ مَیں نے مملکت یمن کے محلات دیکھے جن کی کنجیاں مجھے دی گئی تھیں۔ دوسری دفعہ مَیں نے مدائن کے سفید محلّات دیکھے ہیں۔ اور مملکتِ فارس کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں۔ تیسری دفعہ کی روشنی سے خدا تعالیٰ نے مجھ پر صنعا کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ پس تم خدا کے وعدوں پر یقین رکھو۔

خدا تعالیٰ مددگار ہے۔ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

حضور نبی کریمؐ کے یہ نظارے عالم کشف سے تعلق رکھتے تھے اور خدا تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو اس تنگی کے وقت میں آئندہ فتوحات اور فراخیوں کے مناظر دکھا کر صحابہ کرامؓ کے عزم و حوصلے بلند کئے اور اپنے وقت پر مسلمانوں کو موعودہ نعمتیں عطاء کر کے اُن کے ایمان کو تازہ کیا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ پیشگوئیاں اور معجزات حرف بحرف پُورے ہوئے۔

آخر چھ دن کی طویل محنت سے یہ خندق پوری ہوگئی[1] ابھی یہ کام مکمل ہی ہوا تھا۔ کہ دشمن مدینہ پر چڑھ آیا۔ لیکن جب آگے بڑھا تو خندق کو اپنے راستے میں پاکر بے حد پریشان ہوا۔ وہ نئی تدبیر دیکھ کر گھبرا گئے اور بے ساختہ بولے۔ "یہ تو کوئی عجمی تدبیر ہے جو نہ پہلے کبھی دیکھی نہ سُنی تھی"۔

یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی گوشے تک آئی اور غالباً بعد میں اسے بڑھایا گیا۔ اس کی کل لمبائی ساڑھے تین میل اور چوڑائی گہرائی کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ بہر حال اتنی چوڑی اور گہری ضرور تھی کہ دشمن کے گھوڑے کود کر اندر نہیں آسکتے تھے۔ اور پیدل بھی اسے عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خندق کی حفاظت کے لئے جابجا پہرہ کا خاص انتظام تھا۔ جب کفار کے چند سرکردہ خاص گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑھے تو خندق پر آکر رُک گئے۔ اور متعجب ہو کر کہنے لگے کہ خُدا کی قسم یہ تو وہ تدبیر و ترکیب ہے۔ جو عرب نہیں کر سکتے۔ یقیناً یہ عجمی تدبیر ہے[2] سلمانؓ فارسی کی یہ عجمی تدبیر بیشک بہت کامیاب رہی۔ اہل علم کا بیان ہے کہ سلمانؓ فارسی کے لئے صحابہ کرامؓ یعنی مہاجرینؓ کہتے تھے سَلْمَانُ مِنَّا اور انصار کہتے تھے سَلْمَانُ مِنَّا۔ لیکن خُدا کا رسولؐ فرماتا تھا سَلْمَانُ مِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ۔ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت اور ہمارے فرد ہیں۔

---

[1] ابنِ سعد۔
[2] :- ابنِ ہشام صفحہ ۲۴۳۔

یومِ خندق کا پہلا شہید

حضرت سعدؓ بن معاذؓ بن نعمان

حضرت سعدؓ بن معاذؓ قبیلۂ اوس کے سردار تھے۔ اور بہت بہادر اور تیز مزاج انسان تھے۔ جتنی پُرعزم و پُروثوق شخصیت تھی۔ اتنی ہی جسمانی ڈیل ڈول میں لحیم تھی۔ جب انہیں کعب کی عہد شکنی پر تفتیش کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے نہایت عمدگی سے تفتیش کے تمام مراحل طے کئے تھے۔ اور جب بھی جس موقعہ پر بھی انہیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے احسن طور پر سرانجام دی۔ کعب بن اسد بنو قریظہ کی طرف عہد و پیمان کرنے کے لئے مختار کل تھا۔ اور وہ رسول پاکؐ سے اپنی قوم کے متعلق عہد و میثاق کر چکا تھا۔ لیکن جب حیی بن اخطب نے اکسانے کی کوشش کی تو شروع میں تو کعب بن اسد ڈٹا رہا اور کہا کہ میں تو رسولِ خداؐ سے عہد کر چکا ہے۔ اور ان میں مَیں نے سوائے وفائے عہد اور صداقت کے کچھ نہیں پایا۔ لازم یہی ہے کہ مَیں اپنے معاہدہ کو پورا کردوں۔ لیکن حیی بن اخطب کے اکسانے پر اُس نے عہد توڑ دیا تو رسولِ خدا نے سعد بن معاذؓ کو صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے روانہ فرمایا اور ہدایت کر دی کہ اطلاع صحیح ہے تو اشارہ کنایہ سے کام لیا جائے۔ تاکہ باقی لوگوں میں ضعف و کمزوری پیدا نہ ہو۔ چنانچہ مُعاذؓ کے سپوت سعدؓ نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا۔ اور کعب کو شرارت پر آمادہ پاکر دربار رسالت میں عرض کیا " عَضَلُ والقارہ۔ رسُولِ خداؐ کی بصیرت نے بھانپ لیا۔ اور آپؐ نے فرمایا مسلمانو! کے گروہ تمہیں خوشخبری ہو کہ...... اتنے میں سعدؓ بن مُعاذ نے رسولِ پاکؐ سے شرائط والا پرچہ لے کر مٹا دیا اور کہا۔ "ہم قوت آزمائی کریں گے۔ اور خدا کی قسم ہماری طرف سے انہیں تلواروں کے سوا

[کو]ئی عطیہ نہیں ملے گا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے"۔ [پ]س سعدؓ بن معاذؓ بلا کے دلیر و جری تھے۔ معاملہ فہم تھے اور فیصلہ کن طبیعت کے [م]الک تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔

بنو قریظہ کے محاصرہ میں سعدؓ بن معاذؓ نے کتنا بہادرانہ فیصلہ دیا کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے فرمایا۔ "لقد حکمت بحکم اللہ"۔ ہُوا اس طرح کہ بنو قریظہ کا [م]حاصرہ کئے ہُوئے جب رسُول پاکؐ کو پچیس ۲۵ دن تقریباً ہو گئے۔ تو ابولبابہ کے مشورہ [پ]ر لوگ نیچے اُتر آئے جس پر وہ لوگ بہت خوش بھی تھے۔ رسُولِ خداؐ نے اُنہی [م]یں سے ایک بزرگ قابل تعظیم کو حَکَم بنا دیا۔ اور وہ تھے حضرت سعدؓ بن معاذؓ [ب]نو قریظہ کو ان کے حکم بننے پر بہت اونچی امیدیں تھیں۔ اور جب وہ حضرت رسولِ [خ]دا کے پاس سواری پر سوار تشریف لا رہے تھے۔ تو راستہ میں اپنے حلیفوں کے [م]عاملہ میں اچھا فیصلہ کرنے پر اکسانا شروع کر دیا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ خدا تعالیٰ انہیں اس وقت تک زندہ رکھے کہ بنو قریظہ کے انتقام کی [آ]گ ٹھنڈی ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کی پرواہ [ن]ہیں کریں گے۔ اور وہ فیصلہ دیا کہ خُدا کے فرستادہ نے فرمایا۔ کہ سعدؓ نے جو فیصلہ [د]یا ہے۔ آسمانوں سے آیا ہُوا ہے۔ پس سعدؓ حق و انصاف کے رستے میں اسقدر [پ]ختہ تھے کہ جمعیت اور جتھہ داری کا احساس تک ان کے دل سے محو ہو جاتا تھا۔

آپؓ خندق کی لڑائی کے پہلے شہید تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ [ب]نو حارثہ کے قلعے میں سعدؓ بن معاذؓ کی والدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ مَیں نے ان سے کہا! سعدؓ کی ماں! میرا دل چاہتا ہے کہ کاش سعدؓ کی زرہ پوری ہوتی۔ کیونکہ سعدؓ بن معاذؓ نے یومِ خندق میں ایسی زرہ پہنی ہوئی تھی۔ جو چھوٹی تھی اور کہنی تک ان کا ہاتھ زرہ سے باہر تھا۔ سعدؓ بن معاذؓ کی والدہ بولیں "کیا آپؓ کو اندیشہ ہے کہ تیر اس خالی جگہ پر لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کلائی میں زخم آیا اور ایک تیر ابو اُسامہ جشیمی کا زرہ سے خالی والے حصے پر لگا۔ ان کی رگ اکحل کٹ

گئی۔ تیر مارنے والے نے کہا۔ "یہ لو تیر میں ابن القرحہ ہوں" حضرت سعدؓ نے کہا خدا تیرا چہرہ جہنم میں عرق آلود کرے اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اگر قریش سے مزید جنگ ہونے والی ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ۔ کیونکہ مجھے یہی پسند ہے کہ ان سے جہاد کردں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیرے رسول کو اذیت دی۔ انہیں جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا اور اگر جنگ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو مجھے شہادت عطاء کر وگرنہ اس وقت تک موت نہ دے جب تک بنو قریظہ سے انتقام سے خود کو ٹھنڈا نہ کر لوں۔ چنانچہ بہت علاج معالجہ کیا۔ لیکن زخم مندمل ہو ہو کر پھر کھل جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری خود فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہدایت کے مطابق مسجد کے صحن میں انہیں ایک خیمہ میں رکھا گیا۔ یہ خیمہ ایک مسلمان رفیدہؓ نامی کا تھا۔ جو نرسنگ اور تیمارداری میں مہارت رکھتی تھی۔ اور مسجد کے صحن میں عموماً بیماروں کا علاج کرتی تھی[1]۔

معاذ بن رفاعہؓ سے روایت ہے کہ جب رات کے وسط میں حضرت سعدؓ بن معاذؓ کی روح پرواز کر گئی تو عین اس وقت جبرائیل علیہ السلام استبراق کا عمامہ پہنے حضور نبئ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ سے پوچھنے لگے۔ "محمدؐ! یہ کس کی میّت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش ہل گیا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سنبھالتے ہوئے تیزی سے سعدؓ کی طرف دوڑے۔ وہاں دیکھا کہ وہ جاں بحق ہو چکے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ لحیم و شحیم تھے۔ لیکن ان کا جنازہ اتنا ہلکا تھا۔ کہ منافقین کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ان کو اٹھانے والے تمہارے علاوہ اور ہستیاں بھی تھیں۔ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ سعدؓ کی روح سے ملائکہ نے بشارت حاصل کی اور عرش محظوظ ہوا۔

"اھتز عرش الرحمٰن علیٰ فوت سعد"

حضور پُرنورؐ نے فرمایا۔ قبر بھینچتی ہے۔ اگر اس سے کوئی نجات پا سکتا تو سعدؓ ہوتے۔

[1]:۔ طبری و ابنِ سعد ؂

حضرت سعدؓ کی وفات پر اُن کی ماں رو رہی تھی اور کہہ رہی تھیں کہ۔ وہ ایک قوت نافذہ اور تلوار کی دھار تھا۔ وہ مجسم سیادت و قیادت اور مجد و شرف جو ہر وقت تیار سوار تھا۔ اس کے ذریعہ دشمنوں کا رستہ بند تھا۔ وہ دشمنوں کے سر کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ "ہر نوحہ کرنے والی عورت جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں! سعدؓ کی ماں نوحہ کرنے والیوں سے مستثنیٰ ہے۔"

پہلا دشمنِ خدا شاعر

کعب بن اشرف کا قتل۔ جمادی الآخر ۳ سنہ ہجری

کعب بن اشرف وہ بدنصیب شاعر تھا۔ جو خدا اور اس کے محبوب رسول کا بدترین دشمن تھا۔ وہ چلتا پرزہ اور ہوشیار آدمی بنو طے کی شاخ بنی منہال سے تھا۔ اور اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ وہ گو مذہباً یہودی تھا لیکن یہودی النسل نہیں تھا۔ بلکہ عرب تھا۔ اور عرب کے یہودی اس کو اپنا سردار خیال کرتے تھے۔

جب اُس نے بدر کی فتح و کامرانی کی خبر زیدؓ بن حارث اور عبداللہؓ بن رواحہ سے سُنی تو بے تاب ہو گیا۔ اور چیخ کر کہنے لگا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم لوگ سچ کہتے ہو۔ کہ محمدؐ (صلعم) نے ان مکّہ کے ستونوں کو قتل کر دیا۔ مکّہ کی اتنی نامور ہستیاں خاک میں مل جائیں وہ جرّھیں تھیں۔ وہ مرتبے والے اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ بخدا اگر حقیقت میں محمد (صلعم) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو "روئے زمین کی نسبت شکم زمین بہتر ہے۔" جب اس دشمن خدا شاعر کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر جو اس کے کانوں نے سُنی ہے قطعی سچی اور حقیقت پر مبنی ہے۔ تو اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ یقین کر کے کوئی بدترین اسکیم سوچتا۔ وہ وجیہہ اور شکیل ہونے

[1]:۔ ابنِ ہشام باب ۹۔۱۰۹ صفحہ ؂

کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اور ایک نہایت دولتمند عالم تھا چنانچہ
وہ مکہ کی طرف بھاگا۔ اور عبد المطلب بن ابی دواعہ کے گھر اترا۔ اور رسولِ خدا[۱]
کے خلاف اشعار سُنا سُنا کر لوگوں کو ابھارنے لگا۔ اس نے خفیہ چالوں اور مخفی
ساز باز سے اسلام اور بانیٔ اسلام کی مخالفت تیز کر دی۔ مرثیہ خوانی میں اندھا
ہو گیا۔ اور مقتولین قریش پر بے تحاشہ مرثیے کہے۔ اپنی چرب زبانی اور سؤ گوئی
سے مکہ کو شعلہ بار کر دیا۔ حضرت حسان بن ثابت نے جواباً کچھ اشعار کہے۔ حضرت
میمونہ رضؓ بنت عبد اللہ نے بھی کعب کے جواب میں بہت اشعار کہے۔ لیکن وہ
حد سے بڑھ گیا۔ یہانتک کہ مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کے متعلق عاشقانہ اشعار
کہنے شروع کر دیئے۔ اور ان کی دلآزاری کی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو قلبی کوفت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا مَنۡ لِیۡ بِابۡنِ الۡاَشۡرَف؟ یعنے (کعب
بن اشرف کی خبر لینے کی کون حامی بھرتا ہے) بنی عبد الاشہل والے محمدؓ بن سلمہ نے
عرض کی یا رسُول اللہ مَیں آپ کی خاطر تیار ہُوں۔ مَیں اُسے قتل کر ڈالتا ہُوں۔ رسولِ
پاکؐ نے فرمایا۔ اگر تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو ایسا ہی کرو۔ کیونکہ
اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ اَلۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ۔ یعنے
فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے۔ محمدؓ بن مسلمہ نے ایک حد تک اپنی کوششیں
شروع کر دیں۔ پہلے تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔
رسُولِ خُدا نے وجہ تسمیہ دریافت فرمائی۔ تو محمدؓ بن مسلمہ نے جواباً عرض کی۔
یا رسُول اللہ! مَیں نے ایک بات تو آپؐ سے عرض کر دی لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ مَیں
اپنا وعدہ پُورا کر سکوں گا یا نہیں۔ فرمایا تیرے ذمہ تو صرف کوشش ہے۔ اس نے
اجازت چاہی کہ اپنی منصوبہ بندی میں خلاف حقیقت باتیں کہہ لُوں۔ آپؐ نے اجازت
مرحمت فرمائی۔ کیونکہ اَلۡحَرۡبُ خُدۡعَةٌ کے مطابق کچھ خلاف حقیقت باتیں
فتنے کو مٹانے کے لئے جائز ہیں۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ نے ایک منصوبہ انصار کے ساتھ
مشترکہ تیار کیا۔ جس میں سلکان بن سلام، عباد بن بشیر بن دقش الحارث بن اوس

اور ابو عبس بن جبر پانچوں متفق الرائے شامل ہو گئے۔ سلکان بن سلامہ جن کی
کنیت ابو نائلہ بھی تھی وہ کعب بن اشرف کے رضائی بھائی بھی تھے[۱] سلکان وہاں
گئے اور تقریباً گھنٹہ دو گھنٹے وہاں کعب کے ساتھ محو گفتگو رہے۔ وہ دونوں ایک
دوسرے کو اشعار سناتے رہے۔ پھر آنے کی وجہ بیان کی کہ اے ابنِ اشرف! یہ شخص
محمد (صلعم) ہم پر مصیبت بن کر چھا گیا ہے۔ عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ ایک ہی
کمان سے تیر چل رہے ہیں۔ ہماری راہیں منقطع ہو گئی ہیں۔ یہانتک کہ ہمارے
بال بچے برباد ہو گئے ہیں۔ اور جانوروں پر آبنی ہے۔ غرض ہم خود اور ہمارے
بال بچے آفت میں مبتلا ہیں[۲] کیونکہ غلّہ کی سخت قلّت ہو گئی ہے۔ کعب بن اشرف
بے حد خوش ہوا۔ اور اپنی بدفطرت کا مظاہرہ کرتے ہُوئے کہنے لگا۔ ہوئی نہ وہی
بات جو مَیں تمہیں پہلے کہتا تھا۔ اور اس کا یہی نتیجہ ہونے والا تھا۔ کچھ غلّہ وغیرہ
خریدنا چاہتے ہو تو کیا تم اپنے بچے ہمارے پاس رہن رکھو گے؟ ابو نائلہ نے کہا۔
میرے دوست تیرے ہاتھ ہم اپنے ہتھیار رہن رکھیں گے۔ جن سے غلہ کی قیمت
پوری ہو سکے گی۔ چنانچہ جب فیصلہ مکمل ہو گیا تو ابو نائلہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تمام
ہتھیار سمیت رسُولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور ضروری ہدایات اور دعائیں لیکر
روانہ ہُوئے۔ حضورؐ ان کے ساتھ بقیع الفرقد تک تشریف کے لئے اور بیتِ اشرف
تک تشریف لائے۔ چاندنی رات تھی۔ حضورؐ تو واپس لوٹ گئے۔ لیکن وہ لوگ کعب
کی گڑھی تک جا پہنچے۔ ابو نائلہ کی آواز پر لحاف میں سے نکل کر وہ بھاگا۔ اگرچہ اسکی
نئی نویلی دلہن اُسے روکتی رہی۔ کہ تمہارا اے ابن اشرف باہر نکلنا خطرے سے
خالی نہیں ہے۔ کیونکہ جنگی آدمی ایسے وقت نیچے نہیں اترا کرتے اور مجھے ان کی
آواز میں شرارت معلوم ہوتی ہے۔ کعب اپنی جوانمردی پر اتراتا تھا۔ باہر آگیا اور
باتیں کرتے کرتے شعب العجوز تک پہنچ گئے۔ وہ ہتھیاروں سے بھی مطمئن تھا۔
کیونکہ اسے خیال تھا کہ غلّے کے عوض میں ہتھیار رکھنے کے لئے لایا ہو گا۔ کچھ دُور
چلنے کے بعد ابو نائلہ نے اس کے بال پکڑ لئے اور کہا دشمن خُدا کو مارو۔ ان سب نے

[۱]: ابنِ ہشام باب ۱۰۹ ص۱۴۱؛
[۲]: بخاری باب قتل ابنِ اشرف؛

اس پر ضربیں لگائیں۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے تلواریں ایک دوسرے پر پڑنے لگیں۔ اور کارگر نہ ہوئیں۔ ابو نائلہؓ نے اپنی چھری نکالی اور پوری قوت استعمال کرتے ہوئے پیٹ میں گھونپ دی۔ دشمن خدا نے ایسی چیخ ماری کہ اطراف کی گڑھیوں میں سے کوئی گڑھی ایسی نہ رہی جس پر آگ روشن نہ ہو گئی ہو۔ اس کشمکش میں الحارثؓ بن اوس، بن معاضؓ بھی زخمی ہو گئے۔ اور خون بہنے سے کمزور ہو گئے۔ تمام ساتھی انہیں اٹھا کر رات کے آخری حصہ میں رسولِ پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے۔ تمام نے سلام عرض کیا تو آپؐ باہر تشریف لائے۔ دشمن خدا شاعر کی موت کی خبر آپؐ کو سنائی۔ آپؐ نے الحارثؓ بن اوس کے زخموں پر لعاب دہن لگا دیا۔ صبح جب ہوئی تو تو معلوم ہوا کہ یہود کعب بن اشرف کی موت کی وجہ سے بہت خوفزدہ تھے۔ حسان بن ثابت نے کہا:۔

"اے ابن اشرف! تو نے جس سے مقابلہ کیا۔ اس جماعت کی جزاء خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے...... اور تلواروں نے تمہیں موت کا پیالہ پلا دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا۔ جو تلواریں نیام سے باہر نکالی ہوئی تھیں وہ ہماری ہتھیلیوں پر آئیں پھر ہاتھوں کے سہارے کعب پر چڑھ گئیں۔ اور اس کا خاتمہ کر گئیں۔"

یہودیوں نے بعد میں مانا کہ کعب بن اشرف مستحق سزا تھا۔

پہلی اسیر زوجہ مطہرہ

حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار ۶ ہجری

اسیر رئیس زادی جویریہ پہلی خاتون ہیں جنہیں جنگ کے نتیجہ میں اسیری نصیب ہوئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے امہات المومنین کی صف میں مقام عطا فرمایا۔ آپ رسولِ خداؐ کے حرم میں داخل ہو کر آزاد و عظیم مقام کی وارث بن گئیں۔

عورتیں جو جنگ میں قید ہو کر آتی تھیں۔ اس کے لئے بھی اسلام نے ایک مکمل با اخلاق ضابطہ ہمیں دیا ہے۔ وہ عورتیں جو بطور قیدی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتی ہیں۔ جن کے مرد انہیں فدیہ دے کر جلد چھڑانے کے لئے نہ پہنچ جائیں۔ یا جو قید کے بعد مکاتیب کے طریق پر آزاد کئے جانے کا مطالبہ نہ کریں مسلمان مردوں کا رشتہ نکاح اُن سے قائم ہو سکتا ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام نے تعدد ازدواج کی استثنائی اجازت دے کر مردوں، عورتوں دونوں کے اخلاق کی حفاظت کی ہے۔ اور جنگ کے نتیجہ میں جنگی قیدیوں سے نکاح کی اجازت دے کر انسانیت پر عظیم احسان کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح افراد اور سوسائٹی میں اخلاقی برائی پیدا نہیں ہوتی۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو جنگ میں پکڑا ہی کیوں جاتا ہے؟ کہ مسلمانوں کو استثنائی اجازت دینی پڑے۔ تو واضح رہے کہ پہلے زمانہ میں عورتیں بکثرتِ جنگ میں شامل ہوتی تھیں۔ بعض اوقات عملی حصہ بھی لیا کرتی تھیں۔ سپاہیوں کو جوش دلانا۔ اور مرہم پٹی کرنا اور تیر چلانے کا کام تو جنگِ احد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے جنگجو عورت کو میدانِ جنگ میں قید کرنا ہی لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہر جنگ میں رسولؐ اللہ کے وقت میں کفار کی عورتیں قید ہو کر آتی تھیں۔ اور

صحابہ کرامؓ کی سپردگی میں دے دی جاتی تھیں اور وہ اسلام کے حکم کی رعائت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بشرطیکہ ان کے لواحقین فدیہ لے کر چھڑانے کے لئے نہ آئیں۔ اسی طرح قبیلہ بنو مطلق میں ان کے سردار کی بیٹی برّہ بھی قید ہو کر آئیں۔ جو پہلے ہی بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر منافع بن صفوان غزوہ مریسیع میں مارے گئے تھے۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو برّہ ایک صحابی انصاری جو کہ ثابت بن قیس کہلاتے تھے ان کی سپردگی میں دے دی گئی۔ چونکہ لونڈی اور غلام کچھ رقم دیکر آزاد ہو سکتے تھے۔ اور اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق برّہ مکاتیبہ بن گئیں۔ لیکن ان کو شرط کے مطابق نو۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا۔ اور یہ رقم ان کی استطاعت سے باہر تھی۔ اس لئے برّہ فیصلے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تا کہ آپؐ سے کتابت کے سلسلہ میں کچھ مدد حاصل کرے۔ برّہ رسُولِ پاکؐ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یا رسُولِ خُداؐ! مَیں حارث بن ضرار کی بیٹی ہُوں۔ جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں ثابت بن قیس کے حصّے میں پڑی ہوں۔ میں نے انہیں مکاتیب پر راضی کر لیا ہے۔ اب آپؐ کے پاس حاضر ہوئی ہوں کہ مدد حاصل کروں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا جاوے تو پسند کرو گی۔ جویریہؓ نے پوچھا کہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں تمہاری طرف سے کتابت ادا کر دوں اور تم سے رشتۂ ازدواج قائم کر لوں؟ جویریہؓ نے جواب دیا۔ جی ہاں یا رسول اللہ مَیں قطعی راضی ہُوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ مَیں نے کر لیا[ل۵]

حضرت جویریہؓ کی شادی کے متعلق ایک یہ بھی روایت ہے کہ اُن کے والد حارث اپنی صاحبزادی کو چھڑانے کے لئے خود حضورؐ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے تو آپؐ کی فیض صحبت کی برکت سے مسلمان ہو گئے اور پھر اپنی طرف سے پیغام ملنے پر انہوں نے خود اپنی مرضی و رضاء سے اپنی بیٹی کی شادی آپؐ سے کر دی تھی۔ اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ حارث ابن ابی ضرار نے خود نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر

ل۵:- ابنِ ہشام باب ۱۳۶ ص ۳۳۵ ؎

عرض کی تھی کہ یا رسولِ خُدا! مَیں قوم کا سردار ہُوں۔ میری صاحبزادی اس طرح قید میں نہیں رکھی جا سکتی۔ آپؐ نے فرمایا جویریہؓ سے پوچھا جائے۔ اگر وہ آزاد ہو کر واپس جانا چاہتی ہے تو ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ہمارے پاس رہنا چاہتی ہے تو ہمارے پاس ٹھہرے۔ حضرت جویریہؓ سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا جس پر آپؐ نے آزاد فرما کر ان کے ساتھ شادی فرمائی[ل۱]

حضرت جویریہؓ کا پہلا نام برّہ تھا۔ آپؐ نے بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ بدلنے میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ برّہ کے معنے نیکی کے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کبھی برّہ گھر پر نہ ہو تو یہ کہا جائے کہ برّہ گھر پر نہیں ہے یعنی نیکی اور برکت گھر سے چلی گئی ہے۔ گو کہ برّہ کے جانے سے نیکی کا جانا لفظی معنوں میں مُراد ہے۔ لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکی و تقویٰ کے لفظوں سے بھی پیار تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ اس رشتہ کو استوار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنو مطلق کے لوگ بہت جلد اسلام کی تعلیم سے متأثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ خبر تمام لوگوں میں پھیل گئی کہ رسولِ کریمؐ نے جویریہؓ بنت حارث کو اپنے رشتۂ زوجیت میں منسلک کر لیا ہے لوگوں نے کہا یہ تو رسولِ خُداؐ کے رشتہ دار ہیں۔ پھر جو کسی کو ملا بطور تحفہ پیش کر دیا گیا۔ ان کے اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ شانِ نبوی کے خلاف ہے کہ نبی کے سُسرال کو اپنے ہاتھ میں قیدی رکھا جائے۔ میری نظر میں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنی قوم کے لئے اتنی باعث برکت ہوئی جتنی کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے تھیں۔

حضرت جویریہؓ بہت حسین و ملیح تھیں۔ جو انہیں دیکھتا اس کے دل پر قابض ہو جاتی۔

ل۱:- اصابہ جلد ۱۰ حالاتِ جویریہؓ ؎

تھیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں خوبصورت اور خوب سیرت دونوں اوصاف عطا کئے
ہوئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مزید نوازلیا اور انہیں ام المؤمنین بھی بنا دیا۔
وہ پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن کردی گئیں[۱]۔

پہلی صُلح

صلح حدیبیہ۔ ۶ ہجری

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ
مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ
مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

(سورۃ فتح ع ۴ پ ۲۶)

تقریباً انیس برس کی جنگوں کے بعد صلح حدیبیہ پہلی صلح ہے جو ۶ ہجری کو مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ نبوت کے بعد تیرہ سال تک تو یکطرفہ جنگ جاری رہی۔ جو ایک سرد جنگ تھی۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ ظلم سہتے رہے۔ کیونکہ ایک اچھے شہری تھے۔ لیکن چودہ برس بعد یہی خاموش جنگیں خون ریزیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ اور ہجرت کے بعد باقاعدہ میدانِ کارزار میں ہوئیں۔ گو کہ ہر دو جنگوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ اور وہ تھا اسلام اور بانیٔ اسلام کی بیخ کنی۔ اگرچہ ۶ ہجری سے پہلے تک کی ہر جنگ دفاعی تھی۔ ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر تلوار لٹکتی تھی۔ جنگ بدر جو ۲ ہجری میں ہوئی جس کا انجام کفّار کے لئے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنے اختتام کو پہنچ کر ختم نہیں ہوئی بلکہ دوسری جنگ اُحد کا پیش خیمہ تھی۔ جنگ بدر میں فریقین کی نسبت تین اور دس کی تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے تین سو ۳۰۰ غریب اور بے وطنی کے مارے ہوئے سپاہیوں کی پشت

[۱]: ۔ شبلی ص ۴۱۶ ؎

پر تھے۔ اور خونی ارادوں کو لئے ہوئے مکّہ کے جگر گوشے "یَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ" کا منظر میدان میں دیکھ کر آئندہ کے لئے دھمکی دے گئے تھے۔ کیونکہ عرب میں رواج ہی یہ تھا کہ شکست خوردہ فوج آئندہ لڑائی کے وعدے دے جاتی تھی۔ یہ جنگیں صدیاں جاری رہیں یا چالیس ۴۰ سال تک مستقل جاری رہتی تھیں۔ وقفہ درمیان میں ضرور ہوتا تھا۔ کچھ اسی قسم کی جنگیں قریش مکّہ نے رسولِ خداؐ سے لڑیں۔ اور ہر بار موعود لڑائی تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آگیا کہ انہیں رسولِ خداؐ سے صلح کے سوا چارہ نہ رہا تھا۔ اور یہ دن اسلام کی فتح کے قریب کا دن تھا۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک خواب کی بناء پر فروری ۶۲۸ء میں پندرہ سو ۱۵۰۰ زائرین ساتھ لے کر مکّہ کی طرف بغرض طوافِ کعبہ سفر کیا۔ بیس سوار آپؐ کے قافلہ کے آگے تھے۔ تاکہ اگر دشمن مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہے تو مسلمانوں کو وقت پر اطلاع مل جائے۔ اگرچہ کفّار مکّہ کا یہ مذہب تھا کہ طوافِ کعبہ میں کسی کے لئے روک نہیں ڈالی جاسکتی۔ اور آپؐ نے صاف صاف الفاظ میں اعلان بھی کردیا تھا کہ آپؐ صرف اسلام کا ایک رکن ادا کرنے کے لئے آرہے ہیں اور قربانیاں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ لیکن مکّہ والوں نے مکّہ کو ایک قلعہ بنالیا اور خود چیتوں کی کھالیں پہن لیں۔ اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر قسمیں کھاتے ہوئے نکل پڑے کہ وہ آپؐ کو حج کے فریضہ کے لئے بھی نکلنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ فوج کا ہراول دستہ مسلمانوں کے سامنے آکھڑا ہوا۔ لیکن چونکہ خدا کا رسولؐ لڑنے کی نیت سے ہی نہیں گیا تھا۔ اس لئے آپؐ نے ایک راہبر کی سرکردگی میں دوسرا رستہ اختیار کرلیا۔ جو جنگل کے بیچوں بیچ تھا۔ مقام حدیبیہ پر پہنچ کر اونٹنی نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور رک گئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ دوسری اونٹنی لے لیں۔ یہ تھک گئی ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر ڈیرے ڈال کر قریش مکّہ سے اجازت طلب کرنی چاہی تاکہ اجازت لے کر طواف کریں۔ انہوں نے بدیل نامی سردار سفیر بنا کر بات چیت کرنے

کے لئے بھیجا۔ جسے آپؐ نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ کہ ہم لڑائی کی غرض سے ہرگز نہیں آئے۔ ہاں آپ لوگ لڑائی ٹھونس رہے ہیں۔ پھر دوسری بار ابوسفیان کا داماد عروہ آیا جو بہت بدتمیزی سے بولا "یہ اُباشوں کا گروہ آپؐ اپنے ساتھ لائے ہیں"۔ مکّہ والے انہیں کسی صورت میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکّہ والوں کے پاس بھیجا۔ کہ جاکر گفت وشنید کریں۔ کیونکہ مکّہ میں ان کی بڑی وسیع رشتہ داری تھی۔ وہاں گفتگو کے دوران کچھ شریر لوگوں نے یہ افواہ اڑادی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس پر رسولؐ خدا کو بہت تکلیف ہوئی اور آپؐ نے فرمایا۔ اگر یہ خبر درست ہے تو ہم بزور مکّہ میں داخل ہوں گے۔ اور صحابہ کرامؓ عہد کریں۔ تو فتح کر کے لوٹیں گے یا پھر ایک ایک میدانِ جنگ میں مارے جائیں گے۔ یہ عہد ایک بیعت کی شکل میں لیا گیا۔ جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ چنانچہ پندرہ سو کے پندرہ سو زائرین نے دیوانہ وار یہ عہد کیا کہ شام سے پہلے پہلے مکّہ فتح کر لیں گے یا پھر میدانِ جنگ میں شہادت کا جام پئیں گے بہر صورت اپنے سفیر کا بدلہ ضرور لیں گے۔ لیکن مسلمان بیعت سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ حضرت عثمانؓ واپس آ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ مکّہ والے اس سال تو عمرہ کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اگلے سال اجازت دینے کو تیار ہیں۔ اور ایک شخص سہیل معاہدہ صلح نامہ لکھنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے اور سہیل نے معاہدہ کی شرائط طے کرنی شروع کیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے فوراً ٹوکا۔ اور کہا کہ اللہ کو تو ہم جانتے ہیں یہ رحمٰن اور رحیم کیا ہوئے؟ آپؐ ہمارے مذہب کا بھی احترام کریں۔ چنانچہ آپؐ نے قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ صلح مکّہ والوں اور محمد رسول اللہ کے درمیان ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپؐ کو رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کس چیز کا تھا؟ آپؐ نے پھر فرمایا ٹھیک ہے۔ محمد ابن عبداللہ تحریر کرو۔ چنانچہ یہ معاہدہ محمد ابن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان چند شرائط پر طے ہوا۔

(۱) جنگ دس سال تک نہیں لڑی جائے گی۔

(۲) جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ملنا چاہے تو مل سکتا ہے اور جو مکّہ والوں سے ملنا چاہے تو وہ بھی مل سکتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا جس کی عمر چھوٹی ہے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا ملے گا تو اُسے اس کے باپ یا متوّلی کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اس سال مکّہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمان واپس لوٹ جائیں اور اگلے سال ۷ھ ہجری تین دن تک یہاں ٹھہریں اور طواف پورا کریں۔ اس عرصہ میں قریش باہر شہر سے پہاڑی پر چلے جائیں گے۔

(۴) لیکن مدینہ والے جب مکّہ میں داخل ہوں تو بغیر ہتھیار کے جو ہر مسافر اپنے پاس رکھتا ہے۔ یعنی نیام میں ڈالی ہوئی تلوار۔

الغرض صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے جس جذبہ کا مظاہرہ فرمایا وہ قابلِ صد آفرین ہے کہ آپؐ نے بظاہر کڑی اور سخت شرائط محض صلح کے لئے قبول فرمالیں۔ نمائندہ کفّار کے مطالبہ پر بسم اللہ کے ساتھ "رحمٰن" اور "رحیم" کے الفاظ نہ لکھے۔ محمد رسول اللہؐ سے رسولِ خداؐ کا لفظ مٹا کر عبداللہ لکھا گیا۔ کفّار کی گستاخیاں اور طعنے برداشت کئے۔ اور معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے جب پابہ زنجیر ابوجندلؓ باپ کے مظالم سے تنگ آکر میدان حدیبیہ میں پہنچے تو سہیل نے صلح کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کے بیٹے کو بموجب معاہدہ ہمیں واپس کر کے جاؤ۔ چنانچہ ابوجندلؓ کو ظالم اور جابر باپ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ کیوں ہوا؟

صرف اور صرف اُس صلح جو طبیعت کی خاطر جو خُدا نے اپنے نبیؐ کے ضمیر میں رکھی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے خون جوش مار رہے تھے۔ ان کی تلواریں بیتاب تھیں۔ معاہدہ میں سے حضرت علیؓ رسول اللہ کا لفظ مٹانے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ بے اختیار پوچھتے تھے کہ اگر اللہ کے وعدے سچے ہیں تو یہاں جھک

کر صُلح کیوں کی جاتی ہے۔

الغرض اِس صلح سے آپؐ کے صحابہؓ غم سے نڈھال تھے۔ کہ نہ توجہ کر سکے۔ نہ ظاہری غیرت وحمیت قائم رکھ سکے۔ کیونکہ آپؐ کو خداتعالےٰ نے دوست دشمن سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ کو خداتعالیٰ کی خوشخبری معلوم تھی کہ:۔

"عنقریب اگر خداتعالیٰ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترواکر امن وامان سے "انشاءاللہ" داخل ہوں گے۔

.... اور یہ دن فتح قریب کا دن ہوگا"۔

بادشاہوں کے نام پہلا خط

قیصرِ روم ہرقل کے نام - اواخر ۶ھ ہجری

آنحضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک عظیم مبلّغ تھے۔ اس لئے آپؐ کی زندگی کا ہر دن اور ہر رات آپؐ کا اُٹھنا۔ بیٹھنا اور سونا جاگنا سب تبلیغ ہی تھا۔ آپؐ مجسم پیغام الٰہی تھے۔ اس لئے یہ پیغام لے کر گدا سے شاہ تک پہنچے۔ ایک زمانہ تو جنگوں میں گزرا۔ جن میں سے کچھ تو دفاعی تھیں اور کچھ امن و آشتی قائم کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن جس دم ذرا سکون ہوا۔ تو آپؐ نے سب سے پہلا کام بادشاہوں کے نام بذریعہ خطوط اپنا پیغام پہنچایا۔ وہ پیغام جو آپؐ لے کر اُٹھے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سنانے کے لئے آپؐ نے طائف کا سفر کیا تھا اور جواب میں پتھر نصیب ہوئے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سُن کر آپؐ کے پیارے آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ بیشک وہی پیغام جس نے آپؐ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ اور غارِ ثور نے گود میں تین دن پناہ دی تھی۔ وہی پیغام آج خاص وعام سے آگے بڑھتا بڑھتا بادشاہوں کے دربار میں جا پہنچا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا

خط آپؐ نے ذوالحجہ ۶ھ ہجری[1] دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ قیصرِ روم کے نام روانہ فرمایا تھا۔ دحیہ کلبیؓ بصرہ کے گورنر حارث بن ابی شمر[2] کے پاس گئے اور ان کی وساطت سے قیصر روم ہرقل کو ملے۔ وہ ان دنوں شام کے دَورہ پر آیا ہوا تھا۔ دحیہ کلبیؓ جب دربار میں گئے تو دربار کے افسروں نے کہا کہ آدابِ دربار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سجدہ ضروری ہے۔ مگر مسلمان سفیر نے یہ کہکر کہ "مسلمان انسان کو سجدہ نہیں کرتے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنا خط پیش کیا جو ترجمان نے پڑھ کر سنایا۔ خط سننے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی عرب کا قافلہ آیا ہوا ہے تو میرے دربار میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے کچھ ساتھی دربار میں حاضر ہوئے۔ تو ہرقل نے حکم دیا کہ ابوسفیان سے جو کچھ مَیں پوچھوں گا اس کا صحیح صحیح جواب دے۔ اگر کچھ جھوٹ بولے تو اُس کے ساتھی فوراً تردید کریں۔

سوال:۔ ہرقل نے پوچھا یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا شخص جس کا یہ خط ہے۔ کیا تم اُس کو جانتے ہو۔ کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟

جواب:۔ ابوسفیان نے جواب دیا۔ وُہ اچھے خاندان میں سے ہے اور میرا رشتہ دار ہے اور چچازاد بھائی ہے۔

سوال:۔ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان کا جواب نفی میں پاکر اس نے پوچھا کیا تم دعوےٰ سے پہلے اس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے۔ یا اس کے باپ دادا بادشاہ تھے؟

جواب:۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا بلکہ اس کو امین وصدیق کہا جاتا تھا۔ اور اس کے والدین بادشاہوں میں سے نہیں تھے۔

سوال:۔ ہرقل نے پھر سوال کیا بڑے بڑے جابر اور قوت والے لوگ اسکی جماعت میں داخل ہوتے ہیں یا غریب ومسکین لوگ؟ وہ بڑھتے

[1]:۔ ابن مسعود بحوالہ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۳۴، ۳۳۷ [2]:۔ زرقانی

ہیں یا گھٹتے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے کہا کہ غریب اور مسکین اور نوجوان لوگ شامل ہوتے ہیں اور وہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

سوال :۔ اس پر ہرقل شاہ روم نے پوچھا کہ کوئی لوگ مرتد بھی ہوتے ہیں؟

جواب :۔ ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنے پاؤں پر پھرا ہو۔ اور نہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی اپنا عہد توڑا ہے۔

سوال :۔ ہرقل نے پوچھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان لڑائی کا کیا حشر ہوا؟

جواب :۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ بدر اور اُحد کے نتائج توڈول کی مانند رہے۔ جو کبھی اُوپر جاتا ہے اور کبھی نیچے اور وفور جوش میں اس نے اپنی قوم کے بدترین انتقام مثلہ کا ذکر بھی کر ڈالا۔

سوال :۔ ہرقل نے پھر پُوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم کیا دیتا ہے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ خُدا ایک ہے اسکی پرستش کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ہمارے باپ دادا جن کو پوجا کرتے تھے۔ وہ ان کی پوجا سے روکتا ہے۔ اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ خدا کی عبادت کریں۔ اور سچ بولا کریں اور گندے کاموں سے بچا کریں۔ اور ہمیں یہ بھی کہتا ہے کہ ہم مروّت اور وفائے عہد سے کام لیا کریں اور امانتوں کو ادا کریں"۔

شاہ روم نے ان تمام سوالات اور جوابات سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ آپؐ صادق نبی ہیں قیصر نے کہا کہ انبیاء ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں اور جو شخص عام زندگی میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خُدا پر جھوٹ بولے یہ قطعی ناممکن ہے اور یہ کہ اسکے باپ دادا بادشاہ نہیں تھے اسلئے وہ کسی ملک کو واپس لینے کیلئے بھی موقع نہیں ڈھونڈتا۔ پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ صادق نبی ہے کیونکہ انبیاء ہمیشہ مصائب میں وقت بسر کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں۔

آپؐ کا مصدّق پہلا بادشاہ

نجاشی والئے حبشہ

بادشاہوں میں نجاشی والئے حبشہ وہ بادشاہ ہے جس نے پیغمبر اسلام اور توحید کی تصدیق پر مہر ثبت کر دی۔ جس طرح آپؐ رُوح کی ارتقائی منزلیں طے کر کے غارِ حرا سے باہر تشریف لائے۔ تو ورقہ بن نوفل بنی نوع انسان میں سے پہلا شخص تھا جس نے آپؐ کی پیغمبری کی تصدیق کی تھی۔ بعینہٖ بعثہ نبوی کو نبوت کے ٹھیک پانچ سال بعد نجاشی حبشہ کا وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے بھرے دربار میں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یہ تصدیق کر دی اور کہا کہ "خُدا کی قسم بے شک یہ چیز (کلام جو رسولؐ اللہ پر نازل ہُوا) اور وہ چیز جو عیسٰی علیہ السّلام لائے ایک ہی طاق کی نکلی ہوئی روشنی ہے"۔[1]

جب مسلمان مہاجرین کی زندگیاں ہجرت حبشہ کے بعد امن سے گزرنے لگیں اور وہ قریباً ایک سو ہو گئے۔ تو یہ خبر کفار مکّہ کے لئے خوشکن نہ تھی۔ اُن کے غضب کی آگ ایسی بھڑکی کہ شعلے حبشہ تک جا پہنچے۔ انہوں نے دو ممتاز مستقل مزاج ہستیاں وفد کی صورت میں حبشہ روانہ کیں۔ جن میں سے ایک عمرو بن عاص جو کہ بہت لسّان تھا۔ اور ایک عبداللہ بن ربیعہ جنہوں نے شاہ حبشہ کو گرانقدر تحائف پیش کئے۔ تاکہ بادشاہ کا دل جیت لیں اور اپنی مراد پوری کروا لیں۔

حضرت اُمّ سلمٰی اُمّ المومنین رضؓ سے روایت ہے کہ جب ہم حبشہ میں اترے تو وہاں ہمیں نجاشی کا سا بہترین پڑوسی مل گیا۔ دین میں امن نصیب ہُوا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچاتا اور نہ ہم کوئی بُری بات سُنتے تھے۔ کہ اہلِ مکّہ نے نجاشی کے پاس مکّہ کے سامان میں سے نایاب چیزیں بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اس کے وزراء میں سے کسی وزیر کو نہیں چھوڑا جس کے لئے ہدیہ

[1] سیرۃ النبیؐ کامل ص۳۳۸ باب ۵۲

نہ بھیجا ہو۔ تاکہ نجاشی سے استدعا کریں کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کردیں۔ بیشتر
اس کے کہ مسلمانوں سے گفتگو کی جائے۔ یہ اسکیم بنا کر عمرو بن عاص دربار میں حاضر
ہوا۔ اور کہا بادشاہ سلامت ہمارے چند لوگوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کردیا
ہے۔ اور ایک نیا دین نکالا ہے جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے۔ اور ملک
میں فساد ڈال رہا ہے جن میں سے چند لوگ یہاں آگئے ہیں۔ ہماری درخواست
ہے کہ انہیں آپ ہمارے ساتھ بھجوا دیں۔ حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن
ربیعہ کو اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سُنے۔ اس
کے وزیروں نے بھی کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ لوگ کہتے تو سچ ہیں۔ ان کی قوم
شرافت کے لحاظ سے اُن پر برتری رکھتی ہے۔ چاہیئے تو یہی کہ مسلمانوں کو اُن
کے سپرد کردیا جائے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے وطن واپس لے جائیں۔ لیکن نجاشی
نے مسلمانوں سے گفتگو کرنے کو ترجیح دی۔ اور کہا کہ اگر قریش کے سفیر جو کچھ کہتے
ہیں سچا ہوا تو میں مسلمانوں کو ان کے حوالہ کردوں گا۔ وگرنہ جب انہوں نے میرا پڑوس
اختیار کیا ہے اور میری سرزمین میں بطور مہمان آئے ہیں تو ان کی حفاظت کروں گا۔
اور ان کے پڑوسی ہونے کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ نجاشی نے مسلمان مہاجرین کو بُلا
بھیجا۔ اور ان سے دو باتیں دریافت کیں:۔

اوّل:۔ نیا دین کون سا لائے ہو؟

دوئم:۔ میرے دین اور اس دین میں کیا تضاد ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالب نے نمائندگی کے فرائض سرانجام دیئے اور گفتگو
کا آغاز یوں کیا:۔

"اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بت پرست تھے۔ مردار خور تھے
قطع رحمی کرتے تھے۔ ظلم و تشدد ہمارا شیوہ تھا۔ کمزور غریب کا حق
دبا لینا ہمارا ایمان تھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ خدا تعالیٰ نے ہماری
طرف ایک رحم دل شخص نبی بنا کر بھیجا جس کے حسب و نسب اور صدق و

امانت پر نہ صرف ہم بلکہ اہل مکّہ بھی تصدیقی مہر لگاتے ہیں۔ اس نے
ہمیں توحید سکھائی۔ راست گفتاری امانت و صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہم میں
سے ہر بُرائی کو جڑ سے نکال پھینکنے کے لیئے ہمیں عبادت کی طرف
متوجہ کیا...... ہم نے اس کی اتباع کی تو اس قوم نے ہمیں غدارِ
دین سمجھ کر عذاب دیئے۔ ہماری زندگی ہم پر تنگ کردی۔ دین کے
کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے۔ تو ہم آپ کے ملک کی جانب نکل آئے
ہم نے آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی۔ یہ تعاقب کرکے آپ کے
دربار تک آ پہنچے تاکہ یہاں سے نکلوا کر انتقام کی بھٹی میں جھونک دیں۔
پس اے بادشاہ! ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ کے ماتحت ہم پر ظلم
نہ ہوگا۔ ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی نے کلام اللہ پڑھنے کو کہا۔ تو حضرت
جعفرؓ نے کھیعص سورۃ مریم کی تلاوت کی۔ واللہ پھر تو نجاشی رو پڑا
اور اس کی داڑھی تر بتر ہوگئی۔ جب اس کے علماء نے یہ کلام سنا تو
وہ بھی روئے یہاں تک کہ صحیفے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: بیشک
یہ چیز اور وہ چیز جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے ایک ہی طاق
کی نکلی ہوئی روشنی ہے۔" تم دونوں چلے جاؤ۔ واللہ میں انہیں تمہارے
حوالے ہرگز نہیں کروں گا اور نہ ایسا ارادہ کیا جائے گا۔

اس نے تحائف واپس کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے اس کی خواہش نہیں
کہ سونے کا ایک پہاڑ مل جائے۔ تم بے خوف رہو جو تمہیں بُرا بھلا کہے گا
اس کا بدلہ لیا جائے گا۔"

اگلے روز عمرو بن عاص پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا اور عرض کی کہ اے
بادشاہ! آپ کو علم ہے کہ یہ لوگ آپ کے مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے
ہیں؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہمارے عقیدہ کے مطابق مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا
بندہ ہے مگر اس کا رسول اور مقرب ہے۔ اور اس کے کلام سے عالم ہستی میں آیا

ہے جو اُس نے مریم پر ڈالا۔ نجاشی نے زمین پر سے تِنکا اُٹھایا اور کہا۔ واللہ جو تم نے کہا مَیں مسیحؑ کو اس تِنکے کے برابر بھی اس سے بڑا نہیں سمجھتا۔ امیر قریش کا وفد تو خائب و خاسر ہو کر چلا گیا۔ لیکن پادری حضرات سخت برہم ہُوئے۔ نجاشی نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ کہا۔" قریش کے سفیروں کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم جب اللہ نے مجھے میری حکومت واپس دی۔ تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی۔ کہ مَیں کوئی رشوت لوں۔ خدا نے میرے بارے میں وہ نہیں کیا جو لوگ چاہتے ہیں۔ پھر کیوں مَیں وہ کروں جو لوگ کہتے ہیں۔ اور خُدا کے بارے میں بے سوچے سمجھے لوگوں کی بات مان لوں[1]۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نجاشی وہ خوش نصیب بادشاہ تھا کہ جب اُس نے انتقال کیا تو اُس کی قبر پر نُور نظر آیا کرتا تھا[2]۔ جب نجاشی فوت ہُوا تو رسُولِ خُدا نے نماز جنازہ غائب ادا فرمائی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت عطا کی کہ ایک بار اُس نے حضور نبی کریمؐ کا عقد مبارک حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ بنت ابی سفیان کے ساتھ چار سو دینار مہر پر پڑھا۔ اور مہر کی یہ رقم خود ادا فرما دی۔ نجاشی امّ حبیبہؓ کے پاس نکاح کا پیغام لے کر بنفسِ نفیس خود گیا تھا۔ اور بطور منظوری عقد کیا تھا۔ محمدؐ بن علیؓ نے فرمایا کہ عبد المالک بن مروان نے عورتوں کے لئے یہ چار صد دینار مہر کی حد بندی فرمانے کا یہی سبب بتایا ہے۔ امّ حبیبہؓ کا وکیل اسی وقت حضرت خالد بن سعید بن عاص تھا۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جسے یہ سعادت حاصل ہے کہ ایک نبی کا نکاح پڑھے اور اس کا مہر اپنے پاس سے ادا کر دے۔ سبحان اللہ۔

---

[1]:- ابنِ ہشام صـ ۳۴۲ باب ۵۲ ۔ [2]:- ابنِ ہشام

پہلا حج ـــ حجۃ الوداع

۲۶ ذیقعد ۔ ۱۰ سنہ ہجری

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ"

کے ارشاد پر قربان ہونے والے میرے آقا محمدؐ رسُولِ خُدا صبح شام یادِ خداوندی میں گزارتے۔ آپ رات کو مکمل نہ سوتے نہ جاگتے۔ کچھ نوافل ادا کرتے اور کچھ تقاضائے فطرت کے مطابق آرام فرما لیتے۔ اور پھر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ سر بسجود رہتے۔ اتنا رکوع و قیام کرتے کہ آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے دن رات میں انتالیس ۳۹ نوافل و سنتیں ادا فرمانے والے وجود کو جب حج کی اجازت ملی تو پہلا حج ہی حجۃ الوداع ہو گیا۔ اگرچہ عمرہ کی سعادت آپؐ کو چار دفعہ ہجرت کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن حج یہی پہلا اور یہی آخری تھا۔ خدا تعالےٰ کا منشاء پاتے ہی آپؐ نے دس ۱۰ ہجری ۲۶ ذیقعد کو اعلان فرما دیا۔ یہ ایک ایسی خوش کن اور رُوح پرور خبر تھی جو ہوا کی سی تیزی سے چہار سو پھیل گئی۔ سارا عربؔ آج اپنے محسن کی قیادت میں حج کے لئے امنڈ آیا تھا۔ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اگرچہ عام حالات میں یا جنگ کے دَوران جس بی بی کے نام کا قرعہ نکلتا آپؐ ان کو اپنی معیت میں لے جاتے تھے۔ لیکن اس سعید و بابرکت موقع پر آپؐ کی تمام شریک حیات آپؐ کے شریک تھیں۔ آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر تہمند باندھی۔ نماز ظہر ادا فرما کر مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اور چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ[1] کے مقام پر شب بھر اقامت فرمائی۔ احرام باندھنے سے پہلے آپؐ نے دوبارہ غسل فرمایا۔

---

[1]:- شبلی صـ ۱۸۷ حصہ دوئم

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کو عطر لگایا[1]۔ آپؐ نے دو۲ رکعت نماز ادا فرمائی اور لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ فرماتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ پورے نو۹ دن امیرِ کارواں اپنے ہزاروں قدوسیوں کے ساتھ سفر طے کرتے رہے۔ اور ۴ ذوالحجہ کو آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں جگہ جگہ منازل کیں اور نوافل فرماتے جہاں آجکل ان جگہوں پر مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ آج خاندان بنوہاشم کے لوگ استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ جنہوں نے دس۱۰ سال قبل آپؐ کے قتل کی شرائط لگائی تھیں۔ کعبہ پر نظر پڑی تو آپؐ نے فرمایا:۔

"اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزّت اور شرف دے"۔

مقام ابراہیم پر دوگانہ ادا کیا۔ صفا اور مروہ پر بھی خُدا کا شکرانہ ادا کرتے ہُوئے چڑھے۔

سعی و طواف کے بعد آپؐ نے احرام اتارنے کا حکم دیا جن کے پاس قربانی کے اونٹ تھے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات آٹھ ذوالحجہ کو آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا۔ اگلے روز جمعہ[2] کو صبح کی نماز پڑھ کر آپؐ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ عرفات پر نمرہ کے میدان میں ایک کمبل کے خیمہ میں دوپہر ڈھلنے تک آپؐ تشریف فرما رہے تھے۔ اپنی اُونٹنی قصوا پر سوار ہو کر آپؐ نے خطبہ عطا فرمایا۔ فرمایا:

"جاہلیت کے تمام فرسودہ مراسم آج میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں"۔

آج پہلا دن ہے کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور اپنے خطبہ میں سب سے پہلے تبر اس امتیازی مراتب پر آپؐ نے رکھدی۔ حدبندیاں اور تفرقے توڑ دیئے۔ فرمایا:۔

"لوگو! ہاں بیشک تمہارا ربّ ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور مسلمان مسلمان باہم بھائی ہیں[3]"۔

---

[1]: صحیح بخاری و صحیح مسلم ⁂ [2]: شبلی حصہ دوئم ص ۱۸۹ ⁂ [3]: مسند احمد ⁂

دوسرے نمبر پر عرب سرزمین کی یہ ریت چلی آرہی تھی۔ کہ جب تک خاندانی رقابت اور انتقام کی آگ خون ریزی کی بارش سے ٹھنڈی نہ ہوتی وہ چین سے نہ بیٹھتے۔ مگر آج محسنِ انسانیت نے فخر و مقدم اور تکبّر کو سرنگوں کر دیا۔ فرمایا:۔

"جاہلیّت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[1]"

اپنے گھر سے اپنے خاندان سے اور اپنے ہی قبیلہ سے نمونہ پیش فرما کر جاہلیت کے تمام سُود بھی معاف کر دیئے۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندان سے عباسؓ بن عبدالمطلب کا سُود باطل قرار دیا[2]۔

ایک اور لعنت جو عرب پر مسلّط تھی وہ عورتوں کی تجارت تھی۔ عورتیں جائیداد منقولہ تھیں۔ چڑھاوے پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ مگر آپ نے ان رسومات کی بیخ کنی فرما کر قدردانی کا تاج عورت کے سر پر پہنایا اور فرمایا:۔

عورتوں کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔[3]

"تمہارا خون اور تمہارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے جسطرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے"۔

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ[4]"۔

پھر چند اصولی احکام کا اعلان فرما کر آپؐ نے فرمایا:۔

"تم سے خُدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ "ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خُدا کا پیغام پہنچا دیا۔ اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔ اے خُدا تو گواہ رہنا"۔[5]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے ظہر اور عصر کی ایک ساتھ نماز ادا فرمائی اور پھر

---

[1]: شبلی حصہ دوم ص ۱۹۳ ⁂ [2]: صحیح مسلم و ابوداؤد ⁂ [3]: ابنِ ہشام ⁂ [4]: شبلی حصہ دوم ص ۱۹۶ ⁂

موقف کے مقام پر تشریف لے گئے۔ جہاں قبلہ رُو ہو کر دُعا میں مصروف ہُوئے۔
مغرب سے پہلے سرکارِ دو عالم ہزاروں کی قیادت فرماتے ہُوئے وہاں سے چلے اور
لوگوں کے ہجوم میں ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ آپؐ ہاتھ کے اشارے سے فرماتے
جاتے تھے کہ آہستہ چلو آہستہ چلو لوگو سکون کے ساتھ۔

مزدلفہ کے مقام پر مغرب و عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ نے آرام فرمایا۔
اور تہجد کی نماز کے لئے بیدار نہیں ہُوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ:۔

"یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی"

نمازِ فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے آپؐ نے یہاں سے کوچ فرمایا۔ اور جمرہ
کے مقام پر تشریف لے گئے۔ حضرت فضلؓ بن عباس سے کنکریاں چننے کو فرمایا
اور کنکریاں پھینکیں۔

لوگ دائیں بائیں آپؐ سے حج کے مسائل پوچھتے تھے اور آپؐ فرماتے
تھے کہ حج کے مسائل سیکھ لو۔ مَیں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج
کی نوبت نہ آئے۔ آج دسویں ذوالحجہ اور سنیچر کا دن تھا۔ تیئیس سال نو ماہ نبوت
کے فرائض سے باحسن سبکدوش ہونے والا وجود خدا تعالیٰ کے حضور شکرانہ ادا
کر رہا تھا کہ آپکے دائیں۔ آپکے بائیں۔ آگے اور آپؐ کے پیچھے انسانوں کا ایک جنگل
تھا۔ کبھی یہی وجود اس سرزمین میں تنہا تھا۔ اور آج زمین سے آسمان تک
قبول و اعترافِ حق کا نور ضُو فشاں تھا۔ اور دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات
کے ذرّے ذرّے کی زبان پر جاری تھا۔ آپؐ نے مکرّر تاکید فرمائی کہ تمہارا خون
تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ
میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

خلقِ خدا کے لئے دُکھی دل رکھنے والے محسن نے پھر دہرایا کہ:۔

"میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔
تم کو خُدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اور تم سے تمہارے اعمال

کی باز پرس کرے گا"۔

غلاموں، عورتوں، سود اور انتظام کے متعلق وصیتیں فرمانے کے بعد
آپؐ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور قربانی فرمائی۔ آپؐ کے ساتھ سَو
اُونٹ قربانی کے تھے۔ جن میں سے کچھ حضرت علیؓ نے قربان کئے۔ آپؐ نے حکم دیا
کہ ان کا گوشت پوست جو کچھ ہے سب خیرات کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ قصّاب
کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے۔ الگ سے دی جائے۔ قربانی سے
فارغ ہو کر آپؐ نے پہلے اپنے بال منڈوائے اور اپنے دستِ مبارک
سے کچھ بال حضرت ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی کو عطا کئے اور کچھ باقی صحابہؓ
کرام کو تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ آبِ زمزم کے پاس تشریف لے گئے
اور حضرت عباسؓ نے ڈول میں آبِ زمزم نکال کر پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رُخ
ہو کر پانی پیا اور منیٰ واپس تشریف لے گئے۔

۱۲ ذوالحجہ کو آپؐ نے منیٰ میں بھی ایک خطبہ دیا۔ تیرہ تاریخ کو آپنے آخری
طواف کیا۔ وہیں حج کی نماز ادا فرمائی اور پھر قافلہ بخیر و عافیت مدینہ کی طرف
روانہ ہو گیا۔ راستے میں خُم کے مقام پر آپؐ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا جو بہت
اثر انگیز اور اہم تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

حمد و ثناء کے بعد! اے لوگو مَیں بھی بشر ہُوں۔ ممکن ہے کہ خُدا کا
فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ مَیں تمہارے
درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہُوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر
ھدایت اور روشنی ہے۔ اور خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔
اور دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ مَیں اپنے اہلِ بیت کے
بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہُوں۔ آخری جملہ کو آپؐ نے تین بار
دہرایا۔ [1]

حجۃ الوداع کے بعد حضورؐ بہت کم مدت اس دنیا میں رہے ہیں۔ تقریباً

[1]:- صحیح مسلم

اکیاسی[۸۱] روز تکمیل دین کے اعلان کے بعد آپؐ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

تَمَّتْ بِالْخَیْر

نام کتاب .... تخلیق الاوّل

نام مصنّفہ .... حفیظة الرحمٰن

تاریخ طبع .... جولائی ۱۹۸۴ء

تعداد اشاعت .... ایک ہزار

کتابت .... محمد ارشد خوشنویس

پرنٹر .... محمد محسن لاہور آرٹ پریس ۱۵ انارکلی لاہور

الناشر .... حفیظة الرحمٰن بلاک ۲ A/ ۵۱ گلشن اقبال کراچی

قیمت :- ۴۰/- روپے